ماہنامہ

حنا

جولائی 2018



Hina Digest July 2018

هر گھر کیلئے

ماهنامه

حنا

جلد 40 شمارہ 7

جولائی 2018

قیمت -/70 روپے



بسم اللہ الرحمن الرحیم



حمد — حکیم خان — 7

نعت — حفیظ جالندھری — 7

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں — ادارہ — 8



قصہ آب رواں کا — ابن انشاء — 13



محبتوں کی عید — حیا بخاری — 15

گنگناتی آئی عید — فصیحہ بخاری — 155

باجی باورچن — رابعہ افتخار شیخ — 164

زیست کے رنگ — اسماء بدر — 227

رحمتِ الٰہی — سویرا فلک — 233



پربت کے اُس پار کہیں — نایاب جیلانی — 20

اک جہاں اور ہے — سدرۃ المنتہیٰ — 176



محبتوں کے رنگ — فوزیہ سرور — 44

بندھن — قمر وش شہک — 128

ہتھیلی پہ چاند — سباس گل — 194



می رقصم — بشریٰ سیال — 88

شہر دل کا راستہ — تحسین اختر — 206





حاصل مطالعہ	تحریم محمود	240	بیاض	تسنیم طاہر	245
میری ڈائری سے	صائمہ محمود	250			
رنگ حنا	بلقیس بھٹی	248	حنا کا دسترخوان	افراح طارق	252
حنا کی محفل	عین غین	243	کس قیامت کے یہ نامے	فوزیہ شفیق	256



سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com



قارئین کرام! جولائی 2018ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

عید الفطر کے بعد ملک انتخابی بخار کی زد میں آ گیا ہے۔ تمام جماعتیں اپنے اپنے امیدواروں کا اعلان کر رہی ہیں اور الیکشن مہم تیزی پکڑتی جا رہی ہے۔ ہمیں آپ سے یہ کہنا ہے کہ ووٹ دیتے وقت اگر آپ ذات و برادری سے بالاتر ہو کر امیدوار کے کردار اور اہلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ووٹ ڈالیں تو شاید یہ انتخابات ملک کی تقدیر بدلنے میں معاون ثابت ہوں۔ امیدوار کی ذاتی اہلیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی جماعت کے منشور کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ اگر ووٹر الیکٹ ایبل کرپٹ امیدوار کی بجائے قابل عمل منشور رکھنے والی سیاسی جماعت کے ایماندار اور اہل امیدوار کو ووٹ دے گا تو ملک میں سیاسی نظام مضبوط ہو گا۔ اس سے لوٹوں کی بھی حوصلہ شکنی ہو گی جو کہ جس سیاسی جماعت کو حکومت بنا تا دیکھتے ہیں بھاگ کر اس میں شامل ہو کر مخلص سیاسی ورکروں کے حق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں جو کہ انہی جماعت کے اپوزیشن کے دنوں میں اس کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

ہماری سیاسی قیادت سمیت اہل دانش کا ایک بڑا طبقہ تضادات کے ساتھ اپنی سوچ اور حکمت عملی کو آگے بڑھاتا ہے جب کوئی شخص چاہے وہ کرپٹ یا بدمعاش ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کے ساتھ ہو تو وہ اچھا ہے۔ اگر وہ مخالف کیمپ میں چلا جائے تو دنیا بھر کی برائیاں اس میں نظر آتی ہیں۔ ہمیں اس سوچ سے نجات حاصل کرنی ہے تاکہ سیاست میں جمود کا خاتمہ ہو اور نام نہاد الیکٹ ایبلز نے جس طرح پورے سیاسی نظام کو یرغمال بنایا ہوا ہے ان سے نجات حاصل کر کے ملک کو صحیح معنوں میں جمہوریت کی راہ پر گامزن کیا جا سکے۔

اس شمارے میں:۔ فوزیہ سرور، قمروش شہک، سباس گل کے مکمل ناول، بشریٰ سیال اور تحسین اختر کے ناولٹ، حیاء بخاری، فصیحہ آصف، رابعہ افتخار شیخ، اسماء بدر اور سویرا فلک کے افسانے، اُم مریم اور نایاب جیلانی کے علاوہ حنا کی سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود



اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

شکست فاش دیتا ہے ہمیشہ تو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقت پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

یہ بدھی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہوں گے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

حکیم خان حکیم



جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکر سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبش نوک قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربت دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقی کوثر آئے گا

میں ہوں مداح نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کوکب محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثل خاور آئے گا

حفیظ جالندھری

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

زیادہ مال رکھنے والوں کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادہ مال رکھنے والوں کے لئے ہلاکت ہے مگر جس نے مال کو اس طرح، اس طرح، اس طرح اور اس طرح (خرچ) کیا۔'' یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں، بائیں آگے اور پیچھے چاروں طرف (ہر طرف ایک بار) اشارہ فرمایا۔

فوائد و مسائل:۔

مال حرص اور بخل کے ذریعے سے جمع ہوتا ہے اور یہ دونوں مذموم خصلتیں ہیں۔

جائز طریقے سے کمایا ہوا مال بھی اللہ کی راہ میں اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، اپنی ذاتی آسائشات اور تعیشات پر مال صرف کرنا درست نہیں۔

سخاوت کرنے والا ہلاکت سے محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا مال اس کے لئے نیکیوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے، جس قدر زیادہ خرچ کرے گا، اتنا ہی جنت میں بلند درجات کا مستحق ہوگا۔

حلال کمائی

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادہ مال والے قیامت کے دن (دوسروں سے درجات میں) نیچے ہوں مگر جس نے مال کو اس طرح اور اس طرح خرچ کیا اور اس کی کمائی پاک (اور حلال ذرائع) سے ہوئی۔''

فائدہ:۔

سخاوت سے اس شخص کو فائدہ ہو سکتا ہے جس کی کمائی حلال ہو، لہٰذا حرام کمائی سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''زیادہ مال والے زیادہ نیچے ہوں گے، مگر جس نے اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کیا۔''

(نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین بار ارشاد فرمایا۔

سخاوت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو تو میں نہیں چاہوں گا کہ مجھ پر تیسری رات آئے اور (اس وقت بھی) اس میں سے کچھ میرے پاس (بچا ہوا) موجود ہو، مگر اتنی چیز جسے میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال رکھوں۔''

فوائد و مسائل:۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت کا بیان اور امت کے لئے ترغیب ہے۔

احد ایک بڑا پہاڑ ہے، اتنا سونا دو تین دن میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش یہی تھی کہ اگر اتنا مال بھی ہو تو وہ بھی دو تین دن میں مکمل طور پر تقسیم کر دیا جائے۔

قرض کی ادائیگی قرض خواہ کا حق ہے، اس کی ادائیگی سخاوت سے اہم ہے۔

قرض لینا دینا جائز ہے لیکن قرض لیتے وقت یہ نیت ہونی چاہیے کہ جلد از جلد ادا کر دیا جائے۔

سنبھال رکھنے کی ضرورت تب پیش آ سکتی ہے جب ادائیگی کا مقرر وقت آنے میں کچھ وقفہ باقی ہو، تا کہ جب قرض خواہ مطالبہ کرے تو ادائیگی کا اہتمام کرتے ہوئے ادائیگی میں تاخیر نہ ہو جائے۔

اگر قرض خواہ قریب موجود ہو تو مقررہ وقت سے پہلے خود جا کر ادائیگی کر دینا افضل ہے لیکن اگر اس سے رابطہ مشکل ہو تو رقم سنبھال کر رکھنا مناسب ہے تا کہ ادائیگی جلد از جلد کی جا سکے۔

دعا

حضرت عمرو بن خیلان ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یا اللہ! جو شخص مجھ پر ایمان لایا، میری تصدیق کی اور اس نے (دل سے) جان لیا کہ میں جو (شریعت) لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے، تو اسے کم مال اور اولاد دے اور اسے اپنی ملاقات کی محبت نصیب فرما اور اسے جلدی موت عطا فرما اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا، میری تصدیق نہ کی اور یہ یقین نہ کیا کہ میں جو (شریعت) لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے، اس کو بہت مال اور اولاد دے اور اس کی عمر طویل فرما دے۔''

دعا

حضرت نقادہ (بن عبداللہ) اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیج کر اس سے ایک اونٹنی طلب فرمائی، اس شخص نے اونٹنی دینے سے انکار کر دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک اور آدمی کی طرف بھیجا، اس نے ایک اونٹنی بھجوا دی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو دیکھا تو فرمایا۔

''یا اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور اسے بھیجنے والے کو بھی۔'' حضرت نقادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا، میں نے کہا۔

''جو اسے لے کر آیا اس کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اور جو اسے لے کر آیا'' (اللہ اسے بھی برکت دے۔)

پھر آپ کے حکم سے اسے دوہا گیا، اس نے بہت دودھ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہلے شخص کے بارے میں، جس نے انکار کر دیا تھا فرمایا۔

''یا اللہ! فلاں کا مال زیادہ فرما'' اور جس نے اونٹنی بھیجی تھی اس کے حق میں فرمایا۔

''یا اللہ! اس کو روز کا رزق دے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔

''ہلاک ہو جائے (تباہ ہو جائے) دینار کا بندہ، درہم کا بندہ، کمبل کا بندہ اور چادر کا بندہ، اگر اسے دیا جائے تو خوش رہتا ہے، اگر نہ دیا جائے تو (بیعت والا) وعدہ پورا نہیں کرتا۔''

ہلاکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہلاک ہو جائے دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور چادر کا بندہ، ہلاک ہو جائے، اوندھا ہو جائے، اسے کانٹا لگے تو نکالا نہ جائے۔''

فوائد ومسائل:۔

دنیا کا لالچ مذموم ہے۔

جب محبت ونفرت کی بنیاد محض دنیوی مفاد پر ہو جائے تو خلوص باقی نہیں رہتا، اس صورت میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب سے بیعت بھی اللہ کی رضا کے لئے اور اسلامی سلطنت کی حفاظت اور خدمت کے لئے نہیں ہوتی، اس طرح یہ عظیم نیکی بھی تمام برکات سے محروم ہو کر برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دینی جماعتوں اور تنظیموں سے تعلق اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے ہونا چاہیے، اسی نیت سے عہدہ اور ذمہ داری قبول کی جائے، اگر محسوس ہو کہ محنت کرنے کے باوجود جماعت میں اہمیت تسلیم نہیں کی جا رہی تو اکابر سے ناراض ہو کر جماعت سے الگ نہ ہو جائے، ہاں، اگر یہ محسوس کیا جائے کہ جماعت یا تنظیم کے عہدیدار صحیح انداز سے کام نہیں کر رہے اور توجہ دلانے کے باوجود اصلاح پر آمادہ نہیں تو خاموشی کے ساتھ تنظیم سے الگ ہو جائے۔

درہم و دینار کے بندے سے مراد وہ شخص ہے جو دنیا کے مال و دولت کی اتنی خواہش رکھتا ہے کہ اس کی تمام سرگرمیوں کا محور حصول دولت بن کر رہ جاتا ہے، اس طرح وہ دولت سے خدمت لینے کے بجائے دولت جمع کرنے اور سنبھالنے میں مصروف رہتا ہے، گویا دولت اس کا آقا یا معبود ہے اور وہ غلام یا پجاری۔

دولت کے پجاری کے لئے بد دعا کی گئی ہے کہ وہ تباہ ہو جائے، منہ کے بل گرنے اور سر کے بل اوندھا ہو جانے سے یہی مراد ہے، کانٹا نہ نکالے جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ مشکلات میں پھنسا رہے اور اس کی مدد اور نجات کی کوئی صورت پیدا نہ ہو، واللہ اعلم۔

قناعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''امارت سامان کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ امیری تو دل کی امیری ہے۔''

فوائد ومسائل:۔

انسان دولت اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس کے کام چلتے رہیں لیکن جب دولت خود مقصود بن جائے تو پھر مال و دولت کی کثرت کے باوجود وہ سکون واطمینان حاصل نہیں ہوتا جس کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔

قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے پاس موجود رزق کو کافی سمجھے اور اپنی ضروریات کو اس حد تک محدود کر لے کہ حلال روزی میں گزارا ہو جائے۔

دولت مند وہ ہے جس کا دل دولت مند ہے اور دل دولت مند تب ہوتا ہے جب اس میں

حرص اور بخل نہ ہو، ایسا آدمی تھوڑے سے مال سے اتنی خوشی حاصل کر لیتا ہے جو حریص آدمی کو بہت زیادہ مال سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

کامیاب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کامیاب وہ ہے جسے اسلام کی ہدایت مل گئی، ضرورت کے مطابق رزق مل گیا اور وہ اس پر قانع ہو گیا۔''

فوائد و مسائل:۔

اسلام سب سے بڑی دولت ہے کیونکہ اس سے آخرت میں جنت ملتی ہے جس سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔

''رزق کفاف'' کا مطلب اتنی روزی ہے جس سے بنیادی ضروریات، بغیر فضول خرچی کے، پوری ہوتی رہیں اور قرض اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے۔

کامیابی دولت کے ڈھیر جمع کرنے کا نام نہیں بلکہ موجود رزق پر قناعت اور شکر اصل دولت اور بڑی کامیابی ہے۔

ضروری حاجات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یا اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں کو ضروری حاجات کے مطابق رزق عطا فرما۔''

فوائد و مسائل:۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کے لئے بھی اچھی عادات و خصائل کی خواہش رکھے، ضرورت کے مطابق رزق کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ ملے جسے جمع کر کے رکھا جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد و قناعت امت کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

خواہش

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت کے دن ہر دولت مند اور نادار کی خواہش یہی ہو گی کہ اسے دنیا میں صرف (زندہ رکھنے کے قابل) تھوڑی سی روزی ملی ہوتی۔''

پوری دنیا

حضرت عبیداللہ بن محسن انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس کی صبح اس حال میں ہوئی کہ اسے بدن میں عافیت، اپنے بارے میں امن اور دن بھر کی خوراک حاصل ہو، اسے گویا پوری دنیا جمع کر کے دے دی گئی۔''

فوائد و مسائل:۔

جسے کوئی بیماری اور خوف نہ ہو اور دن بھر کی ضرورت کا سامان موجود ہو تو یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

ہم زیادہ کی خواہش میں ان نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے جو ہمارے پاس موجود ہوتی ہیں جس کی وجہ سے دل میں شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

جس شخص کے پاس ایک دن کی ضروریات موجود ہیں، اسے اس دن کا شکر ادا کرنا چاہیے اور یہ امید رکھنی چاہیے کہ جب کل کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات بھی مہیا فرما دے گا۔

کم تر کو دیکھو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

(دنیا میں) "اپنے سے نیچے والے (کم مال) کو دیکھو، اپنے سے اوپر والے کو نہ دیکھو، اس سے یہ ہوگا کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔"

فوائد ومسائل:۔

نیچے والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی نعمت میں ہم سے کم ہے اور اوپر والے سے مراد وہ شخص ہے جو کسی نعمت میں ہم سے بڑھ کر ہے۔

اپنے سے زیادہ نعمت والے کو دیکھنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے یہ نعمت کم حاصل ہے، اس کمی کو شیطان اس انداز سے پیش کرتا ہے گویا یہ نعمت حاصل ہے نہیں، اس طرح محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے جس سے شکر کے بجائے اللہ سے شکوہ کرنے کو جی چاہتا ہے جو ناشکری کی ایک بڑی صورت ہے۔

اپنے سے کم تر پر نظر ڈالنے سے حاصل شدہ نعمت کی قدر معلوم ہوتی ہے جس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ہر نعمت کے بارے میں یہ کیفیت ہے کہ ایک فرد کو وہ نعمت کسی سے کم ملی ہے تو وہی نعمت اسے کسی دوسرے سے زیادہ بھی ملی ہے، اس معاملے کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اگر ایک فرد کو ایک نعمت کسی سے کم ملی ہے تو کوئی دوسری نعمت اسے زیادہ بھی ملی ہے، جس طرح ایک شخص کسی سے کم دولت رکھتا ہے اور کسی سے زیادہ دولت مند بھی ہے، اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر وہ اس سے دولت میں کم ہے تو صحت یا قوت میں اس سے بڑھ کر ہے، اگر حسن صورت میں کم ہے تو عقل وفضل یا حسن سیرت میں اس سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اللہ سے شکوہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اعمال اور دل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے عملوں اور دلوں کو دیکھتا ہے۔"

فوائد ومسائل:۔

خوب صورت یا بدصورت ہونا بندے کے ہاتھ میں نہیں بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے، کوشش کرنی چاہیے کہ عمل اچھے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جاسکے۔

اللہ کے ہاں مال دار اور بے زر برابر ہیں، مال دار کو محض دولت مند ہونے کی وجہ سے معافی نہیں مل سکتی اور نادار کو محض اس کی مفلسی کی بنا پر مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

مال دار ہونا بھی اللہ کی آزمائش ہے اور مفلس ہونا دوسری طرح کی آزمائش، اگر مال دار شکر کرے تو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے اور ناشکری کرے تو ناپسندیدہ ہے، اسی طرح نادار آدمی صبر کرے تو اللہ کا پیارا ہے اور بے صبری کرے اور حرام کمائی کی کوشش کرے تو اللہ کے قرب سے محروم ہے۔

انسان اگر نیکی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کی نیت اور خواہش ضرور رکھنی چاہیے، ایسی نیت پر بھی ثواب ملتا ہے۔

☆☆☆

انشاء نامہ

قصہ آب رواں کا

ابن انشاء

لاہور میں زنانہ پولیس کے ٹریفک سنبھالنے کی خبریں کراچی پہنچی ہیں اور منو بھائی کے کالم کے باوجود بہت سے لوگ لاہور جانے اور اپنا چالان کرانے کے لئے پرتول رہے ہیں، بلکہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ کراچی میں بھی ایسا ہی کیا جائے، تاکہ لوگوں کو چالان کرانے اور مار کھانے کے لئے دور کا سفر نہ اختیار کرنا پڑے، لاہور کے اخباروں میں یہ آیا ہے کہ جہاں زنانہ پولیس کی ٹریفک کنٹرول کے لئے متعین کیا گیا، وہیں ٹریفک کا مسئلہ پیدا ہو گیا، تماشائی ہجوم کر آئے، ٹھٹ لگ گئے، ظاہر ہے کہ یہ بیبیاں اس ٹریفک کو کنٹرول کرنا جانتی ہوں گی اور کریں گی لیکن ایسے ہی موقع کے لئے شاعر نے کہا ہے۔

آب رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آب رواں بنایا

ٹریفک کنٹرول کرنا بلکہ کسی طرح کا بھی کنٹرول عورتوں کے لئے کوئی مشکل بات نہیں، یہ تو سڑک کی آمد رفت ہے، اس دنیائے رنگ و بو میں، کوئی ان کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا، اسی لئے جب نیستی سے ہستی کے راستے پر کنٹرول کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کے لئے منصوبہ بندی کے محکمے بنتے ہیں تو عورتوں ہی سے پہل کی جاتی ہے کہ کسی کو آنے نہ دیں بہت رعایت کی تو ایک یا دو کا کوٹہ مقرر کر دیا، یہ بھی قطرہ قطرہ بہت ہو جاتے ہیں، رات کو دیر سے گھر آنے والے بہت سے صاحبان بھی خواتین کی ٹریفک کنٹرول کرنے کی صلاحیتوں کا تجربہ رکھتے ہوں گے، بعضے تو دروازے پر لال بتی دیکھ کر دیوار پھاندنا مستحسن سمجھتے ہیں، یا اپنے ساتھ کسی نوح گر کو رکھتے ہیں تاکہ بیلن یا جھاڑو کا پہلا وار اسی پر ہو، تفصیل کے لئے دیکھیے ہماری کتاب ''قصہ ایک کنوارے کا'' میں دل خوش خان کا احوال۔

☆☆☆

لاہور سے اس قسم کی خبریں بھی آئی ہیں کہ اگر کسی چوک پر ٹریفک کی چھتری کے نیچے کوئی ایسی سپاہن کھڑی کر دی گئی کہ نک سک سے درست کچھ طرح داری بھی رکھتی ہو تو بعض موٹروں والے اس چھتری ہی کا طواف شروع کر دیتے ہیں، برابر وہیں گھوم رہے ہیں، سنا ہے ان کو نظر بد سے بچانے کے لئے یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد کانسٹیبل بھی رہے، جو لوگوں کو ہٹو بچو کرتا رہے، چونکہ بعض مرد کانسٹیبل وغیرہ بھی طرح دار ہوتے ہیں، اس لئے اس جوڑے پر ایک اور سنتری کو متعین کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی، یوں ٹریفک کا مسئلہ حل ہو نہ ہو، لوگوں کی بے روزگاری کا مسئلہ، بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے۔

انہی دنوں خبر آئی کہ برژی باردوست نے چور پکڑا، برژی باروت کو بھی جانتے ہیں قتالہ عالم ہے، یہ خبر فرانس کی ہے اور روای یوں بیان کرتا ہے کہ مس باردوت نے ایک شخص کو چھت پر فرار ہوتے دیکھ کر سختی سے ڈانٹا، اس شخص نے حکم کی تعمیل کی اور اس کی خواب گاہ سے چرائی ہوئی

رقم اور زیور اس کے حوالے کر دیے، مس بار دوت کو چاہیے تھا کہ چور کی اس ادا پر خود قربان ہو جاتیں یعنی اپنے گھر سے خود ہی چلی جاتیں لیکن انہوں نے پولیس کو فون کر دیا اور اس نے اس نا معلوم شخص کو آ کر گرفتار کر لیا، مس بار دوت کا تعلق فلموں سے ہے ان کو چور بھی فلمی ملا، یوں لگتا ہے کہ بے چارا پہلے ہی موصوفہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا، پولیس کی گرفتاری کو قند مکرر سمجھنا چاہیے، عام زندگی میں لوگ ایسے سدھے ہوئے نہیں ہوتے، کوئی روکے یا للکارے تو چاقو یا پستول سے جواب دیتے ہیں، پولیس کو ٹیلی فون کرنے کی اجازت تو جہاں تک ہمارا خیال ہے کوئی بھی نہیں دیتا، ہمیں تو یہ سارا افسانہ لگتا ہے اک ذرا پلاٹ اس میں کمزور ہے۔

☆☆☆

چوری کے ساتھ کو ئی اور قافیہ باندھتے منو بھائی سے ڈر لگتا ہے لیکن بندہ بشر ہے، فوجی وردی ہی میں کیوں نہ ہو، ہمیں ڈر ہے، یہ بیبیاں کہیں سماج ہی کو لال بتی نہ دکھانا شروع کر دیں اور یہ منظر نہ ہو کہ سماج تو آ کر لال بتی پر ٹھٹک گیا اور انہوں نے ہر بتی کے رخ سڑک پار بھی کر لی اور کسی راہ گیر کا ہاتھ پکڑے پکڑے قاضی کے ہاں راضی ہونے پہنچ گئیں، جن لوگوں نے لاہور میں زنانہ پولیس کا ڈول ڈالا ہے، انہوں نے شاید گلس کے باغ میں جانے اور پروانے کا خون ناحق ہونے کا قصہ نہیں سنا، بس اتنا دیکھا کہ جہاں کسی لیڈی کانسٹیبل نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ٹھہرو، وہاں دس آدمی ٹھہر گئے بلکہ پوچھنے لگے کہ محترمہ آگے کیا حکم ہے، کھڑے رہیں یا چلے جائیں، اس کا باعث قانون کے احترام کے علاوہ کچھ اور بھی تو ہو سکتا ہے۔

☆☆☆

گھر آئے چور کو پولیس کے حوالے کرنے کی بات ہمیں پسند نہیں آئی، ویسے جو چاہے بڑی بار دوت کا حسن کرشمہ ساز کرے، اس چور سے ہمیں او ہنری کے ایک قصہ کا چور یاد آیا جو ایک شخص کے ہاں چوری کرنے گیا تھا پستول دکھا کر کہنے لگا۔

''ہاتھ کھڑے کر دو۔''

اس شخص نے ایک ہاتھ کھڑا کیا، چور نے کہا۔

''دوسرا بھی۔''

اس شخص نے معذرت کی کہ گٹھیا ہے، اس ہاتھ کو میں جنبش نہیں دے سکتا، چور نے پوچھا۔

''ورم بھی ہے۔''

اس شخص نے کہا پہلے تھا، اب نہیں ہے، اس پر مکالمہ بازی شروع ہو گئی۔

''کوڑیالے سانپ کا تیل استعمال کیا؟''

''بہت کیا۔''

''بقراطی گولیاں استعمال کیں؟''

''پانچ مہینے متواتر، ان کے علاوہ لبوب کبیر معجون فلاسفہ اور اطریفل جالینوس بھی استعمال کر دیکھے، حتیٰ کہ لعوق خراسانی بھی کھاتا ہوں۔''

اب چور اپنا کام تو بھول گیا، مشورے دینے لگا اور بولا۔

''پھر تو ایک ہی دوا ہے، شراب کے دو گھونٹ جو کام کرتے ہیں وہ ان تیلوں اور معجونوں کے بس کی بات نہیں، چلو ذرا کپڑے پہنو، باہر کوئی شراب خانہ کھلا ہو تو دو گھونٹ پی آئیں، تکلف مت کرو، پیسے میرے پاس ہیں۔''

☆☆☆

محبتوں کی عید

حیا بخاری



''میں نے کہہ دیا نہ ابا، نہ مجھے اور تعلیم حاصل کرنی ہے نہ تیرے ساتھ یہ زمینوں کھیتوں والا کام سنبھالنا ہے۔''

گرمیوں کی تپتی دوپہر میں بیر کی چھایا تلے سکھ کا سانس لیتے ابا پہ وہ تپتے سورج کی طرح آبرسا تھا، انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

''ہاں تو اور کیا کریگا تو، قارون کا خزانہ لگ گیا ہے ہاتھ، جسے بیٹھ کر ساری عمر کھا سکتا ہے تو۔'' ابا نے بھی غصے بھری آواز میں کہا۔

''میں نے سوچ لیا ہے ابا، میں بھی کمہار سلیمے کی طرح دوبئی چلا جاؤں گا۔'' اس نے مضبوط لہجے میں بتایا، سلام پھیرتی اماں کا دل ڈوب کے ابھرا تھا۔

''دن رات کام کروں گا وہاں، پھر دیکھنا ابا کیسے دن پھرتے ہیں اپنے۔'' مستقبل کے بارے خواب خوش کن تھے۔

''ہاں تو یہاں اپنی زمین پہ محنت کر لے، سونا اگل دے گی۔'' ابا نے اسے مت دی۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، سونا بھی وہیں کی زمین اگلتی ہے، یہاں سب مٹی ہے مٹی۔'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے پیڑھی سنبھالتے ہوئے بولا۔

''یہی مٹی ماں ہے ہماری، جئیں یا مریں بڑا سینہ کر کے ہمیں جگہ دے دیتی ہے، وہاں تو جب بھی تیری ضرورت ختم ہوگئی، لات مار کے اسی مٹی پہ پڑے نظر آؤ گے۔'' ابا نے کڑک دار لہجے میں کہا۔

''بس ابا، مجھے نہ پڑھا یہ سبق۔'' اس نے تیز لہجے میں ہاتھ اٹھا کر انہیں جیسے منع کیا۔

''ایسے تو نہیں سب لوگ بھاگ بھاگ کے جاتے دوبئی، میں نے تو سنا ہے جنت ہے جنت، جو بھی وہاں جاتا ہے، سیٹھ بن کے لوٹتا ہے۔''

''او فریب ہے سب...... دھوکہ...... سراب۔'' ابا نے سخت لہجے میں کہا۔

''جو بھی ہے ابا، وقت بتائے گا، تو بس پیسوں کا انتظام کر دے، میں سلیم کے ساتھ ہی نکل جاؤں تو اچھا ہوگا، آگے آسانی رہے گی۔'' اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

اور پھر اماں، بابا، محلے کے بزرگوں سب نے اسے سمجھایا تھا لیکن وہ نہیں مانا تھا، ابا نے پیسوں کا انتظام کر دیا تھا اور صرف چار ماہ بعد ہی وہ سلیم کے ہمراہ دوبئی جانے کے لئے تیار کھڑا تھا، اسے خوشی تھی اس نے وقت پہ فیصلہ لے لیا تھا۔

☆☆☆

جلتے تندور کے شعلے اس کے تن کو بھی سلگائے دے رہے تھے، لیکن اسے جیسے پرواہ ہی نہ تھی، تندور کے بالکل قریب کھڑی وہ مسلسل پیڑے بنانے میں مصروف تھی۔

''تو پھر آ گئی شہر بانو۔'' اماں اسی وقت کسی کام سے کمرے سے باہر آئی تھیں، اسے جلتے تندور کے پاس دیکھ کر فوراً اس کی طرف آ گئیں۔

''ہاں تو میرا اپنا گھر ہے اماں۔'' وہ بے فکری سے کہتی کام میں جتی رہی۔

''بے شک تیرا اپنا گھر ہے، مگر تو کام نہ کیا کر، دو ہی تو بندے ہیں ہم، کر لیں گے گزارہ، تو کیوں خود کو خوار کرتی ہے۔'' اماں کا لہجہ ٹوٹا سا تھا، شہر بانو کی آنکھیں جلنے لگیں تھیں۔

''پردیسی ہو گیا ہے کرامت، اب نہیں پلٹے گا۔'' وہ مائی سے پانی بھر بھر صحن میں چھڑکاؤ کرنے لگیں، آنکھیں بھی برسنے لگیں تھیں، تندور کی آگ بجھنے لگی تھی۔

''اس کی راہ دیکھنا چھوڑ دے اور ہم دونوں کی فکر کرنا بھی۔'' وہ پیڑے اٹھا کر روٹی بنانے

لگی۔

''تو بھی نئے راستے چن لے، اپنی ماں کی بات مان لے۔'' اس نے روٹی تندور کے اندر لگا دی تھی، انگارہ سا انگلی سے چمٹا تھا، وہ سسکاری بھر کے رہ گئی تھی۔

''پردیس کی مٹی کی مہک سنا ہے بہت سوندھی ہے، جو جاتا ہے، پلٹ کر نہیں آتا، اب تو بس یہ فکر ہے کہ میری چارپائی کو کندھا دینے بھی کرامت آئے گا یا نہیں۔'' وہ اس کے پاس رکھی چارپائی پہ بیٹھ کر آنسو بہانے لگیں۔

''کچھ لوگوں کی اصل میں بہت طاقت ہوتی ہے اماں، وہ انہیں اپنی طرف واپس لا کے چھوڑتا ہے۔''

''کبھی کبھی دھوکہ، اصل سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے پتر، ساری عمر کے لئے اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔''

''وہ ضرور آئے گا اماں، میرا دل کہتا ہے۔'' روٹیاں بن گئیں تھیں، اس نے بڑا تھال اٹھا کے تندور کے دہانے پہ رکھ دیا۔

''اللہ تیرے دل کی ہی سن لے، میں اور کیا چاہتی ہوں۔'' انہوں نے آمین کہتے ہوئے ہاتھ دعا کے لئے کھڑے کیے تھے، شہر بانو اس دفعہ دائیں آنکھ سے لڑھکتے آنسو کو نہیں روک پائی تھی۔

☆☆☆

وقت نے پر لگا لئے تھے، پہلے دن نہیں گزرتے تھے اور اب سالوں کی خبر نہ ہوئی تھی، کرامت نے دو تین بار کسی دوست کے ہاتھ نہ صرف ٹھیک ٹھاک رقم بھیجی تھی بلکہ گھر کی نئے سرے کی تعمیر کے لئے آدمی بھی بھیجے تھے۔

''ہم پرانے لوگ، نئے گھر میں رہ کر کیا کریں گے، کرامت سے کہنا جب خود لوٹے تب جیسا دل کر کے کام کروا لے۔'' ابا نے صاف انکار کر دیا تھا اور پیسے بینک میں جمع کروا دیئے تھے۔

''ٹھیک کیا نہ تیرے چاچے نے۔'' اماں نے برتن دھوتی شہر بانو سے پوچھا۔

''اماں، چوہدری کا رشتہ آیا ہے میرے لئے اور اماں ابا کہہ رہے ہیں کہ اگر اس عید تک کرامت نہ لوٹا تو وہ اسے ہاں کر دیں گے۔'' اس نے نم لہجے میں خبر سنائی، چاول چنتی اماں کے ہاتھ سے پرات چھوٹ کے زمین پہ آ گری۔

''لڑکیاں اتنا بے بس کیوں ہوتی ہیں اماں، خواب دیکھتی تو ہیں لیکن تعبیر کا سوچ بھی نہیں سکتیں۔'' وہ دھلے برتن اٹھا کے چارپائی پہ رکھنے لگی۔

''چائے والے فقیر کے در پہ دیئے جلاؤں گی اب عید تک ہر شام، ہوسکتا ہے کرامت لوٹ آئے۔'' وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی گھر سے باہر نکل گئی، اماں اسے ہمیشہ کی طرح کچھ دیر اور رکنے کے لئے نہیں کہہ سکیں تھیں۔

☆☆☆

اسے دوبئی آئے چار سال ہو گئے تھے اور ان چار سالوں میں اس نے بار بار گاؤں ماں باپ کے لئے خط بھجوائے تھے، لیکن کبھی جواب نہیں ملا تھا اسے، ایک دو بار منشی چاچا کے گھر فون پہ بھی بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

''پتر تیرا ابا کہتا ہے کہ دل کو بڑی مشکل سے صبر آیا ہے، تیری آواز سن کر پھر کتنے دن دل بے چین رہے گا، تو ایسے ہی ٹھیک ہے، جیسے چل رہا ہے۔'' انہوں نے اسے ابا کا پیغام دیا تھا، ابا نے گھر کی مرمت سے بھی انکار کر دیا تھا۔

رمضان شروع ہو چکا تھا، یہاں جس آدمی کے پاس اس کا کنٹریکٹ ہوا تھا، اس کے اصطبل کی صفائی اس کے ذمے تھی، سارا دن گھوڑوں کی

جگہ صاف کرتے اور گھوڑوں کو نہلانے میں گزر جاتا، اوپر سے آٹھ گھنٹوں کے کنٹریکٹ پہ سولہ گھنٹے کام لیتے تھے۔

''تو نے تو کہا تھا سلیجے، بڑا چنگا کام ڈھونڈ کے دے گا مجھے۔'' صرف ایک ہفتے میں ہی وہ تنگ آ گیا تھا۔

''ان ڈنگروں سے بچنے کے لئے تو میں نے گاؤں چھوڑا۔'' وہ اب مزید یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''لیکن اب تو کنٹریکٹ ہو گیا نہ تیرا ساڑھے چار سال کا، اب تو تجھے لازمی یہ کام کرنا پڑے گا، ہو کوئی آپشن بھی تو نہیں ہے تیرے پاس۔'' اور وہ بری طرح مایوس ہوا تھا۔

ابھی ابھی وہ سارا دن کی انتھک محنت کے بعد فلیٹ لوٹا تھا، فلیٹ کیا تھا، تنگ دو کمرے اور کھلا کچن اور ایک باتھ روم تھا، ان دو تنگ کمروں میں سات آٹھ نفوس ایک ساتھ ایڈجسٹ کرتے تھے، وہ کھلے صحن میں چارپائی بچھا کر سونے والا کرامت، کبھی کبھی اس کا دل بند ہوتا تو ٹیرس پہ آ کے لیٹ جاتا، لیکن یہاں بھی گرم ہوائیں اس کا استقبال کرتیں۔

''نعمت ہی تھیں اپنے دیس کی راتیں۔'' سوتے سوتے وہ اکثر یہی بات سوچتا، ابھی بھی ٹیرس سے نیچے سڑک پہ دوڑتی بھاگتی روشنیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا، کبھی دور کہیں سبز آنچل سا لہراتا محسوس ہوا تھا۔

''تو سچ میں جا رہا ہے کرامت؟'' نم لہجہ، سرخ ہوتی آنکھیں۔

''تیرے لئے ایک اچھی زندگی لانے جا رہا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

''زندگی لے جا رہا ہے، کاش تجھے خبر ہوتی۔'' وہ تڑپی۔

''یہ تو جب واپس آؤں گا نہ سیٹھ بن کر، تب پوچھوں گا کہ اب بتا غلط کیا کہ صحیح۔''

''غلط ہمیشہ غلط ہی ہوتا ہے۔''

''تو تو پگلی ہے بالکل۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہہ کر اس کا لمبا پراندہ کھینچا تھا۔

''یہاں کیا کر رہا ہے، تھک گیا ہوگا چل جا کر سو جا۔'' نہ جانے کس وقت سلیجے کی آنکھ کھلی، اسے نہ پا کر وہ اس کو ڈھونڈتا وہیں چلا آیا۔

''ایسے ہی، گاؤں کی یاد آ رہی تھی۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''ہاں یار، گاؤں کی تو بات ہی کیا ہے۔'' وہ بالوں میں انگلیاں پھیرتا خود کو ریلیکس کرتے ہوئے بولا۔

''ارے میں تو بتانا ہی بھول گیا تمہیں، آج بات ہوئی تھی میری اماں سے، تجھے بھی سلام کہہ رہی تھیں۔''

''وعلیکم السلام، سب کیسے ہیں وہاں؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''سب فٹ ہیں اور سنا ہے چھوٹے چوہدری نے شہر بانو کے لئے رشتہ بھیجا ہے، چاچی ہاجرہ تو بڑی خوش ہے۔'' کرامت کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''سب سمجھا رہے ہیں اسے کہ یہ چوہدری ہم غریبوں کو بھلا کب سجاتے ہیں اپنے محلوں میں مگر چاچی تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔'' وہ بتائے جا رہا تھا اور کرامت کا وجود سرد پڑتا جا رہا تھا۔

''جو محبت کرتے ہیں نہ کرامت، وہ پردیسیوں کا بھی انتظار کرتے ہیں، لیکن یاد رکھنا، انتظار لمبا ہو جائے تو ہر کوئی تھک جاتا ہے، محبت وی تھک جاتی ہے، بتا رہی ہوں تجھے، زیادہ دیر مت کرنا۔'' شہر بانو کی نرم خوبصورت آواز کانوں

میں رس گھول گئی۔
''چل اب سو جا۔'' سلیجے نے اس کے شانے پہ ہاتھ دھرتے ہوئے لمبی جمائی لی۔
''کل پھر کنٹریکٹ بھی سائن کرنا ہے نیا، اس کی تاریخ تو کب کی ختم ہو چکی۔'' کرامت نے بتایا تو وہ چونکا۔
''کیا مطلب؟''
''ساڑھے چار سال کا کنٹریکٹ تھا نہ، ختم ہو گیا، اب نئے سرے سے بنے گا، دیکھ کتنے سال کا بناتے ہیں۔''
''پھر اس دفعہ میرا نام مت دینا۔'' کمرے کی طرف جاتے سلیجے کے قدم رکے۔
''میں کل ہی پاکستان واپس جا رہا ہوں۔''
''تو پاگل ہو گیا ہے۔'' سلیجے نے تاسف سے کہا۔
''یونہی سمجھ لے۔'' وہ مسکرایا۔
''چل اب سوتے ہیں، صبح پھر تیاری بھی کرنی ہے ساری جانے کی۔'' اس کے شانے کے گرد بازو پھیلتا اسے حیران سا ساتھ لئے وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ واپس آ گیا تھا، اماں نے عید کے فوراً بعد شہر بانو کی رخصتی طے کر دی تھی، سب کے چہرے کھل اٹھے تھے، آج آخری روزہ تھا۔
نہر کنارے پانی میں پیر مارتی شہر بانو کا چہرہ بھی کھل سا گیا تھا، اسے خبر بھی نہ ہوئی کب لمبا چوڑا وجود اس کے پہلو میں آ بیٹھا تھا۔
''کیسی ہے؟'' اس نے دھیرے سے پکارا، وہ چونکی پھر مسکرا دی۔
''بہت خوش، تو جو پلٹ آیا ہے۔'' وہ خاموشی سے اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا، دور شفق اپنے رنگ بکھیرنے لگی تھی۔
''اس دفعہ کی عید کتنی مکمل ہو گی نہ۔'' کسی خواب کے سحر میں کھوئے شہر بانو نے کہا۔
''ہاں، کیونکہ یہ محبتوں کی عید ہو گی، وقت کی بساط پہ جیسے میں کھونے لگا تھا، صرف اور صرف تمہاری محبت تھی کہ جس نے مجھے واپسی کی راہ دکھا دی، شکر ہے شہر بانو مجھے دیر نہیں ہوئی۔'' اس کی آنکھوں کے جگنو خود میں جذب کرتے ہوئے وہ محبت سے بولا تھا، شہر بانو کھل کے مسکرا دی تھی، اب کی بار محبتوں کی عید واقعی مکمل تھی۔

☆☆☆



أم مریم

بتیسویں قسط کا خلاصہ

قدر باپ سے خفا ہے، شادی کر لیتی ہے مگر ناراضگی ختم نہیں کرتی۔
سلیمان بھی دانستہ نظر انداز کرتے ہیں، وہ مطمئن ہیں کہ ان کا فیصلہ درست ہے۔
حجاب کو لگتا ہے وہ بند گلی میں آ گئی ہے، ایسی بند گلی جہاں پلٹنے کا راستہ ہے نہ روشنی کی کوئی کرن۔
قدر حمدان کو قبول نہیں کر پا رہی، وہ اپنے طور پر فیصلہ کرتی ہے حمدان سے علیحدگی کا مگر سلیمان اس پہ ایک بار پھر سختی کرتے ہوئے اسے زبردستی حمدان کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ سناتے ہیں۔
عمر کی شادی کی خبر حجاب پہ بجلی بن کر گرتی ہے، اسے دکھ ہے عمر نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟

اب آپ آگے پڑھیئے

تیتسویں قسط





''یہ گھر اب تمہارا نہیں ہے بلکہ تمہارے شوہر کا گھر تمہارا اصل گھر ہے، سو تمہیں یہاں سے وہیں جانا ہوگا، وہیں رہنا ہوگا۔''

ان کی آنکھوں میں پدرانہ شفقت کی بجائے ایک ٹھہرا دینے والا تاثر تھا، وہ اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکی، آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں تھا، گویا پتھرا گئی ہو، ان کی بیگانگی کی کاٹ نے ایسے ہی ساکت کر دیا تھا اسے، آپا ماں کو ہی اس پہ پھر ترس آیا، اسے پکڑ کر کمرے میں لے آئیں۔

''لٹیرا ہے وہ...... بتایا تھا میں نے۔'' معاً وہ چیخ پڑی، گویا رو گئی ہو، آپا ماں خفت سے سرخ پڑ گئیں۔

''بالکل پاگل ہو رہی ہو، شوہر کے تعلق کو غلط ثابت مت کرو، سمجھوتہ کرو ورنہ تماشا بن جاؤ گی، باپ کی طرف دیکھو وہ کتنا دکھی ہے اور کیوں پریشان کرتی ہو۔'' انہوں نے نرمی سے سمجھایا۔

''وہ پریشان ہیں؟'' وہ غم و غصے سے دھاڑی۔

''اور ان کا احسان تو میں عمر بھر یاد رکھوں گی، ایک جانور کے حوالے کر دیا مجھے۔'' اس کا بس نہ چلتا تھا خود مر جائے یا باقی سب کو مار دے، گزری رات جیسے ہی یاد آتی بے بسی اور وحشت کے احساس کے ساتھ وجود میں بھانبھڑ سے جلنے لگتے، وہ وقتی کیفیت جو باپ کے سامنے شادی کے ٹائم بے بس کر گئی تھی اب ختم ہو گئی تھی، فطری ہٹ دھرمی وانا پرستی پھر سے غالب آ گئی، عجیب جذبہ اٹھا تھا، انتقام کا جو چاہتا تھا کچھ ایسا کرے کہ ہر کوئی تڑپ اٹھے، سلیمان حمدان اور علی شیر سمیت سب، ان تینوں مردوں نے مل کر اپنے اپنے انداز میں اسے تباہ کر ڈالا تھا، آپا ماں نے اس کا لباس نکال کر رکھا، جوتے پرس سب کچھ، اس نے پہن بھی لیا، تیار ہو گئی، یوں گویا کچھ ٹھان چکی ہو، آپا ماں بلانے آئیں تو بغیر کسی رد و کد کے چلی آئی، حمدان اس کا ہی منتظر تھا، وہ جس صوفے پر بیٹھا تھا اس کے پیچھے دیوار کی جگہ قد آور فرنچ ونڈو تھی، جس نے پوری دیوار کی جگہ گھیر رکھی تھی، کھڑکی کے شفاف شیشے کے پار لان دکھائی دے رہا تھا، وہ اسے دیکھے بنا آگے بڑھ آئی، حمدان کی نظریں اسی پہ تھیں، اس نے پنک کلر کا کامدانی سوٹ پہنا ہوا تھا، دوپٹہ نسبتاً چھوٹا تھا اور گلے میں جھول رہا تھا، قمیض کی آستین بھی بہت چھوٹی تھی جو اس پہ بہت اچھی لگتی تھی، کچی عمر کی معصومیت چہرے پہ بکھری تھی، ماتم کناں سی سوگوار آنکھیں کبھی کبھی لحہ بھر کو اٹھتی تھیں۔

''خوش رہو ہمیشہ۔'' وہ جاتے سمے ان سے ملنے کو آگے نہیں بڑھی تو انہوں نے خود اس کے سر پہ ہاتھ رکھا، وہ سلگ اٹھی۔

''خود کنویں میں دھکا دے کر ایسی مضحکہ خیز بات نہیں کرنی چاہیے آپ کو۔'' وہ پھنکاری، اسٹائلش سا کڑھائی والا سوٹ ساتھ ہلکا پھلکا زیور دونوں کلائیوں میں کنگن، کیسا پیارا روپ تھا مگر زبان پہ انگارے دھرے تھے۔

''شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں، آج پختہ یقین ہوا ہے مجھے میری ماں کی موت کے ذمہ دار صرف آپ تھے، آپ صرف بے حس نہیں ظالم بھی ہیں۔''

گلابی رنگ اوڑھے کچی کلیوں سی نازک لڑکی اس وقت شعلہ فشاں تھی، اپنے سے کہیں اونچے مضبوط کڑیل مرد کو کچھ گردان ہی نہ رہی تھی، اس کی نظروں میں الفاظ میں آواز میں تاثرات میں

نفرت بھری ہوئی تھی، آپا ماں گنگ سی منہ پر ہاتھ رکھے اسے آنکھیں پھیلائے دیکھتی تھیں، سلیمان بالکل خاموش مگر دکھی اور مضطرب نظر آتے تھے۔

''آپ نے مجھے اپنے گھر سے نکالا ہے، پپا تو قسم کھاتی ہوں پلٹ کر یہاں قدم نہیں رکھوں گی، آپ کے لئے یہ سمجھنا قطعی دشوار نہیں کہ آپ کو کوئی اولاد نہیں تھی، میں بھی سمجھوں گی میں آپ کے لئے مر گئی۔''

وہ اندر تک چھلنی ہو چکی تھی، اب انہیں بھی لخت لخت کر رہی تھی، بے تحاشا رنج غصہ اور ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود اس کی سرخ ہوتی آنکھوں سے اس آخری فقرے کو ادا کرتے لاوا سا امڈ آیا، سلیمان کا ساکن وجود گویا بالکل سکتے میں آ گیا، دکھ سے شل ہو گئے، ہلنے کے قابل نہ رہے، تمام احساسات مفلوج ہو گئے صرف اس کی آگ کے گولے برساتی آواز کانوں سے ٹکراتی محسوس ہوتی تھی، لفظ اس گھن گرج میں کہیں غائب ہونے چلے گئے تھے، وہ آنسو چھپانے کو پلٹ کر بھاگ گئی، اپنی ازالے کا کوئی بھی موقع دیئے بغیر، سلیمان دیوار کا سہارا لئے کھڑے تھے، بامشکل بیٹھ پائے۔

کیا شک اولاد اس زندگی میں اس دنیا میں انسان کی سب سے بڑی کمزوری ثابت ہو چکی، کیا وہ ان کی کمزوری نہ تھی؟ وہ اسے کیا سمجھاتے، انہیں تو اس جھلی کا دکھ نہ بھولتا تھا، چین نہ لینے دیتا تھا، وہ اس کی ماں ہونے کا اعزاز پا چکی تھی، جس نے برسوں قبل نادانی میں اک جذباتی غلط قدم اٹھایا تھا اور سلیمان نے بھی بنا سوچے سمجھے ڈوریں کاٹ دی تھیں، اس حرماں نصیب کا دکھ نہیں بھولتا تھا، جو خود بربادی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے بین سے فرصت نہ پاتی تھی۔

ایسی غلطی ایسی حماقت وہ اس کی بیٹی کو کیسے کرنے دیتے، جس نے عروسی لباس بھی اس کا پہنا تھا، وہ حمران سے زیادہ خدا پہ بھروسہ رکھتے تھے، انہوں نے خود استخارہ کیا تھا اور اشارہ واضح اور مثبت تھا، انہیں یقین تھا قدرتی بدگمانی ڈھل جائے گی تو اضطراب بھی از خود ختم ہو جائے گا، دھند چھٹے گی تو منظر واضح ہو جائیں گے، اپنے پیاروں کو اگر بڑے دکھ سے بچانا مقصد ہو تو چھوٹے دکھوں پر سمجھوتا لازم ہو جایا کرتا ہے، انہوں نے بھی اپنی چہیتی دلاری کے لئے بڑے سانحے بڑے ناسور کی بجائے معمولی زخم کا انتخاب کیا تھا، انہیں یقین تھا یہ معمولی زخم زیادہ ضرر نہیں پہنچا سکے گا اسے۔

کبھی آ میرے آنگن میں ذرا شام کے بعد
مل کے مانگیں گے محبت کی دعا شام کے بعد
جن کی تقدیر میں خواب نہیں نیند نہیں
اوڑھ لیتے ہیں ستاروں کی ردا شام کے بعد
آؤ مل بیٹھ کے کچھ وقت گزاریں اک ساتھ
میں سنوں تجھ کو تو اپنی سنا شام کے بعد
وہ مجھے چھوڑ گیا شام سے پہلے پہلے
یہ نہ پوچھ میرا کیا حال ہوا شام کے بعد

وہ یہاں تھی تو ہر اک شام بھی رہتی تھی
اب تو لگتا ہے شام ہوتی ہی نہیں شام کے بعد

نرم گرم روشن دن پھر کسی دھند لے غبار کی لپیٹ میں آ گیا، مغرب کی طرف سے گھٹا اٹھ رہی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور کھڑکی بند کر دی، پلٹا تو صبا کو کمرے میں موجود پایا، کاٹ میں سوئے بچے کو خالی نظروں سے دیکھتی وہ جیسے یہاں نہیں تھی، کہیں بھی نہیں تھی، جب سے نکاح ہوا تھا عمر نے اس کی ایک ہی کیفیت دیکھی تھی اور وہ یہ گم صم کیفیت تھی، عمر کو اس کے ہونے کا احساس کبھی ہو ہی نہ سکا، یا وہ دلانا نہیں چاہتی تھی، دوسری بات عمر کو زیادہ صحیح لگتی، حالانکہ اس بندھن میں بندھنے کے بعد عمر کا اس کے حقوق سلب کرنے یا اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی بددیانتی کا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس نے اگر اس کے بوڑھے باپ کے آنسوؤں سے بھیگتی داڑھی پہ رحم کھا کر یہ تعلق استوار کیا تھا تو اسے نبھانے کی خاطر ہی کیا تھا مگر خود صبا ہر بار مزاحم ہو جاتی، اسے روبرو پاتی تو دانستہ نگاہ نہیں اٹھاتی تھی، بچہ جہاں بھی کہیں ہوتا گود میں لے لیتی، مقصد واضح تھا، وہ اس سے گریزاں تھی اور عمر کو بھی کوئی جلدی نہیں تھی، وہ اسے ٹائم دے سکتا تھا، اس تعلق اس رشتے کو قبول کرنے کے لئے پورا ٹائم، وہ تو نہ جانے دل میں کیا سمائی کہ اسے ہمراہ لئے حمدان کی شادی میں چلا آیا، مقصد کسی پہ کچھ جتانا باور کرانا تھا اور وہ ناکام نہ رہا تھا، حجاب کے چہرے کی بدلتی کیفیات نے اسے جس تسکین اور سکون سے ہمکنار کیا وہ وقتی ثابت ہوا، اسے خود ہی ملال نے آن گھیرا تھا کہ اس نے اچھا نہیں کیا، غانیہ کے چہرے پہ جو دکھ اترا تھا، جو کرچیاں بکھری تھیں ان کی چبھن وہ دل میں محسوس کر رہا تھا۔

''آپ نے بہت عجلت میں فیصلہ کیا ہے صاف لگتا ہے بیٹے، یہ بہت بڑا اقدم ہے، بہت اعلیٰ ظرفی کا متقاضی بھی، وہ ایک بیوہ عورت جو سابقہ شوہر کے بچے کی ماں بھی ہو مرد اسے آسانی سے قبول نہیں کرتا، میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں اس اقدام کو احسن طریقے سے نبھانے کی ہمت طاقت اور توفیق سے نوازے آمین۔''

صبا اور بچے کے سر پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے عمر سے علیحدگی میں یہ باتیں کی تھیں، جانے کیوں ان کی اتنی دعاؤں کے باوجود عمر کے سینے پہ دھرا بوجھ اتر نہیں سکا۔

''بہت پیاری بھابھی ہیں، اب انہیں لے کر یہاں آتے رہیے گا، مما کو اکثر آپ کا انتظار رہتا ہے بھائی۔''

حرم کے جو بھی احساسات تھے اس نے ظاہر نہیں کیے، بہت خوشدلی سے ان سے ملی تھی جہاں تک بات حمدان کی تھی وہ تو تھا ہی بہت خوش، بات بے بات چہکتا ہوا۔

''ارے واہ جناب، ہم تو سمجھے تھے خاندان میں سب سے پہلے یہ معرکہ ہم نے سر کیا، مگر آپ تو ہم سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے، بچے کے باپ بن کر تشریف لے آئے، بہر حال بہت مبارک ہو، بیٹا تو بہت ہی پیارا ہے آپ کا، تم پہ تو نہیں اماں پہ لگ رہا ہے۔'' وہ اسے چھیڑتے قہقہہ لگا رہا تھا، عمر محض مسکرایا، صبا کے چہرے کا رنگ اس پل جانے کیوں اڑا اڑا تھا، جس پہ کسی نے بھی دھیان نہیں دیا، شانزے تو تھی ہی حمدان کی تاک میں وہ جہاں ہوتا بھلا ممکن تھا کہ وہ پیچھے رہ جاتی،

تیروں تلواروں سے لیس اس تک آ پہنچی۔

''گو کہ سمجھدار لگتے نہیں تھے مگر سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے آپ نے عمر صاحب!'' اس کی تیکھی نظریں صبا پہ تھیں جو بچہ اٹھائے کنفیوژ نظر آتی تھی، عمر نے اس کی بات پہ اب پہ دھیان دینا مطلق ضروری نہ سمجھا۔

''دل برداشتہ لگتے ہیں، آپ کی مسز کو دیکھ کر اس فیصلے کی عجلت اور دل گرفتگی زیادہ محسوس ہوتی ہے، بہر حال اچھا قدم ہے، بروقت ہے، لیکن جس منگنی کی وجہ سے آپ نے یہ فیصلہ کر لیا شادی تو اس کی وہاں بھی نہ ہوگی، اولیس اتنا بے بس ہرگز نہیں ہوا کہ اتنی آسانی سے اسے کسی اور کے ہتھے چڑھ لینے دے۔''

کلائی میں پہنے کنگن کو ناز سے گھماتی وہ کیسے بن بن کر بولتی تھی، عمر نے اچاٹ نگاہ اس پہ ڈال کر خشک تاثرات کے ساتھ نگاہ کا زاویہ بدل لیا، مجموعی طور پہ اگر وہ موازنہ کرتا تو اس تقریب میں جا کر اسے کچھ حاصل وصول نہ ہوا تھا، بلکہ اس نے طے کیا تھا وہ ایک غلطی کا مرتکب ہو چکا ہے۔

''اگر اس سے محبت کرتے ہیں عمر صاحب، تو اسے دکھ دینے کی پالیسوں میں کیونکر مگن ہو گئے آپ، محبت اگر دینے کا نام ہے تو وہ قربانی ہو سکتی ہے، ایثار اور وفا ہو سکتی ہے، آپ اسے ہرٹ کر آئے اور آپ کو کوئی فرق بھی نہیں پڑا، دس از فیئر؟'' وہ بولی بھی تھی تو کیا، عمر پہلے تو چونکا پھر ٹھٹکا اور غیر یقین ہوتا اسے حیرانی سے دیکھنے لگا، یہ الگ بات کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔

''کیا مطلب......؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟''

حیرانگی اور خفت کو انجان پن کے پردے میں لپیٹ کر وہ اسے استعجابی نظروں سے دیکھنے لگا تو اس کے گھر کے ویران در و دیوار کے علاوہ خود عمر نے بھی پہلی بار اس کی مسکان دیکھی۔

''خیر اب ایسی لاعلمی کا مظاہرہ کر کے محبت کی آگاہی کو شرمسار تو نہ کریں۔'' وہ ایسے انداز میں بولی کہ عمر کے پاس فرار کی کوئی راہ نہ رہی نظریں چرانے اور جھکانے کے سوا۔

''تم غلط فہمی ہو، ایسی کوئی بات بھی نہیں۔''

''اس کا مطلب آپ محبت کو غلط سمجھتے رہے ہیں عمر، اینی وے میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ وہی آپ کو ڈیزرو کرتی تھی، ہر لحاظ سے آپ کے قابل ہے، آپ کو بابا کی بات نہیں ماننی چاہیے تھی، مجھے افسوس ہے آپ اس معاملے میں بزدلی کا مظاہرہ کر گئے۔'' وہ کتنے پراعتماد انداز میں اسے اس کی غلطیاں بتا رہی تھی، جتا رہی تھی، عمر جھنجھلا گیا، ایسی لڑکی خاص کر بیوی اس نے دیکھی نہ سنی تھی۔

''لیو دس ٹاپک پلیز، سو پلیز خیال رکھیے گا آئندہ۔'' اس کے اس کا انداز خشک روکھا اور سرد تھا، اس کے بعد وہ وہاں ٹھہرا نہیں، اٹھ کر باہر نکل گیا، صبا عجیب انداز میں مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆

اک برس کے عرصے میں
چار چھ ملاقاتیں
شام کی حویلی میں
صبح کے مہکنے کی

بے یقین سی باتیں
کچھ عذاب ماضی کے
گفتگو کا موضوع تھے
کچھ سوال خوابوں کے
کچھ جواب آنکھوں کے
مشترک سے جذبوں کے
آئینوں میں دیکھے تھے
آئینے تو سچے تھے
اور وہ ملاقاتیں
چار کچھ ملاقاتیں
جن میں تیری باتوں کی
بارشوں کے موسم نے
جتنے جھوٹ بولے تھے
شام کی حویلی میں
جتنے زہر گھولے تھے
تیرا بے وفا لہجہ
جب دھیان میں آتا ہے
تب سوال کرتی ہیں
میری عمر کی راہیں
اک برس کے عرصے میں
چار چھو ملاقاتیں

گاڑی کی اسپیڈ بہت تیز تھی، اسپیڈ میٹر کی سوئی اسی نوے کے درمیان تھرک رہی تھی، باہر رات کا اندھیرا اور سناٹا پھیلا ہوا تھا، کہیں کہیں پول لائیٹس جل رہی تھیں اور کہیں بالکل اندھیرا تھا، سڑک کے اردگرد تاریکی ہی تاریکی تھی، مزید کچھ دیر کی ڈرائیو کے بعد وہ شہر کی حدود میں داخل ہو گئے، سڑکیں پول لائیٹس اور سائن بورڈز کی مرکزی لائیٹس سے جگمگا رہی تھیں، سڑکوں میں ٹریفک بہت کم تھی مگر اندھیرا ابھی نہیں تھا، وہ بالکل خاموش تھی اور اس سے رخ پھیرے کھڑکی سے بار دیکھتی تھی، گھر پہنچ کر اس کا موڈ سخت آف رہا تھا۔

اس نے کسی سے بھی ڈھنگ سے بات نہیں کی، حمدان چونکہ اس کے مزاج کی برہمی سے آگاہ ہو چکا تھا جبھی خود بھی محتاط تھا، دوپہر کے کھانے کے بعد نجیب چوہدری سمیت سب کو حمدان کا ڈرائیور گاؤں چھوڑنے جا رہا تھا تب قدر نے مداخلت کر دی تھی۔

''یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟'' اس سوال پہ حمدان چونک اٹھا مگر حیران ہوئے بغیر جواب ضرور دیا تھا۔

''گاؤں، ہمارا آبائی گھر وہیں ہے۔''
''تم...... وہاں نہیں جاؤ گے؟'' اگلا سوال ہوا، حمدان نے سرنفی میں ہلایا۔
''نہیں، ہم یہیں رہیں گے، بس یہ لوگ جا رہے ہیں۔'' وہ سنجیدہ تھا اور پتا نہیں کیسے اتنا سنجیدہ تھا، حالانکہ اس کے اندر شوخی و شرارت اُمڈ رہی تھی، اسے روبرو پا کے مگر وہ خود پہ کنٹرول کر رہا تھا۔
''میں...... یہاں نہیں رہوں گی، مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ جانا ہے۔''
فیصلہ صرف ہوا نہیں سنا بھی دیا گیا، حمدان اب کے ششدر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھنے لگا، جبکہ وہ اپنے ہمراہ لایا بیگ ملازم کو آواز دے کر گاڑی میں رکھوانے کی تاکید بھی کرنے لگی تھی۔
''میں ادھر ہی ہوتا ہوں، کبھی کبھار مطلب ویک اینڈ پہ وہاں جاتا ہوں۔''
حمدان کو سمجھ نہیں آئی، اسے کیسے سمجھائے کہ وہ وہاں نہیں رہ سکتی، اسے یہ معلوم ہی کب تھا وہ کیا ٹھان چکی ہے دل میں، اس بات کے جواب میں قدر نے اسے کیسی عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔
''سو......؟''
''میرا مطلب ہے کہ آپ وہاں کیسے رہیں گی؟''
''جیسے تمہاری فیملی رہتی ہے، اوہ......''
معاً کچھ خیال آنے پہ وہ طنزیہ مگر حقارت آمیز انداز میں مسکرائی۔
''کہیں تم یہ تو نہیں سوچ رہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی؟ اگر ایسی بات ہی ہے تو اس سے بڑھ کر احمقانہ بات کچھ نہیں ہو سکتی۔'' اس کے لہجے میں انوکھی سی تضحیک در آئی تھی، حمدان نے گہرا سانس بھر لیا۔
''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں اور وہاں کے ماحول میں ٹوٹلی ڈیفرنس ہے، آپ ایڈجسٹ نہیں کر سکیں گی۔'' وہ اب کے سنجیدہ تھا، قدر کا سپاٹ چہرا مزید تن گیا۔
''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے، اب اگر سوال ختم ہو گئے ہوں تو یہ بیگ رکھوا دوں گاڑی میں...... ہاں؟'' اس کا انداز سرد تھا، حمدان نے ہونٹ بھینچ لئے، وہ نہیں سمجھتی تھی مگر وہ خود سب کے سامنے جواب دہ ضرور تھا، اس بے تکی بات کا جواز کیا پیش کرتا، جبھی حل یہ نکالا کہ خود بھی ساتھ چلے، یہی وجہ تھی کہ اب وہ عازم سفر تھے، اس نے اس لڑکی کی منشا کے مطابق پہلا قدم اٹھا لیا تھا، اسے لگ رہا تھا اگر مزید خود کو اس کی مرضی کے مطابق چلایا تو لازماً خوار ہو گا، غانیہ اور منیب چوہدری حمدان کے اس اقدام پہ البتہ خوش و مطمئن نظر آ رہے تھے، غالباً وہ یہ سمجھ رہے تھے حمدان اپنی بیوی کے ساتھ ان کے ہمراہ وقت گزارنا چاہتا ہے۔
''بیٹے آرام سے چلاؤ، دس پندرہ منٹ کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔'' کھیتوں سے نکل کر اچانک گاڑی کے سامنے آ جانے والے کتنے کی غالباً ٹانگ زخمی ہو گئی تھی، لنگڑاتا چیختا دوسری جانب درختوں کے سلسلے میں غائب ہوا تو غانیہ نے تاسف میں مبتلا ہوتے بیٹے کو نرمی سے ٹوکا۔

''جی بہتر مما۔'' وہ یہی کہہ سکا، مزید ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ نہ صرف گاؤں بلکہ گھر کے سامنے پہنچ چکے تھے، گاؤں کی گلیاں نیم تاریک اور سنسان تھیں، گھروں کے اندر سے پیڈسٹل فین چلنے کی گھرر گھرر کے سوا کوئی آواز نہ گونجتی تھی، دور کہیں سے کسی کتے کے بھونکنے یا جھینگروں کے بولنے کی آواز فضا میں تیرتی خاموشی کا سینہ چیر جاتی، گاڑی کے رکتے ہی سب سے پہلے شانزے اتری اور ٹھک ٹھک کرتی تالا کھول کر اندر چلی گئی۔

قدر پوری آنکھیں وا کیے، پختہ مگر قدیم گھر کو دیکھتی رہی تھی، جس میں سہولتوں کا واقعی فقدان لگتا تھا، گاڑی کے سبھی دروازے باری باری کھلتے گئے اور وہ سب اترتے رہے، قدر جیسے بیٹھی تھی، بے خیال سی بیٹھی رہی، حمدان نے تھم کر اس کے اس تغافل کو نوٹ کیا۔

''تشریف لائیے، اگر آپ یہ توقع باندھے بیٹھی ہیں کہ شب زفاف کی مانند میں یہاں سے بھی آپ کو اٹھا کر اپنے بیڈ تک لے جاؤں گا تو یہاں ایسے رومانس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔'' قدر نے چونک کر گویا ناگواری سے نگاہ کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا، اس کا متبسم چہرا شریر تاثرات سے سجا کچھ فاصلے پہ چمک رہا تھا، اس کی جانب کا دروازہ کھولے وہ اس کے اترنے کا منتظر تھا، قدر کے مغرور چہرے پہ مزید تناؤ آ گیا، اس نے اس کا ہاتھ دروازے سے جھٹکا اور نیچے اتر آئی۔

''ایک منٹ بیٹے، گو کہ شایان شان نہیں کہ بہت عجلت میں کروایا یہ سب مگر کچھ نہ کچھ استقبال کی تیاری کی تھی میں نے اپنی بیٹی کی آمد پہ، آ جاؤ، شاباش، خدا نصیب روشن اور سنہرا کرے، سدا سہاگن رکھے، میٹھی مرادوں سے جھولی بھر دے۔'' غانیہ نے مداخلت کی تھی اور تیل کی دھار دروازے پہ گراتے ان کے سروں سے کبوتر وار کر آزاد کرتے پھولوں کی بارش میں دعاؤں کے سنگ اندر لائیں، بیٹیاں بھی اس استقبال میں ساتھ دے رہی تھیں، مسکرا رہی تھیں، منیب چوہدری کچھ فاصلے پہ جبکہ شانزے سلگتی آنکھیں لئے اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی، قدر عجیب سے احساسات کے ہمراہ ساکن تھی، وہ لوگ مزید بھی جانے کیا باتیں اور کچھ رسمیں کرتی رہیں، وہ گم صم تھی، کچھ سمجھنے کے قابل نہ تھی۔

''کھانا کھا لو تو آرام کرو، ٹائم ویسے بھی بہت ہو گیا، بچی بے بھی تھکی ہوئی۔'' غانیہ خود قدر کو حمدان کے کمرے میں چھوڑنے آئی تھیں، حمدان ہمراہ تھا، زیر لب مسکراتا ہوا، پڑوسنیں جنہوں نے یہ سارا انتظام کیا تھا کھانے کا اور استقبال کی تیاریاں تک، بہت پرشوق نظروں سے قدر کو دیکھتی تھیں۔

''برسوں بعد اس گھر کے آنگن میں پھر چاند اترا ہے غانیہ! ماشاء اللہ بہو تو تمہاری بالکل شہزادی لگتی ہے۔'' قدر نے سب کچھ سنا تھا مگر کوئی تاثر دیئے بغیر کمرے میں آ گئی، یہ کمرہ بھی صاف ستھرا تھا، مگر سرکاری رہائش گاہ کے بیڈروم جیسا پرآسائش نہیں، البتہ ضرورت کی ہر شے میسر تھی، سادگی کا مظہر تھا، قدر کی بھٹکتی نظریں بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ اپنی مطلوبہ چیز کو پا کر اطمینان سمیٹ لائیں۔

''اگر کوئی سرونٹ نہیں بھی ہے تو اپنی بہن سے کہو میرے لئے کپڑے نکالے، شاور لینا چاہ رہی ہوں۔'' اطمینان سے بیڈ کے کونے پہ ٹکتے وہ اپنے نازک پیروں کو جوتوں کی قید سے آزاد کر

رہی تھی، اس کے اس درجہ اطمینان اور اعتماد نے حمدان کو متحیر بھی کیا تھا مگر اظہار ضروری نہیں سمجھا اور خود اس کا بیگ کھول کر کپڑے نکالنے لگا۔

''انہیں اٹھا کر الماری میں رکھو، یہاں کیوں ڈھیر کر دیئے۔'' نائٹ سوٹ کا ہینگر اٹھاتے اس نے ناگواری سے بیڈ کی طرف دیکھا، حمدان نے پھر کچھ نہیں کہا اور کپڑے وہاں سے الماری کے خانے میں منتقل کر دیئے اور خود اس کی جگہ پہ بیٹھ کر سگریٹ سلگانے کے بعد گہرے کش لینے لگا، اسے قدر کی اس ضد کے پیچھے وجہ کی سمجھ نہیں آ رہی تھی، شانزے کی موجودگی میں وہ قدر کو یہاں چھوڑنے میں متامل تھا مگر یہ بات قدر کو نہیں سمجھائی جا سکتی تھی۔

''اف...... یہ کیا بدتمیزی ہے، تم اتنے ال مینرڈ ہو کہ اسموکنگ کرنے سے پہلے اجازت تک لینا گوارا نہیں کرتے، کھڑکیاں کھولو، پردے ہٹاؤ۔''

گلابی ریشمی شب خوابی کا لباس پہنے وہ واش روم سے باہر آتے ہی اس پہ برس پڑی تھی، بے زاری سے اسے دیکھ رہی تھی، سیاہ بال شانوں پہ بکھرے تھے، ستواں ناک چڑھا رکھی تھی اور پیشانی پہ شکنیں تھیں، حمدان چونکا، متوجہ ہوا اور جیسے متوجہ ہی رہ گیا باقی سب کچھ بھولتے ہوئے۔

''زبردست بیوٹی فل مائی پریٹی وائف، کسی نے سچ کہا ہے، گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو اس کی خوشبو میں اس کے حسن میں فرق نہیں آئے گا اور کھڑکیاں کیسے کھولیں، پردے کیوں ہٹائیں میری جان، نئی نویلی دلہن کے ساتھ ہوں، یہ بے احتیاطی نہیں ہونی چاہیے، یہ لو...... سگریٹ بجھا دیا کوئی اور حکم۔'' وہ ایک دم اٹھا تھا اسے بازو کے حلقے میں جکڑ کر خود سے قریب تر کرتے مخمور نظروں سے اسے دیکھتا معنی خیز لہجے میں بولا، یہ سب اتنا اچانک تھا کہ قدر فی الفور کوئی ردعمل نہ دے سکی، معاً سنبھلی اور ماہی بے آب کی مانند مچھلی تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔

''شٹ اپ پرے مرو۔'' وہ بے ساختہ گھبرائی اور عجلت میں ڈریسنگ گاؤن کی دوڑیاں کسیں جو اس کی بے تکلفی کے نتیجے میں کھل گئی تھیں۔

''رہنے دو یار، اب کیا فائدہ، آگ تو لگ گئی، بس یہ سوچو کیسے بجھایا جائے۔'' حمدان جو معنی خیز نظروں سے اسے اس کی حرکت کو نوٹ کر رہا تھا بے ساختہ ٹوکتا ہوا مسکرایا تو اس ذومعنی فقرے کی کاٹ سے لخت لخت ہوتی قدر غصے میں ابل پڑی۔

''کسی بھی جرأت کے مظاہرے سے پہلے یہ سوچ لینا اس بار آسانی سے کامیاب نہیں ہو گے، الٹا پچھتاؤ گے، تمہارے ہاتھوں کھلونا نہیں بنوں گی یہ طے ہے۔'' قدر پھنکارنے لگی، وحشت کے باعث اس کی آنکھیں لمحوں میں انگاروں کی مانند دہک اٹھیں، چہرا تپنے لگا، حمدان نے مگر اثر کہاں لیا، الٹا حظ لینے والے انداز میں ہنسنے لگا۔

''پچھتاؤں گا؟'' اس کی ہنسی میں اضافہ ہوا، قدر اسے گھورے گئی۔

''مجھے پچھتانے دو، مجھے بس یہ یاد ہے، تم میری محبت ہو اور ہماری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔'' وہ شرٹ کے بٹن کھول چکا تھا، اب شرٹ اتار رہا تھا، اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتی قدر نے پہلے سے ہتھیار کے طور پہ تاڑ کر رکھی ہوئی چھری بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے جھپٹ کر اٹھالی۔

''آرام سے کہیں بھی جا کر سو جاؤ، تمہاری بہتری اسی میں پوشیدہ ہے۔'' چھری سمیت پلٹتی

وہ اسے دھتکار رہی تھی اور حمدان اتنا کمزور دل نہیں تھا کہ اس جیسی دھان پان سی لڑکی سے خائف ہو جاتا بلکہ اس کا دل اس کے اس روپ پہ انوکھے ترنگ میں آ گیا، بے خود ہونے لگا۔

''کیسے سو جاؤں تمہارے بغیر مائی سلیپنگ پلو۔'' جواباً وہ شوخی سے گنگنایا، معطر معطر پاکیزہ دھلی دھلائی ان چھوئی کلی جیسی نازک لڑکی سیدھی دل میں سما رہی تھی، وہ اس کے چھوٹے سے ہاتھ میں مضبوطی سے جکڑی چھری کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

شریں سخن کلام میرا تب کی بات تھی
اب آ ذرا قریب تجھے خود سے مات دوں

وہ مکمل طور پہ اس میں مگن تھا، اس کے ریشمی سیاہ بالوں میں محو تھا جو شانوں پہ جھول رہے تھے، نیند کے خمار سے بوجھل اس کی قاتل آنکھوں کا بے پرواہ حسن حمدان کو پاگل بنانے کو کافی تھا، چہرے کی سفیدی میں گھلی گلابیاں اور آنکھوں کے سرخ باریک ڈورے اس کے دل میں ہلچل مچا گئے، وہ اس سے قبل کہ وہ دوسرا بازو بھی اس کے گرد حمائل کرتا غم و غصے سے نفرت سے بھری مزاحمت کرتی قدر کا بنا سوچے سمجھے بنا کسی لحاظ کے چھری والا ہاتھ حرکت میں آیا اور پسلی کے نیچے وار کر گیا، حمدان کے وجود کو خفیف سا جھٹکا لگا اور اس پہ جمی گرفت از خود ڈھیلی پڑ گئی، اسے کہاں توقع تھی قدر سے اس انتہائی اقدام کی، وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوا، چہرے پہ جو غیر یقینی استعجاب اور تحیر تھا، وہ ناقابل بیان تھا، قدر نے چھری نہیں نکالی، شاید اس حد تک وہ بھی نقصان نہیں چاہتی تھی، حمدان کی بنیان اور ٹراؤزر لمحوں میں خون سے رنگین ہونے لگا، اس کے چہرے پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا، وہ ہنوز سکتہ زدہ کھڑا تھا۔

''مم...... میں نے تمہیں منع کیا تھا مگر۔'' قدر اب خود بوکھلا رہی تھی، خشک ہوتے ہونٹوں پہ زبان پھیر کر ہی کہہ سکی، حمدان جیسے چونک گیا، ہوش میں آ گیا، عجیب انداز میں مسکرایا۔

''محبت میں ایسے تمغے کے لئے شکر گزار ہوں، یاد دلاتا رہے گا مجھے میری حدود، آپ ٹھیک کہتی ہیں، آپ نے منع کیا تھا مگر...... مگر میں اپنی اوقات بھول گیا تھا۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں، اتار کر رکھی شرٹ اٹھا کر زخم پہ رکھی اور اسی حال میں پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، قدر ساکن کھڑی تھی، معاً رات کے سناٹے میں اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو بے اختیار گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی، وہ کمرے میں تنہا تھی، صوفے پہ حمدان کا کوٹ پڑا تھا اور فرش پہ بچھے براؤن قالین پہ اس کے خون کے تازہ دھبے، ماحول میں اس کی خوشبو تھی اور بس، گاڑی اسٹارٹ ہوتے روانہ ہونے کی آواز کے چند لمحوں بعد اس نے سیڑھیوں پہ قدم کی آہٹ سنی جو اس کے کمرے کی جانب آ رہی تھی، تو گھبراہٹ میں اور کچھ نہ سوجھا البتہ دروازہ ضرور اندر سے لاک کر دیا۔

''قدر...... قدر بیٹے۔'' غانیہ دروازہ بجا رہی تھیں، قدر کو سمجھ نہ آئی کیا کرے، اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا اور حلق خوف سے سوکھتا جاتا تھا۔

''(اگر وہ مر گیا)؟'' ایک ہی سوال اس کے وجود میں سنسناہٹ بھرنے کو کافی تھا۔

''بیٹی کیا حمدان کہیں باہر گیا ہے؟ میں نے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔'' ماں کس درجہ پریشان تھی، یہ ان کی آواز سے ظاہر تھا، قدر بے دم سی صوفے پہ گر گئی، بولی اب بھی نہیں۔

"قدر بچی...... جواب دو...... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے، رات کے اس وقت وہ کہاں گیا، کیوں؟" دروازہ پھر کھٹکا، وہ پھر سوال کر رہی تھیں، اضطراب ہر انداز سے عیاں تھا، آواز سے آواز کی نمی سے حتیٰ کہ دروازے سے ٹکراتے ان کے ہاتھوں سے بھی۔

"جی باہر گئے، مجھے نہیں پتا کہاں۔" اس نے عجیب سے انداز میں جواب دیا اور لائٹ آف کر دی، دستک تھم گئی، آواز بھی تم گئی، پہلے وہ اس کا نمبر ملاتی رہیں جو بند جا رہا تھا، پھر وضو کرتیں جا نماز پہ جا بیٹھیں، ان کا دل جانے کیوں گھبرا رہا تھا، اب اللہ سے اس کی خیریت مانگ رہی تھیں، دوسری جانب قدر تھی، دوبارہ لائٹ آن کر کے خون کے نشانات کو گھورتی ہوئی، پھر جانے کس جذبے کے تحت اٹھی، واش روم جا کر گیلا تولیہ کر کے لائی اور خون کے دھبے صاف کرنے لگی، وہ ہر نشان مٹا دینا چاہتی تھی، ہر نشان، اپنے دل سے بھی ملامت کا وہ نشان جو اس حرکت کے بعد ابھر آیا تھا۔

☆☆☆

میرے چہرے پہ ان گنت تحریریں ہیں
ہر سطر میں
ہزاروں مضمحل خواب
اور ان خوابوں کی ٹہنیوں سے لپٹے
خار گلاب ایسے
بہت ہی ستم رسیدہ
کسی بے حد بوڑھے فقیر کے جیسے
جن کا کاسہ
بہت سی دعاؤں سے ویران ہے
سیراب ہونے کا منتظر
زوردار بارش کا طلبگار
آئینہ اب بھی دیکھوں تو
میرے چہرے پر ان گنت جھریاں
بے شمار سلوٹیں دکھائی دیتی ہیں
نکلی ہوئی بیمار آنکھیں
کسی شفایاب لمحے کی منتظر ہیں
میں بھی.........
کسی بوڑھے فقیر جیسا ہوں
تم نے میرے قدموں تلے
ریت جو بچھا دی ہے

اس نے گہرا سانس بھرا اور کھڑکی بند کر دی، حمدان کا نمبر ایک بار پھر ٹرائی کیا، جو بالآخر مل ہی

گیا تھا، بیل جارہی تھی، ان کے اندر جیسے ایک دم ایک تحریک پیدا ہوئی۔
''السلام علیکم! کیسے ہیں پپا؟'' انہیں اس کی آواز کچھ بوجھل کچھ تھکی ہوئی لگی، تب بھی غصہ ظاہر کیے بغیر نہ رہے۔
''وعلیکم السلام، پپا کے بچے یہ کیا حرکت ہے؟''
''کون سی پپا؟'' وہ معصوم بنا پوچھنے لگا، انہیں اور تاؤ آیا۔
''اگر واپس لوٹنا تھا تمہیں تو آنے کی کیا ضرورت تھی، حد ہے بے وقوفی کی۔'' جواب میں خاموشی تھی، جس سے وہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکے۔
''میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔'' انہیں اور غصہ آیا، وہ سمجھتا کیوں نہ تھا، اس کی بیوی معمولی لڑکی نہ تھی، شایان شان سلوک نہ ہوتا تو لینے کے دینے پڑ جاتے، یہاں شادی کے دوسرے روز دولہا نازک مزاج دلہن کو اس فضول گھر میں چھوڑ کر خود اسی وقت غائب ہو گیا تھا، تھی کوئی بات کرنے کی۔
''واپس آنا مجبوری تھی پپا، ضروری کام پڑ گیا تھا۔'' حمدان کو بولنا پڑا، بادل نخواستہ جواب دیا مگر وہ جھلا اٹھے۔
''ایسی کون سی افتاد آپڑی تھی، کہ اسی وقت واپس بھاگ گئے، پلٹ کر بچی کی خبر تک نہ لی، اب تم میرڈ ہو، یہ غیر ذمہ داری قابل گرفت ہے۔'' ان کا سمجھانے کا انداز بھی جارحانہ تھا، حمدان نے ہنکارا بھرا۔
''قدر کی ذاتی خواہش تھی گاؤں میں وقت گزارنے کی۔'' وہ یہی کہہ سکا تھا۔
''مگر تمہارے ہمراہ، آج ہی یہاں پہنچو، یاد رکھو حمدان یہ بیڑا تم نے اٹھایا ہے، بھاری ذمہ داریاں بھی تم پہ عائد ہوتی ہیں مگر باز پرس اور سزا کی لپیٹ میں میں بھی آؤں گا، سیانے کہہ گئے اگر اونٹ والوں سے دوستی کرو تو پہلے اپنے گھر کے دروازے اونچے ضرور کر لو، عقل پکڑو، مجھے دوبارہ کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔''
ڈانٹ ڈپٹ، نصیحت اور رابطہ منقطع، انہیں کامل یقین تھا وہ شام تک بھاگا آئے گا، جبھی کچھ مطمئن بھی ہوئے۔
''حمدان سے رابطہ ہوا؟''
غانیہ چائے کے ساتھ آئی تھیں، یہ سوال تو جانے کتنی بار کر چکی تھیں، اس شخص نے فائل کا صفحہ پلٹتے اک نظر انہیں دیکھا اور محض ہنکارا بھرا، وہ مطمئن بھی نہ ہو پائی تھیں کہ انہوں نے ملامت کے ڈونگرے برسانے شروع کر دیئے۔
''جتنی فکر مند لاپرواہ بیٹے کے لئے ہو رہی ہو اس کا معمولی سا حصہ بہو کے لئے بھی بچا رکھنا تھا، مگر ہونا وہی روایتی پرخاش رکھنے والی ساس، الگ سے رویہ کیونکہ ہو سکتا ہے تمہارا، مگر محترمہ مت بھولیں کہ آپ کی بہو صاحبہ ہرگز معمولی اور عام لڑکی نہیں ہے، ذرا سا خلاف شان کچھ ہو گیا تو یہاں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''
ان کی کچھ سنے بغیر وہ اپنی سنا رہے تھے کہ آج تک اپنی سنانے کے ہی جو عادی تھے، اب بھی

چپ کہاں ہوئے فکر مند انداز میں کہہ رہے تھے۔
''میں تو اس بات پہ حیران ہوں وہ یہاں آئی کیوں، آئی ہے تو اطمینان سے کیسے بیٹھی ہے، ہماری چاہ میں تو ایسا نہیں کر سکتی بہرحال، کہ کتنا کسی کو منہ لگایا، کمرے کا دروازہ ہی کبھی کھلا نہ دیکھا، نہ بول چال نہ کسی بات پہ اعتراض، مجھے تو معاملہ ہی عجیب لگتا ہے، انوکھی لڑکی ہے، جسے نہ باپ کی پرواہ نہ شوہر کا خیال، اللہ جانے اندر کھچڑی کیا پک رہی ہے۔'' ان کی سوئی وہیں اٹکی تھی، اس معاملے کو زیادہ ہی سر پہ سوار کر لیا تھا، غالباً سوچتی تو ایسا غانیہ بھی تھیں اور بچی کے لئے مضطرب بھی تھیں، جو گم صم اور ویران لگتی تھی، مگر اس شخص کی پریشانی کا عالم اندھا تھا۔
''صاف ظاہر ہے ماموں، وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی ہوگی، ایک تو سلیمان نے اپنی ذاتی زندگی کو بہت پردوں میں چھپا رکھا ہے، میڈیا تک کوئی خبر نہیں پہنچنے دیتا، مگر سن گن ملی ہے کچھ کہ اپنے کسی کزن میں انوالو تھی، حمدان جیسے لڑکے میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں کہ اسے گھاس ڈالنے لگی۔''
شانزے حسب سابق بنا دستک کے اندر آ کر مداخلت کر چکی تھی، غانیہ نے کوئی تاثر نہیں دیا، مگر وہ شخص پہلی بار البتہ ماتھے پہ شکنیں ڈال کر اسے دیکھنے لگا تھا، ایسے گویا یہ سب ناگوار گزر رہا ہو۔
''ایسی باتوں سے گریز برتو شانزے، بچی کے کانوں میں نہ پڑے میں یہ افورڈ نہیں کر سکتا، بلکہ اس معاملے سے دور رہو، اور ہاں اپنا مائنڈ میک اپ کر رکھو، مجھے جیسے ہی کوئی مناسب رشتہ ملا تمہاری شادی میں دیر نہیں کروں گا، ماں باپ تو تمہارے ہاتھ جھاڑ کر رخصت ہوئے، اب اس ذمہ داری کو میں نے ہی نبھانا ہے۔'' ان کا لہجہ ناگوار نہ تھا، البتہ کچھ سرد اور سخت ضرور تھا، شانزے کی تو آنکھیں باہر ابل آئیں، اس کایا پلٹ نے اسے تیورا کے رکھ دیا تھا، شپٹا ڈالا۔
''کیا کہہ رہے ہیں ماموں، میں تو......''
''ہم بعد میں بات کریں گے، ابھی میں مصروف ہوں۔'' فون کی گھنٹی بجی تو انہوں نے اسے پوری طرح ہری جھنڈی دکھا دی، شانزے کے تو مانو پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی، اس شخص کے برتے پہ تو وہ آج تک کامیاب تھی۔
''یہ کیا ہوا تھا بھلا۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکلی، اسے خود پہ زعم تھا، وہ یہ معاملہ ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتی تھی، وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی، چاہے کوئی اس کا ساتھ دے یا نہ دے، اس نے فون پہ بات کرتے منیب چوہدری پہ تنفر بھری نگاہ ڈالی اور جھٹکے سے باہر نکل گئی۔
☆☆☆
''ہاں پہچان لیا ہے، زحمت کی وجہ بیان کرو۔'' اس شخص کا لہجہ انداز آواز سب کچھ رکھائی سمیٹ لایا، جواباً دلکش ہنسی کی آواز سنائی دینے لگی۔
''کیا سمجھتے ہو مجھ سے جیت جاؤ گے؟ تم مجھ سے کبھی نہیں جیت سکتے منیب چوہدری جتنا مرضی اور پر اڑان بھر لو، تمہاری پرواز مجھ سے ہمیشہ نچلے درجے پہ رہے گی، تم نے منع کیا مجھے میرے بیٹے سے ملانے سے تو کیا سمجھے کہ میں اس سے مل نہ سکوں گی؟ جو تعلق اب اس سے بندھا اس تعلق کی بنا پر تو میں روز اس سے مل لوں تو تم رکاوٹ نہ ڈال سکو گے، کیا ایسا نہیں ہے۔''

حسب سابق حسب عادت وہ متکبرانداز میں بات کررہی تھی، وہ شخص کچھ نہ بولا، سکون سے سنتا رہا۔
''اگر ہوگئی ختم تمہاری بات تو فون بند کردو۔'' اس کی سو باتوں کے جواب میں ایک فقرہ سو پہ بھاری پڑ جایا کرتا تھا اس شخص کا، دوسری جانب جبھی کچھ ثانیوں کو سناٹا چھا گیا۔
''جس ہستی کی بیٹی کو بہو بنا کر تم آج کل بہت اترا رہے ہو منیب چوہدری مت بھولو اسی ہزاروں کروڑوں دلوں کے مطلوب شخص کے گھر اور دل کی مالک بننے جارہی ہوں میں، خود فیصلہ کر لو، پلڑا کس کا بھاری رہا، یہ کام بہت پہلے ہو جاتا مگر میں راستے کی ساری رکاوٹوں کو دور کرنے کی عادی ہوں، تم سمجھ تو گئے ہو گے سب سے بڑی رکاوٹ اس کی بیٹی ہی تھی اور میری ٹھوکر سے وہ تمہارے در پہ آ کر گری ہے، اس وقت کا انتظار کرو جب اگلی ٹھوکر تمہیں ماروں گی تو تمہارا ٹھکانہ کیا ہوگا؟'' وہ ہنس رہی تھی، حظ لے رہی تھی، لہجے میں صرف غرور بھرا تھا۔
''وقت ہر بار فتح کی مہر تمہارے ماتھے پہ چسپاں کرے ضروری نہیں، خیر تمہیں ان باتوں کی کیا سمجھ، کوشش کرنا آئندہ یہاں رابطہ نہ کرو، اپنے بیٹے سے بھی کانٹیکٹ کرنے کی ضرورت پڑے تو اسی کے نمبر کو ٹرائی کرنا۔'' وہ شخص پھنکارا اور سلسلہ کاٹ دیا، گھنٹی دوبارہ بجتی رہی مگر اس نے کان بند کر لئے، ابھی کچھ دیر قبل انہوں نے جھنجلاہٹ میں ایک بات کہی تھی، قدر کی باپ سے شوہر سے لاتعلقی کی حیرت ظاہر کی تھی، اب جیسے معاملہ از خود سلجھا، انہیں تاسف و ملال نے آن گھیرا، سلیمان خان جیسے بردبار باوقار شخص سے ایسے رویئے کی توقع نہ تھی، کیا واقعی وہ ایک بدچلن عورت کے دام میں ایسے پھنس گئے ہیں کہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی زیادتی کے مرتکب ہو گئے۔

☆☆☆

کہیں صحرا کہیں سوکھے شجر اچھے نہیں لگتے
مجھے اب خواب زاروں کے سفر اچھے نہیں لگتے
جوابی خط میں یوں اس نے میرے بارے میں لکھا تھا
برا بھی کہہ نہیں سکتے مگر اچھے نہیں لگتے
نہیں مصروف میں اتنا کہ گھر کا راستہ بھولوں
کوئی جب منتظر نہ ہو تو گھر اچھے نہیں لگتے
سمندر تیرتی لاشوں سے یہ کہتے رہے شب بھر
مجھے بھی ڈوبنے والا بھنور اچھے نہیں لگتے
نہیں ایسا کہ اب پرواز کی طاقت نہیں تنہا
میری امید کے پنچھی کو پر اچھے نہیں لگتے

اس کا موڈ جو پہلے ہی کچھ خاص اچھا نہ تھا، باپ کا حکم نامہ سن کر مزید برہمی سمیٹ لایا، مگر انکار کی ہمت تھی نہ پوزیشن وہ صحیح کہتے تھے، وہ پھنس چکا تھا وہ بھی بری طرح، ورنہ جو سلوک اور جس بے رحمی و سفاکی سے کیا تھا قدر نے ابھی اس کا دل بالکل صاف نہ ہوا تھا، کم از کم ابھی اتنی جلدی وہ اس کا سامنا کرنے کو تیار بھی نہ تھا، فون نہ آنے کی امید کے باوجود دل نادان ہی تھا جو

اس کے کانٹیکٹ کی آس لگائے بیٹھا تھا اور مایوس ہو چکا تھا، بھلا اسے ضرورت بھی کیا تھی اس جیسے دو ٹکے کے انسان کو اہمیت دینے کی، جو اس کے سامنے بھلے تڑپ کر جان بھی ہار دیتا تو اسے فرق نہ پڑتا تھا، شام ڈھل رہی تھی جب اس نے گاڑی گھر سے گاؤں جانے کو نکالی، جس تیزی سے اس نے گاڑی ریورس کی اس سے ٹائروں کی رگڑ اس سرکاری عمارت کے اندرونی حصے تک گونجی، واچ مین نے روڈ کا گیٹ وا کیا، گاڑی گرد کا ایک طوفان پیچھے چھوڑ کر گولی کی رفتار سے گیٹ سے نکلی۔

''اونہہ، بلا تو ایسے رہے ہیں، جیسے وہ نواب زادی میرے فراق میں وہاں بیٹھی آہیں بھر رہی ہو۔'' اس کا دماغ شدید تناؤ کا شکار تھا یہی وجہ تھی کہ رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔

''ہیلو؟'' فون کی بیل بجی تو اسی موڈ میں نمبر دیکھے بنا کال رسیو کی اور گویا پھاڑ کھانے کو دوڑا۔

''حمدان کیسے ہو بیٹے؟ قدر کیسی ہے؟'' دوسری جانب سلیمان خان تھے، بے تابی سے سوال پہ سوال کرتے ہوئے، اس کے لہجے پہ غالباً غور نہیں کیا تھا، وہ بے طرح خفت کا شکار ہوا۔

''الحمدللہ، جی جی قدر بالکل ٹھیک ہے، آپ کیسے ہیں؟'' وہ الرٹ نظر آنے لگا، لہجہ مودب ہو گیا، چہرے کے تاثرات میں بھی نرمی در آئی۔

''قدر کا سیل نمبر آف جا رہا ہے، بارہا ٹرائی کیا مگر، مجھے تشویش ہوئی، بیٹے آپ اسے ملانے ہی لے آتے، چلیں ایسا کریں اب آ جائیں، کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔'' انہوں نے لمحوں میں پروگرام ترتیب دے دیا، حمدان آہستہ سے کھنکارا۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے سر، لیکن اس وقت یہ ممکن ہے نہیں بہت معذرت...... ایکچوئیلی قدر میرے پیرنٹس کے پاس ہے گاؤں میں، میں بھی وہیں جا رہا ہوں، ادھر پہنچتے ہی آپ سے بات کرا دوں گا۔'' اس جواب نے سلیمان کو یکلخت چپ کروا دیا تھا، قدر گاؤں میں تھی اور حمدان کے بغیر تھی، انہیں صورت حال کی سنگینی کا سگنل مل گیا گویا، انہیں عجیب سی چپ لگی۔

''کب سے ہے قدر وہاں؟'' سوال کیئے بغیر نہ رہ سکے، گویا معاملے کی سنگینی کی انتہا تک پہنچنا چاہا، حمدان بھی اس سوال پہ خائف اور جز بز ہوا تھا۔

''ولیمہ سے اگلے دن سے ہی۔'' ان کا انداز مارے بندھے والا تھا جواب دینے کا، سلیمان ایک بار پھر گم صم ہوئے۔

''واپس کب آئے گی؟'' ان کی تشویش ان کے لہجے سے عیاں تھی۔

''میں انہیں لینے ہی جا رہا ہوں سر۔'' حمدان ہر ممکن طریقے سے انہیں ریلیکس کرنا چاہ رہا تھا جیسے، جبھی ایسا جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، آپ وہاں جا کے میری بات ضرور کروا دینا۔''

''شیور سر، ڈونٹ یو وری۔'' حمدان نے تابعداری سے جواب دیا، وہ اتنے الجھے ہوئے تھے کہ مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا، حمدان نے ہونٹ بھینچ لئے، وہ اخذ نہیں کر سکتا تھا قدر کا موڈ کیسا ہو سکتا تھا، سارا سفر اسی شش و پنج میں تمام ہوا، وہ گاؤں کی مسجد کے سامنے سے گزرا تو نمازی عشاء پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے، گھروں کی اکثر بلکہ زیادہ تر بتیاں گل ہو چکی تھیں۔

''السلام علیکم!'' وہ گھر میں داخل ہوا تو پہلا سامنا ہی غانیہ سے ہوا، شاید وہ اسی کا انتظار کر

رہی تھیں۔
''کیسے ہو، بالکل بھول گئے۔'' سلام کے جواب کے ساتھ گلے لگایا ماتھا چوما، مگر انداز میں خفگی بھی نمایاں تھی، وہ محض مسکرایا بولا کچھ نہیں۔
''ایسے اچانک کیوں چلے گئے تھے، وہ بھی رات کے اس پہر، کتنا پریشان کیا، اس پہ موبائل بھی آف، بیٹے یہ کیسی حرکت ہے، وہ بھی اب جبکہ نئی نویلی دلہن کو بھی چھوڑ کر گئے تھے۔''
(اس کی وجہ سے ہی تو گیا تھا، بلکہ اس کا بھیجا ہوا گیا تھا) اس نے سرد آہ بھری۔
''اس رات کیوں چلے گئے تھے، سب خیر تھی؟'' وہ باتیں کرتے کمرے کی جانب آئے، قدر جاگ ہی رہی تھی، اس کی آواز پہ بے ساختہ اٹھی، کھڑکی سے جھانکا وہی تھا، سفید براق شرٹ بلیو پینٹ بال بکھرے ہوئے مگر بلا کا خوبرو، وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گئی، اسے صحت مند تندرست دیکھ کر وہ بے چینی تمام ہوئی جو اندر احساس جرم کے ہمراہ چٹکیاں کاٹتی تھی، اس نے کھانے کی ٹرے دور سرکائی اور خود لیٹ کر چادر سر تک تان لی، اے سی تو تھا ہی آن، اسے معلوم تھا وہ اندر آنے والا ہے، جانے کیوں اس کے سامنے سے خائف ہوئی۔
''کچھ خاص نہیں پریشان نہ ہوں، ہیڈ کوارٹر سے کال آ گئی تھی، بہت اہم آپریشن تھا، جو کرنا تھا، جانا مجبوری تھی۔'' اس کی آواز مدھم سہی مگر اب وہ سن سکتی تھی۔
''اچھا جا کر فریش ہو تم، میں کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔'' انہوں نے بات سمیٹ دی، اس کی تھکن کا احساس تھا اور اب تو بیٹا بھی شادی شدہ تھا، بہو منتظر تھی، وہ خود بھی بے تاب ہو سکتا تھا۔
''نہیں والدہ، کھانا میں کھا چکا ہوں، بس ایک کپ چائے پلیز۔'' وہ منع کرتا ہوا کمرے میں آ گیا، قدر دم سادھے اس کی آہٹیں سننے لگی، کبھی دراز کھلنے کی آواز کبھی لائٹر آن آف ہونے کی، پھر اس نے وارڈ روب کھولی تھی اور کپڑے لئے واش روم میں جا گھسا۔
''قدر...... بیٹے آپ سو گئی ہو؟''
غانیہ چائے لائی تھیں، اسے خیمہ زن دیکھ کر ٹھٹک سی گئیں، بلکہ تشویش سے بھر گئیں بیٹے کی اتنے دنوں بعد آمد اور بہو اٹھوائی کھٹوائی لئے پڑ جائے معاملہ گھمبیر کیونکر نہ ہوتا، اسے کھانا ناشتا وہی پہنچاتی تھیں، جتنا سوال کرتی تھیں اتنا جواب مل جاتا، نہ وہ باہر نکلتی نہ کسی سے بولتی، کسی کو بھلا اس کے کمرے میں آنے کی اجازت کیسے ہوتی، قدر نے جواب نہیں دیا تو غانیہ یونہی تشویش میں بھری پلٹ گئیں، حمدان نہا کر نکلا تھا، چائے کا کپ اٹھاتے اک نظر اسے دیکھا، جو ہنوز اسی پوزیشن میں تھی۔
''اس حفاظتی اقدام کی قطعی ضرورت نہیں، بے فکر ہو کر اٹھ جائیں کہ میں ویسی حماقت میں نہیں پڑنے والا، سر آپ کے رابطہ نہ کرنے پہ پریشان ہیں، ان سے بات کر لیں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ بیڈ پہ دھرا دوسرا تکیہ اٹھا کر چائے کے مگ سمیت باہر نکل گیا۔
☆☆☆
اسے کہاں توقع تھی اس سب کی، ایسے رویئے کی، وہ تو سمجھ رہی تھی حمدان کمرے میں رہے گا، بیڈ پہ اس کے برابر آئے گا، چاہتی تو وہ بھی یہ نہیں تھی، وہ بھی اس سے چھٹکارا اور نجات کی ہی متمنی

تھی مگر چونکہ امید نہ تھی جبھی کچھ عجیب محسوس ہوا، صرف عجیب نہیں، اس میں کچھ ایسا تھا جو توہین آمیز بھی تھا، شاید نظر اندازی کا احساس، شاید بے نیازی کا مظاہرہ۔

کچھ تو تھا جو سوئی کی نوک بن کر چبھا تھا اور چبھے گیا تھا، وہ جیسے ساکن لیٹی تھی، لیٹی رہی جانے کتنی دیر بیتی، یہاں تک کہ آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔

''قدر......'' غانیہ دستک دے رہی تھیں، وہ بے اختیار آنکھیں پونچھتی اٹھ بیٹھی، سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا، جو دروازے میں فکر مند کھڑی تھیں۔

''یارمن کہاں چلا گیا بیٹے؟''

''کون یارمن؟'' جواباً وہ اچنبھے میں گھر کر انہیں دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے حمدان، حمدان کدھر گیا؟'' ان کے انداز میں اضطراب بھی تھا گریز بھی، بہو اونچے گھر اونچے خاندان سے تھی، مزاج بھی نازک رکھتی تھی، ان کے بیٹے کو اہمیت دینے کو بھی تیار نہ تھی، کیا اس سب کے باوجود وہ یہ سوال کرتے نہ ہچکچاتیں، ہچکچا رہی تھیں، نظریں تک ملانے کی تاب نہ تھی، یوں گویا کہ جیسے کوئی جرم ہی تو کر بیٹھی ہوں، قدر کے چہرے پہ تنفر اور تختی بیک وقت اتری، آنکھیں اس سوال کے ساتھ ہی سلگ اٹھیں۔

''آپ کے بیٹے کے آنے جانے کی خبریں میرے پاس نہیں ہوتیں، بہتر ہے کہ آپ مجھ سے آئندہ یہ سوال نہ کریں۔''

لحاظ رکھنے کی تو وہ بالکل قائل نہ تھی، پھر غانیہ سے ایسا کون سا قلبی تعلق بندھا تھا کہ وہ مروت کا مظاہرہ کرتی، لحاظ برتتی، سو پھٹ پڑی، غانیہ کا رنگ واضح طور پہ پھیکا پڑا، چہرے پہ جانے کس احساس کے ساتھ اضمحلال بکھر گیا۔

''بہت معذرت بیٹے، آپ کو ڈسٹرب کیا۔'' نرمی سے شائستگی سے کہتیں وہ وہیں سے پلٹ گئیں، قدر نے بھینچے ہوتے ہونٹوں کے ساتھ دوبارہ لیٹتے ہوئے چادر اوپر کھینچی تھی، غانیہ کسی خیال کے تحت نیچے آتی چھت کی جانب رخ کر گئیں، ممکن تھا حمدان وہیں ہو اور وہ وہیں تھا، چارپائی کے غبار میں وہ انہیں مچھروں کی یلغار سے اکتایا ہوا لگا، کبھی گردن پہ ہاتھ مارتا کبھی کاندھے پہ جھنجلایا جا رہا تھا۔

''یہاں خون جلانے کی بجائے بہتر نہیں تھا کہ آپ اپنے کمرے میں آرام کر لیتے بیٹے۔'' مداخلت کرتے ہوئے وہ بڑی دکھی نظر آ رہی تھیں گویا، حمدان کے اعصاب کو جھٹکا لگا، وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھا تھا۔

''آپ...... یہاں...... کیسے؟'' حیرت کی زیادتی سے وہ ڈھنگ سے فقرہ بھی مکمل نہ کر سکا، جو بھی تھا ماں کو معمولی سی بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

''آپ کو تلاش کرتی یہاں پہنچی ہوں یارمن، شادی کو محض چند دن ہوئے جن میں سے زیادہ تو آپ نے بچی سے دور رہ کر گزارے، آج آئے ہیں تو کمرے کی بجائے یہاں اوپر آ گئے، اس کا مطلب جو نکلتا ہے وہ تو......''

''مما...... اندر بہت گھٹن تھی تو......'' حمدان بات سنبھالنا چاہتا تھا مگر بات سنبھلنے والی تھی نہیں،

وہ بہت شاکی بہت خفا نظر آ رہی تھیں۔

''سو باتوں کی ایک بات حمدان، آپ سے مجھے پے در پے ایسی بے وقوفیوں کی امید نہیں تھی، کیوں خود کو تماشا بنا رہے ہو؟ جبکہ پتا بھی ہے، شانزے کے ذریعے بات کا بتنگڑ بنے گا اور تمہارے پپا کوئی معمولی کوتاہی بھی برداشت نہیں کریں گے۔'' ان کی ناراضگی ان کا دکھ ان کی آواز ان کے ہر انداز سے مترشح تھا، حمدان جیسے فی الفور کچھ کہنے کوئی صفائی دینے کی پوزیشن میں نہ رہا، کیا کہتا، کہنے والی کوئی بات تھی بھی نہیں۔

''آئی ایم سوری مما، مجھے اندازہ نہ تھا، آپ اس درجہ ہرٹ ہوسکتی ہیں۔'' وہ لے دے کے یہی کہہ سکا، چہرے پہ عجیب سی دل گرفتگی کا تاثر ابھر آیا تھا۔

''بیٹے! اسے میری نصیحت سمجھ لو، مگر اپنے ازدواجی اختلافات اپنے کمرے کی حد تک رکھو تو بہتر ہے، ورنہ اس سے فائدہ اٹھانے والے آپ کو کسی عظیم نقصان سے دوچار بھی کر سکتے ہیں خدانخواستہ۔'' ایسی بات کہنے وہ جی ہی جی میں دہل بھی رہی تھیں، حمدان نے گہرا متاسفانہ سانس بھرا۔

''میرا قدر سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں ہے والدہ، سو ٹیک اٹ ایزی، وہ اپنے پپا کی وجہ سے ڈس ہارٹ ہے، کچھ دنوں میں یہ معاملہ سلجھا تو از خود ٹھیک ہو جائے گی، آپ ریلیکس رہیں۔'' غانیہ اب کی مرتبہ محض سر ہلا سکیں، پھر جانے کو اٹھیں تو اسے بھی ساتھ ہی ہاتھ پکڑ کر چارپائی سے کھڑا کر دیا۔

''ابھی تو اپنے کمرے میں جاؤ آپ، کل یا پرسوں، جب بھی واپس ڈیوٹی پہ جانا ہو قدر کو ساتھ لے جانا، اس کا ادھر رہنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔''

حمدان ان کے خدشات اور تحفظات سمجھتا تھا، محض سر ہلایا، غانیہ کے نیچے جانے کے بعد وہ سیڑھیاں اترتا کمرے میں آیا تھا، لائٹ ہنوز جل رہی تھی اور وہ پہلو کے بل لیٹی نظر آ رہی تھی، اللہ جانے سوئی تھی یا حمدان نے جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں ہاتھ میں موجود تکیہ بیڈ پہ پھینکا جو قدر کو جا کر لگا تھا، وہ حیرانی سے بے ساختہ مڑی تو ریشمی گھنیرے بال لہرا کر کاندھے اور سینے پہ پھیل گئے۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟ جارحیت کے بغیر کچھ کرنا بھی آتا ہے تمہیں؟'' اسے دیکھتے ہی وہ ماتھے پہ بل ڈال چکی تھی، لہجہ ہمیشہ کا روکھا سرد اور تو تڑاخ والا تھا، کچی نیند سے جاگا بے پرواہ حسن حمدان کے اندر ہلچل مچانے کو کافی تھا، آنکھوں کی سرخیاں دل بے ایمان کر جائیں، حمدان اسے دیکھے گیا۔

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے یہ میرا بھی کمرا ہے، جاگ گئی ہیں تو اچھا ہوا، میں زحمت سے بچ گیا۔'' حمدان کے جواب نے قدر کو ایک دم چونکایا، بلکہ الرٹ کر دیا۔

''مجھے بدتمیزی نہیں پسند اور اس کا انجام تم بھگت بھی چکے۔'' وہ تیکھے چتونوں سے جتلا رہی تھی، حمدان کا رنگ ایک دم سے سرخ پڑ گیا۔

''کسی کی شرافت کو اس کی کمزوری سمجھنے والے احمق ہوا کرتے ہیں قدر صاحبہ! ایسے لوگوں کے ہر نقصان کے پیچھے ان کی اپنی غلطی ہوا کرتی ہے، اینی ویز، آپ نے اپنے پپا سے بات کی؟'' بے

حد سنجیدگی بلکہ خطرناک سنجیدگی سے بات کرتا وہ ایک دم موضوع بدل گیا، قدر کے چہرے کے زاویے اس سوال کے ساتھ ہی بگڑے۔

''مجھے کسی سے بات نہیں کرنی۔''

''کسی نہیں، وہ آپ کے پپا ہیں۔'' حمدان نے اب کے مسکراہٹ دبائی۔

''اور میں تو نئی پیدا ہوئی ہوں، اس اطلاع کا بہت شکریہ۔'' قدر کا تلخی سے پر لہجہ حمدان کو کھل کر مسکرانے پہ مجبور کر گیا۔

''یہ انداز بالکل غلط ہے جس سے خفگی ہو اس سے شکایت کی جاتی ہے گلہ کیا جاتا ہے، ناراضگی از خود ختم ہو جاتی ہے، یہ تو نہیں کہ منہ پھلایا اور کونے میں بیٹھ گئے، کسی کو کیا معلوم آپ کیوں خفا ہیں۔''

وہ بیڈ پہ اس کے برابر آ بیٹھا، ایسے کہ قدر کا ریشمی کندھا اس کے مضبوط آہنی کندھے سے ٹکرا گیا تھا، وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوتی اسے باقاعدہ گھورنے لگی۔

''تم یہاں کیوں آئے، وہاں صوفے پہ ٹھکانہ کرو اپنا، میں تمہیں برداشت کر سکتی ہوں نہ تم پہ بھروسہ۔'' انگلی سے پیچھے کی طرف اشارہ کرتی وہ خود لاشعوری طور پر پیچھے کی جانب سرک رہی تھی، حمدان بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف نہ کھینچ لیتا تو یقیناً دوسری سائیڈ پہ گر بھی چکی ہوتی مگر اس صورتحال کو سمجھے بنا محض اس کی جسارت پہ ہراساں اس کے حلق سے دبی دبی چیخ نکل گئی۔

''حواس باختہ ہوں گی تو یہی ہوگا، آپ کو پکڑنے کا مقصد گرنے سے بچانا تھا، اتنی سی عقل استعمال کی ہوتی تو بدگمانی کی اس انتہا تک نہ پہنچیں۔'' حمدان کا موڈ سخت برہم ہو چکا تھا، اسے چھوڑتا اٹھ کر صوفے پہ جا بیٹھا، اب سگریٹ سلگاتا نخوت سے کہہ رہا تھا، قدر کچھ نہیں بولی، غصیلی نظروں سے اسے دیکھتی بازو سہلاتی رہی جہاں اس کی چند لمحوں کی مضبوط گرفت گہرا سرخ نشان ثبت کر گئی تھی۔

''اپنی تیاری کر رکھیں، صبح مجھے جلدی نکلنا ہے۔'' کش لے کر دھواں پھیلاتا وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا، قدر ٹھٹک گئی۔

''تمہاری روانگی سے میری تیاری کا کیا تعلق؟'' وہ آنکھیں نکال کر غرائی، گویا لڑنے مرنے کو تیار ہو۔

''تعلق یہ کہ آپ ساتھ چل رہی ہیں۔'' حمدان بھی اس کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر کہہ گیا تھا، وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

''تم کون ہوتے ہو مجھے یہ آرڈر کرنے والے؟'' اس کے آنچ دیتے لہجے میں بلا کی تلخی تھی، حمدان نے گہرا سانس بھرا۔

''ان فضول باتوں میں کیا رکھا ہے قدر، کیا آپ نے یہاں رہنے کے شوق میں مجھ سے شادی کی تھی؟'' حمدان کو بھی غصہ آ گیا تھا، قدر جواباً حقارت آمیز ہنسی ہنسی۔

''تم سے شادی میری میرے باپ نے زبردستی کرائی ہے اور یہ ایک سزا کے طور پہ قبول کیا ہے میں نے؟'' اس کی آواز دکھ کی شدتوں سے چور ہو گئی، حمدان نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''یہ سزا آپ وہاں رہ کر بھی دے سکتی ہیں خود کو۔''
''تمہارا قرب قبول نہیں ہے مجھے، اب بات تمہاری سمجھ میں آ گئی؟'' قدر کے چہرے پہ آگ فروزاں ہو گئی تھی، حمدان اب کے کچھ نہیں بولا۔
''لائٹ بند کرو اور اب کوئی شور نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ دوبارہ لیٹتے ہوئے آرڈر کر رہی تھی۔
''سر کی خواہش ہے کہ آپ یہاں کی بجائے وہاں رہیں۔'' حمدان جیسے کچھ سوچتا ہوا اسے آگاہ کر رہا تھا، قدر کے چتون پھر تیکھے ہوئے۔
''اور تمہیں کس نے کہا کہ وہ شخص کوئی خواہش کرے گا اور میں مان بھی لوں گی؟'' اس کا لہجہ طنزیہ ہوا، پتھریلا ہوا، حمدان بے بس نظر آنے لگا۔
''وہ آپ کے باپ ہیں قدر؟''
''وہ شخص کچھ بھی ہو سکتا ہے، مگر میرا باپ نہیں، بلکہ میرا کوئی بھی نہیں ہے، اس دنیا میں دکھ اٹھانے کو میں بالکل اکیلی ہوں، آئندہ اس کا نام نہ لینا میرے سامنے، سمجھے؟'' وہ ضبط کھو گئی، پہلے چیخی پھر بے اختیار رونے لگی، حمدان اس کے دکھ کی گہرائی سمجھ سکتا تھا مگر اسے حوصلہ دینے کا حق نہیں رکھتا تھا جبھی دکھ میں مبتلا اپنی جگہ بیٹھا رہا، جانتا تھا رونے والی کو اس کی ضرورت نہیں۔

☆☆☆

وہ ہٹا رہے ہیں پردہ سر عام چپکے چپکے
کوئی قتل ہو رہا ہے در بام چپکے چپکے
یہ جھکی جھکی نگاہیں یہ حسیں حسیں اشارے
کہیں لے نہ جائیں شاید میری جان چپکے چپکے
کبھی شوخیاں دکھانا کبھی ان کا مسکرانا
یہ ادائیں کر نہ ڈالیں میرا کام چپکے چپکے
یہ جو ہچکیاں مسلسل مجھے آ رہی ہیں محسن
کوئی لے رہا ہے جیسے میرا نام چپکے چپکے

وہ بہت دیر سے سو کر اٹھی، قوی امید تھی حمدان صاحب تشریف لے جا چکے ہوں گے مگر تکیے سے سر اٹھاتے آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے اس پہ نظر پڑی، وہ دھک سے ہی تو رہ گئی، اس کے برابر بلکہ اس کے بالکل پاس سویا ہوا، صرف ٹراؤزر میں ملبوس، قدر کے تو اوسان خطا ہو گئے، وہ جانے کب بستر پہ آیا تھا، اسے خبر تک نہ ہو سکی، ایسی غافل نیند وہ کیونکر سو سکتی تھی بھلا۔
''تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''
اسے خود پہ کنٹرول بحال تھا، اسے شدتوں سے جھنجھوڑتے ہوئے غصے میں ابل پڑی، حمدان کی آنکھیں ہی بامشکل کھلیں، نیند آلود نظروں میں ناسمجھی تھی، انجان پن تھا معصومیت تھی۔
''کیا کہہ رہی ہو؟'' اس کی آواز پہ غنودگی کا غلبہ تھا۔
اس کی آنکھیں پھر بند ہوئیں، ایسے گویا کوئی نشہ کیا ہو، قدر نے سفا کی پہ اترتے اس کے بال پیشانی سے مٹھی میں جکڑ لیے۔

''ڈرامے ختم کر کے ہوش میں آؤ، بتاؤ مجھے جو پوچھ رہی ہوں۔'' وہ برہم سی برہم تھی، حمدان نے بے ساختہ کراہ کر گویا نا چاہئے ہوتے بھی آنکھیں کھولیں، وظالم حسینہ رعایت برتنے پہ ہرگز آمادہ نہ تھی
''کیا پوچھا ہے، یار بال تو چھوڑو۔'' وہ پھر کراہا، قدر نے چھوڑنے کی بجائے زور کا جھٹکا دیا۔
''اودور ہونے کی ضرورت نہیں سمجھے۔'' وہ دہک اٹھی، غرا اٹھی، حمدان ششدر نظر آنے لگا۔
''سبحان اللہ! خان زادی کیا کہنے آپ کے، خود ہر حق استعمال کریں اور ہم سے معمولی کوتاہی پہ بھی ایسی سرزنش۔'' وہ بال چھڑاتا اٹھ کر بیٹھ گیا، سگریٹ سلگانے لگا تھا جب قدر نے بے حد غصیلے انداز میں سگریٹ نوچ کر دور پھینکا، وہ پہلے سے زیادہ غصے سے گھور رہی تھی، حمدان نے سرد آہ بھری گویا کوئی راہ فرار نہ ہو۔
''گستاخی معاف، مگر خود انصاف کرو کیا میں صوفے پہ سو سکتا تھا؟''
''اس کا مطلب تھا تم میرے ساتھ سوتے؟'' وہ اس پہ چڑھ دوڑی، حمدان نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فی الفور سر ہلایا۔
''کوئی حرج نہیں سمجھا، اپنی بیوی کے ساتھ سب سوتے ہیں۔'' وہ کتنی معصومیت کا مظاہرہ کر رہا تھا مگر قدر کا خون کھولا گیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ دھاڑی، سلگتی آنکھوں سے اسے گھورتی خود بستر سے اتری۔
''تم ابھی تک دفع کیوں نہیں ہوئے؟'' حمدان نے اسے جواباً تنبیہ کے انداز میں دیکھا۔
''ایسے الفاظ ایسے رویئے سے گریز برتیں قدر جو بعد میں آپ کے لئے تکلیف دہ ہو یا پچھتاوے کا باعث ٹھہرے۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا، قدر نے کہاں قابل درخوا عتنا جانا۔
''اگر تمہاری یہ خوش فہمی ہے کہ تم کبھی نہ کبھی میرے نزدیک اہم ٹھہرو گے تو اسے محض حماقت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔'' وہ گویا اس کا مذاق اڑا رہی تھی، اب کے حمدان کچھ نہیں بولا، اٹھ کر باہر چلا گیا، قدر وہیں بیٹھی جھنجھلاتی رہی، غصہ پیتی رہی، یہاں تک کہ دستک دیتی حرم اندر آ گئی۔
''بھابھی! مما کہہ رہی ہیں ناشتہ نہیں کریں گی؟''
''نہیں میں باہر ہی آ رہی ہوں۔'' وہ چونکہ حمدان کو مزید اپنے سر پر سوار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی جبھی منع کرتی اٹھ کھڑی ہوئی، جس وقت فریش ہو کر دوپٹہ شانے پہ ڈالتی باہر آئی پہلے ہی مرحلے پہ ٹھٹک گئی۔

اگر وہ پوچھ لے ہم سے تمہیں کس بات کا غم ہے
تو پھر کس بات کا غم ہے اگر وہ پوچھ لے ہم سے

حمدان کے مقابل وہ شانزے کھڑی تھی، ایسا کیا تھا اس کی نظروں میں حمدان کے لئے جو قدر کو محسوس ہوا، کھٹکا تھا، حالانکہ اسے دونوں سے غرض نہیں تھی مگر وہ آگے بھی نہیں بڑھ سکی۔
''راستے سے ہٹو۔'' حمدان اوپری سیڑھی پہ کھڑا تھا، اس کے پیچھے ہونے راستہ دینے کا منتظر۔
''تمہیں نہیں لگتا حمدان تم نے میرے ساتھ زیادتی کی، بلکہ ظلم کیا، مجھے میری محبت کو ٹھوکر مار

کر کتنی آسانی سے کسی اور کے ساتھ خوش ہو۔'' وہ جیسے بلک رہی تھی، حمدان کے تاثرات چہرا دوسری جانب ہونے کے باعث محفوظ تھے وہ دیکھ نہ سکی۔

''میرے دل سے بددعائیں نکلتی ہیں، میں ہرگز بھی تمہیں معاف نہیں کر سکتی، میری جگہ کسی اور کو دے ڈالی تم نے اور تمہیں ذرا بھی ملال نہیں۔'' معاً اس پہ نگاہ پڑی تو ایک دم سنبھلی اور تیزی سے پیچھے ہٹ گئی، حمدان نے چونک کر اوپر دیکھا، قدر متوجہ تھی مگر نظر چرا گئی، اطمینان سے سیڑھیاں اترتی اس کے پاس لمحہ بھر کو رکی۔

''تمہیں نہیں لگتا تم اسی لڑکی کو ڈیزرو کرتے تھے منصف حمدان۔'' اس کا ایک ایک لفظ آگ لگاتا ہوا تھا۔

''بجا فرمایا اور اس لڑکی کا حصول میرے لئے اب بھی ہرگز دشوار امر نہیں، فیصلے درست نہ ہوں تو ان پہ نظر ثانی ضرور ہونی چاہیے۔'' حمدان نے بھی مروت نہیں نبھائی، پھنکارنے کے انداز میں کہتا باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ گیا۔

''اتنے دنوں بعد تو محترم کا چکر لگتا ہے، میں کہہ رہی تھی ماموں، آپ اسے کہیں ہمیں کھیتوں کی ہوا ہی کھلا لائے۔'' وہ نیچے پہنچی تو شانزے اس شخص سے مخاطب تھی۔

''آؤ بیٹے! بیٹھو۔'' اس شخص نے شانزے کی بجائے اس پر توجہ کی، خصوصی اہمیت سے نوازا، البتہ اس کے بیٹے کی توجہ اس کی بجائے اس پہ تھی جس نے سوال کیا تھا، گزارش کی تھی۔

''بہت مشکل پہاڑ نہیں جو مجھے اٹھانا ہے، جس نے جانا ہے تیار ہو جائے، لے جاؤں گا ابھی ناشتہ مل جائے گا؟'' وہ جھنجھلایا ہوا کہہ رہا تھا، شانزے چابک دستی سے آگے بڑھی اور خود اسے ناشتہ پیش کرنے لگی، اس کی ماں بہنوں کی موجودگی کے باوجود، اس شخص سمیت سب حیران جبکہ حمدان بے نیاز نظر آتا تھا، قدر کرسی پر بیٹھی باہم ہاتھ جکڑے سب خاموشی سے دیکھتی رہی۔

''بیٹے آپ ادھر آؤ۔'' غانیہ نے قدر کو حمدان کے برابر آنے کا صرف کہا نہیں، ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا، دوسرے پہلو کو شانزے نے عجلت میں آباد کیا، جہاں غانیہ جزبز ہوئی حمدان نے دھیان ہی نہ دیا۔

''آجائیں آپ بھی مما۔'' وہ ناشتہ شروع کر چکا تھا، قدر یونہی بیٹھی تھی۔

''بیٹے! بیوی پہ توجہ دو، بچی شرما رہی ہے کچھ کھا ہی نہیں رہی۔'' غانیہ نے خود قدر کے لئے جوس نکالتے بیٹے کو بھی احساس دلایا۔

''اب کیا میں سب کے سامنے آپ کی لاڈلی بہو کے منہ میں نوالے ڈالوں۔'' وہ ایک دم مسکرانے لگا، ایک نظر قدر کے سپاٹ چہرے کو بھی دیکھا، غانیہ جھینپ سی گئیں، اسے گھورا۔

''توجہ کا مطلب صرف یہی تو نہیں نکلتا، آپ انہیں پیش تو کر سکتے ہو کچھ۔''

''سب کے سامنے نہیں کر سکتے تو پھر الگ ناشتہ کر لیتے آپ لوگ بھائی۔'' حجاب نے لقمہ دیا، سب ہنسنے لگے، حمدان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''چلو آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا، اب خوش؟''

''یہ تو آپ بھابھی سے پوچھیں، وہ خوش ہیں کہ ابھی بھی ناراض؟'' حجاب نے بات کو طول

دیا، حمدان نے نظریں گھما کر قدر کو دیکھا جو خاموش اور ہنوز سنجیدہ تھی۔

''کیا آپ واقعی ناراض ہیں میم!'' وہ بن کر پوچھ رہا تھا، انداز میں تجاہل عارفانہ تھا، قدر نے اتنی توجہ بھی نہ دی نہ نگاہ بھر کے ہی دیکھ لیتی، حمدان خفیف سا ہو گیا، چپ ہو گیا، بلکہ سب ہی چپ ہو گئے، سب سے زیادہ مزا شانزے نے لیا، اس کے تو گویا دل کی ہوئی تھی، اختلاف یا رنجش جو بھی تھا کھل کر سامنے آیا تھا اور وہ فائدہ اٹھانے والوں میں سے تھی۔

''رکو حمدان! میں بس دومنٹ میں تیار ہو کے آئی، پھر دھوپ بہت تیز ہو جاتی ہے، ابھی چلتے ہیں۔'' ناشتہ کے بعد جیسے ہی حمدان اٹھا شانزے نے عجلت کا مظاہرہ کرتے اسے ٹوکا اور سرعت سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہ گئے۔

''کیا صرف یہی جائے گی؟'' حمدان کے سوال پہ یہ سناٹا بکھرا، قدر لاتعلق انداز میں ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

''ہم بھی چلیں گے بھائی، پلیز ویٹ، بھابھی جورات میں نے آپ کا جوڑا پریس کیا تھا آپ تو وہی پہن لیں۔'' حرم بروقت حرکت میں آئی اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر پکڑ کر اٹھا کر لے گئی، غانیہ نے شا کی نگاہ حمدان پہ ڈالی جو گہرا سانس بھرتا دوسری جانب دیکھنے لگا تھا، جہاں کھلی کھڑکی سے وہ صوفے پہ بیٹھی نظر آئی تھی، اس کی کہنیاں اس کی گود میں دھرے کشن پہ تھیں، اس کے آرٹسٹک ہاتھوں کی خوب صورت انگلیاں اس کے ریشمی بکھرے بالوں میں پھنسی تھیں، گلابی موم سے بنے چہرے پہ براہ راست سورج کی شعاعیں پڑتی تھیں اور گویا اس کی آب تاب سے نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں، وہ اسے یونہی دیکھے گیا، دل سے ہوک سی اٹھی، کتنی خوبصورت تھی وہ، کہ جیسے قدرت نے اس کے ایک ایک نقش کو بڑی محبت سے تراشا ہو مگر اس چہرے کے پیچھے کیسا ناشکرا دماغ تھا جس نے اس خوبصورتی کو ماند کر ڈالا تھا جیسے، شادی کی رات، دلہناپے کے روپ میں لرزتی پلکوں کو اٹھاتی گراتی وہ اسے بس کچھ بھلا گئی تھی، یہاں تک کہ اس کی خود سے نفرت بھی، ورنہ شاید اگر وہ اتنی عجلت کا مظاہرہ نہ کرتا تو وہ بھی اتنی بدگمان نہ ہوئی ہوتی۔

''چلو یار من، میں تیار بھی ہو گئی، زیادہ دیر تو نہیں لگی؟ یہ لباس ٹھیک ہے؟ میں اچھی تو لگ رہی ہوں۔'' وہ سوال پہ سوال کر رہی تھی سر پر سوار ہوتی جا رہی تھی، حمدان چونک گیا، ناگواری سے بھر گیا۔

''صرف تمہیں نہیں جانا، دومنٹ صبر کر لو گی۔'' جھلا کر کہتا وہ وہاں سے چلا گیا، شانزے نہ شرمندہ ہوئی نہ کھسیائی، البتہ کھلی کھڑکی کی جانب ضرور دیکھا، جہاں اب قدر متوجہ تھی، نگاہ چار ہونے پہ بغیر کسی تاثر کے دوسری جانب تکنے لگی، حرم کے پیار بھرے اصرار پہ اس نے بے دلی سے لباس تبدیل کیا، پنک اور آف وائیٹ کنٹراسٹ کا خوب صورت اسٹائلش سوٹ نازک سی چپل بغیر میک اپ کے بھی وہ سب میں نمایاں ہو کر دمکنے لگی۔

''آج شام کو تو ضرور واپس چلے جانا، ورنہ میں یہ مروت زیادہ دیر تک نہیں نبھاؤں گی۔'' وہ ایسے بولی کہ صرف حمدان سن سکا اور گہرا سانس بھر کے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

(باقی اگلے ماہ)

محبت کے رنگ

فوزیہ سرور



''بند کرو یہ مٹر گشت، غضب خدا کا پانچ سو چکر تو ہو چکے ہوں گے۔'' سیما بیگم نے صحن میں ایک دیوار سے دوسری دیوار تک چکر پھیریاں لگاتی انیشہ کو دیکھ کر غضبناک ہو کر جلال میں آ کر گھرکا۔

''زین کو اب تک آ جانا چاہیے تھا امی، کہاں رہ گیا۔'' انیشہ نازک کلائی پر بندھی خوبصورت رسٹ واچ پر نظر دوڑا کر بدستور چکر کاٹتے بے چینی سے گویا ہوئی، ماں کے گھرکنے کا ذرہ برابر بھی اثر نہ تھا۔

''آئے ہائے میرا بچہ فارغ تھوڑی ہے تمہاری طرح، اتنی بڑی کمپنی میں منیجر ہے، کام میں مصروف ہوگا اور یہاں تم اس کے لئے نیا کام نکالے بیٹھی ہو، وہ بھی بالکل بے تکا اور فضول۔'' سلطانہ بیگم سبزی کی ٹوکری تھامے سیما بیگم کے قریب چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بے زاری سے بولیں تو سیما بیگم کا دل سہم کر سکڑا، سلطانہ بیگم ہر گزرتے دن انیشہ کی حرکتوں پر نکتہ چینی کرنے لگی تھیں، انیشہ کے چکر کاٹتے قدموں کو بریک تو چچی کے کام کو بے تکا اور فضول کہنے پر لگ چکی تھی، روئے سخن چچی کی جانب موڑ کر ماں کی گھوریوں کو نظر انداز کر کے بڑے جوش سے بولی۔

''چچی جان میرا کام ہرگز فضول اور بے تکا نہیں ہے، سوچیے کتنوں کا بھلا ہو جائے گا، یہ ہم ہی ہیں جنہوں نے ان بے ایمان لوگوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، منہ میں گھنگنیاں ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں ان کو ان کی بے ایمانی کا احساس تک نہیں دلاتے، وہ مزید شیر ہو جاتے ہیں، نتیجتاً ہم لوگ دن بدن ناقص اور ملاوٹ زدہ اشیاء کے استعمال کی گویا خود کو عادت ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں یہ کہہ کر، اب کیا ہم اتنی سی چیز کے لئے کسی کو جا کر کچھ کہیں، مجھے ایسے بے

مکمل ناول



ایمان لوگوں کو ان کی بے ایمانی کا احساس دلانا ہے، زین کے بیسٹ فرینڈ کے ایس پی ہونے کا عوام الناس کو کچھ تو فائدہ ہونا چاہیے، اب ہم ہی اس ایس پی کو بتائیں گے نا بے ایمانی کہاں ہو رہی ہے؟ لیکن اس سے بھی پہلے ان کو وارن کرنا ضروری ہے تا کہ وہ سنبھل جائیں، میں زین کے ساتھ ان کو وارن کرنے جاؤں گی، میری طبیعت کسی بھی قسم کی بے ایمانی کو ہرگز برداشت نہیں کرتی۔'' نازک کمر پر ہاتھ ٹکا کر انیشہ نے پوری تقریر جھاڑ دی، کچن میں ہنڈیا بھونتی سونیا نے دل ہی دل میں نند کے خیالات کو سراہا۔

''واقعی بے ایمانیوں کے خلاف ایکشن لینا چاہیے۔'' لیکن انیشہ کے جوش خطابت نے برآمدے میں چارپائی پر اپنے بھاری بھرکم وجود سمیت براجمان سلطانہ بیگم اور سیما بیگم پر ناگوار اثر ڈالا، سیما بیگم نے کچا چبا جانے والی نگاہوں سے بیٹی کو گھورا۔

''کم بخت کو آئے روز بے ایمانیاں دور کرنے کا بخار چڑھ جاتا ہے، اتنا قابل پڑھا لکھا، برسر روزگار خوبصورت لڑکا شوہر کے عہدے پر کیا فائز ہو گیا (گو رخصتی نہ ہوئی تھی صرف نکاح ہوا تھا) اس کو لئے لور لور پھرتی رہتی ہے، اب اس کی اماں کے سامنے خطیب اعظم بننے کی کیا تک تھی بھلا۔'' پریشانی تو انہیں انیشہ کی چرچر کرتی زبان سے لاحق ہوگئی تھی، سلطانہ تو ویسے بھی نکاح کے بعد انیشہ سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی، بجائے اس کے سلطانہ کا دل جیتتی اس کو مزید متنفر کرنے پر تلی تھی، اگر سلطانہ نے رشتہ ختم کر دیا گو کہ یہ اتنا آسان نہ تھا، سلطان اور اکرم دونوں بھائیوں میں بہت محبت تھی، انیشہ سلطان کی لاڈلی تھی، لیکن سلطانہ زین کی ماں تھی اور زین جیسا پورے خاندان میں نہ تھا، زین کی نوکری لگنے کے بعد سلطانہ بیگم کے لہجے میں اچھی خاصی رکھائی آچکی تھی، اسی رکھائی کے باعث سیما بیگم کو انیشہ پر تپ چڑھی تھی، سلطانہ بیگم بھی انیشہ کے تقریر جھاڑنے پر سبزی کاٹنا چھوڑ کر ناک کی پھنک پر انگشت شہادت اٹکا کر انیشہ کو دیکھنے لگی۔

''توبہ ہے اس لڑکی کی زبان کے آگے تو خندق ہے۔'' اسی پل کچھ دن پہلے کا واقعہ ان کی یادداشت کے پردے پر لہرایا، محلے کے بچے کو پانچ سو کا نوٹ پکڑا کر انیشہ نے محلے کے واحد ریسٹورنٹ سے زنگر برگر منگوایا، 250 روپے کی قیمت نے ہی انیشہ کو سیخ پا کر دیا، لیکن ضبط کا کڑوا گھونٹ نگل کر جب زنگر برگر کو کھایا تو عجیب ذائقہ، انیشہ نے برگر کے اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیا، مایونیز کی جگہ کیک پر لگانے والی کریم دیکھ کر انیشہ کا خون کھولنے لگا، اسی وقت زین کا انتظار شروع، زین کی آفس ٹائمنگ 9 سے 5 بجے تک تھی، زین جیسے ہی تھکا ہارا گھر لوٹا اسی وقت برگر اسے تھما کر ریسٹورنٹ روانہ کر دیا، زین انیشہ کی بات ٹال جائے یہ ناممکن تھا، زین نے ریسٹورنٹ کے مالک کی اچھی خاصی طبیعت صاف کی پھر شاندار برگر 160 روپے میں بنوا کر انیشہ کے لئے لایا، انیشہ کے 250 روپے ریسٹورنٹ کے مالک سے نکلوا کر انیشہ کو لا دیئے، اس ساری تگ و دو میں سلطانہ بیگم بڑبڑا کر اپنا غصہ ضرور کرتی رہی تھیں اور آج ایک نئی پخ، یہ زین کو سکون لینے دے گی یا نہیں، انیشہ کو دونوں خواتین کے اپنی ہی باتوں کے زیر اثر چہرے کے بگڑے تاثرات ایک ہی جگہ فریز کر چکے تھے، سلطانہ بیگم کی سرد نگاہیں تو سیما بیگم کی شرر باز نگاہیں انیشہ اچھی خاصی بوکھلا گئی۔

''سنو بی بی۔'' سلطانہ بیگم کا ٹھنڈا ٹھار اجنبیت سے پر لہجہ۔

''زین خود ایس پی نہیں ہے جو تم اسے زمانے کو سیدھا کرنے گھمائے پھرتی ہو، احمد بھی کسی دن تنگ آ کر زین سے دوستی ختم کر دے گا، پھر تمہیں ٹھنڈ پڑ جائے گی اب یہ کوئی کام ہے جس کے لئے تم زین کا انتظار گھنٹے بھر سے کر رہی ہو۔'' انیشہ کی نگاہ کونے پر جا ٹھہری، اشتعال نئے سرے سے امڈ آیا، زیرلب بڑبڑائی۔

''چچی یہ کام تو بہت ضروری ہے۔'' لیکن اس کی بڑبڑاہٹوں کا سیما بیگم کی جلالی نگاہوں نے وہیں گلا گھونٹ دیا۔

ماں کی نگاہوں کا مفہوم بھانپ کر اپنے لہجے کو شہد میں گویا ڈبکی لگوائی، اور شہد آگیں لہجے اور مودب انداز میں بولی۔

''اف چچی جان، میرے ہوتے ہوئے آپ کام کریں ہرگز نہیں، لائیں چھری میں سبزی بنا دوں، بلکہ میں پکا بھی دوں گی۔'' مودب انداز میں رخنہ تب پڑا جب انیشہ نے چھری سلطانہ بیگم کے نہ دینے پر تقریباً چھینی اور سبزی کی ٹوکری لئے گیٹ کے عین سامنے برآمدے کی دو عدد سیڑھیوں پر براجمان ہوگئی۔

برآمدہ صحن سے قدرے اونچا تھا، سلطانہ بیگم ہکا بکا انیشہ کی تیزی ملاحظہ کرتی رہ گئی، سیما بیگم سر پکڑے محض دانت کچکچا کر رہ گئی۔

''اس لڑکی کو تو عقل چھو کر بھی نہیں گزری، کیا ہوگا اس کا؟'' سبزی کاٹتی انیشہ کی نظر پھر کونے کی جانب اٹھی تو غم و غصے کی لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی، غصہ نازک ہاتھوں میں حلول ہو کر سبزی کے سر پیر گردن شدت سے کاٹنے لگا، زین کے انتظار نے پھر ذہن پر یلغار کی، موبائل رکھنے کی امی ابو نے اجازت نہ دی تھی ورنہ زین کا موبائل انیشہ کی لاتعداد کالز کی بھرمار سہہ نہ پاتا اور شہید ہو جاتا زین کے ہاتھوں، انیشہ نے چپکے سے چچی جان کے تاثرات ملاحظہ کرنے کی غرض سے ان کی جانب دیکھا، چچی کی نگاہیں خود پر مرکوز پا کر جھٹ سبزی کی جانب توجہ مبذول کر لی، اپنی معصوم فطرت کے باعث وہ جان ہی نہ پائی چچی کی نگاہوں کا تاثر عجیب سا تھا، لیکن سیما بیگم کے دل کو پنکھے لگ گئے تھے، دیورانی کے انداز پر۔

''آج ہی اکرم صاحب سے رخصتی کے متعلق بات کرتی ہوں۔'' ارادہ باندھتی وہ خود کو پر سکون کرنے کی سعی کرنے لگیں۔

☆☆☆

سات بج گئے لیکن زین کی آمد نہ ہوئی، سردیاں دھیرے دھیرے اپنے پنکھ سمیٹ رہی تھیں، لیکن فضا میں ہنوز ٹھنڈک رچی تھی، سات بجے خاصا تاریکی کا سماں ابھی بھی بندھ جاتا تھا، ماہ فروری اختتام کی جانب گامزن تھا، انیشہ نے کھانا پکایا، چچا چچی نے کھا بھی لیا، ان کو چائے دے کر انیشہ پھر صحن میں چکر کاٹنے لگی، سیما بیگم اور اکرم صاحب اپنے کمرے میں محو گفتگو تھے، سونیا اور شہرام اپنے دو عدد بیٹوں کے ساتھ کھیل میں مگن تھے، صرف انیشہ کے اندر سکون نہیں تھا، اسے شدت سے زین کا انتظار تھا، انیشہ کو انتظار سے کوفت ہونے لگی تھی، پیر پٹختی کبھی گیٹ کی جانب جاتی کبھی پلٹ آتی، کبھی کونے کی طرف کینہ توز نگاہوں سے دیکھنے لگتی، سلطانہ بیگم کو بھی اب زین کا انتظار تھا، وہ بالکونی میں آ بیٹھیں، زین کو کھانا دے کر ہی اب کمرے میں جانا تھا انہیں، انیشہ اپنی ہی انتظار کی کوفت میں مبتلا سلطانہ بیگم کی بالکونی میں آمد کو جان نہ پائی اور پیر پٹختے گیٹ کی طرف جانے اور واپس آنے کی سرگرمی جاری رکھی۔

سلطانہ بیگم نے بغور انیشہ کے انداز کو جانچا،

انہیں انیشہ کے طور طریقے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے، وہ تو انیشہ سے زین کے نکاح پر کسی طور راضی نہ تھیں، ان کی بھانجی روحا ان کی بہو بنے یہ ان کی خواہش تھی، لیکن زین کی ضد کہ انیشہ نہیں تو کوئی نہیں، انہیں اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے، زین کے ابو سلطان بھی اپنی بھتیجی کا رشتہ لینے کے حق میں تھے، لیکن نکاح کے بعد انیشہ کی دن بدن بڑھتی بے تکی حرکتوں سے انہیں چڑ ہونے لگی حالانکہ اگر وہ دل میں وسعت رکھتیں تو سوچتیں انیشہ تو بچپن سے ہی زین کے ساتھ بہت زیادہ اٹیچ ہے، انہیں انیشہ کا زین پر حق جتانا وہ بھی شادی سے پہلے قطعاً گوارا نہ تھا، اپنی ہی زہر آلود سوچوں میں غلطاں وہ تب چونکیں جب گیٹ پر دستک ہوئی، وہ دستک سے ہی جان گئیں زین ہے، کیونکہ زین اگر زیادہ لیٹ ہو جائے تو بیل نہیں بجاتا تھا، وہ جانتی تھیں، انیشہ کو سرعت سے گیٹ کی جانب بڑھتا دیکھ کر وہ نئے سرے سے کھولنے لگیں۔

''تم اتنی لیٹ کیوں آئے ہو۔'' زین جونہی ذیلی گیٹ سے اندر داخل ہوا، انیشہ نے کمر پر لڑاکا انداز میں ہاتھ رکھ کر تقریباً غصے سے استفسار کیا، زین جو آٹھ بجے تھکا ہارا گھر لوٹا تھا انیشہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ساری تھکن ہوا ہو گئی، لبوں پر دلفریب مسکراہٹ، نگاہوں میں محبت بھری نرمی بھر گئی۔

انیشہ اپنے غصیلے انداز کے جواب میں زین کے چہرے پر اترتے محبت کے رنگوں پر سٹپٹا گئی، الفاظ گویا کہیں منہ چھپانے لگے۔

''اب بولتی کیوں بند ہو گئی، ویسے بہت اچھا لگا انیشہ اکرم کو اپنی راہ دیکھتے دیکھ کر۔'' زین کی گمبھیر سرگوشی، انیشہ کے حواس مختل کر گئی، نظریں بے اختیار حیا کے بار تلے جھک گئیں، لیکن دوسرے ہی پل زین کی بات پر تڑپ کر سر اٹھایا۔

''بھلا ہو ان بے ایمان لوگوں کا جو اپنی بے ایمانیوں کے باعث انیشہ کو میری راہ دیکھنے میں لگا دیتے ہیں، اب کیا حکم ہے میرے لئے، کس کی کمبختی آئی ہے۔'' زین کی نگاہوں میں شرارت تھی، بالکونی میں کرسی پر براجمان سلطانہ بیگم دونوں کو قریب دیکھ کر تنفر سے بڑبڑائیں۔

''ذرا جو شرم لحاظ ہو اس لڑکی میں، سارے افراد کمروں میں بند ہیں اور یہ دیدہ ہوائی سے زین کے سامنے کھڑی باتیں بگھارنے میں مشغول، اماں باوا کو فکر ہی نہیں بیٹی کو شتر بے مہار چھوڑ رکھا ہے۔'' اب انہیں زین کے اوپر آنے کا شدت سے انتظار تھا جو انیشہ کی جانب پوری طرح متوجہ تھا، انیشہ کی خاموشی پر زین نے محبت سے پچکار کر انیشہ کو مخاطب کیا۔

''انیشہ اب بولو گی یا تمہیں دیکھتے دیکھتے رات بتا دوں یہیں۔'' زین، انیشہ کی پکار میں دبا دبا غصہ پنہاں تھا۔

''جی زین کی جان۔'' زین شوخ ہوا، انیشہ نے اس کے انداز دلبرائی پر کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا۔

''شرم کرو کچھ، ایک تو لیٹ آئے ہو اور اب مجھے تنگ کر رہے ہو۔'' تروٹھے پن سے شکوہ کیا گیا۔

''او کے میڈم انیشہ، اب آپ بتائیں میرا انتظار کسی خوشی میں فرمایا جا رہا تھا۔'' زین جانتا تھا انیشہ کے انتظار کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے، اب اسے وہی وجہ جاننا تھی۔

''وہ کونے میں دیکھو۔'' انیشہ اصل مدعا پر آئی، زین کی نگاہ کونے پر جا ٹکی۔

''کیا ہے وہاں؟'' زین نے نا سمجھی سے استفسار کیا۔

''اف۔'' کیا زین واقعی نہ سمجھا تھا، انیشہ نے جھنجلا کر نازک ہاتھ ماتھے پر مارا۔

''پھول جاڑو دیکھو، دیکھ لی پھول جھاڑو اب۔'' زین کو انیشہ کی دماغی حالت پر اب کچھ شک ہوا۔

''اب جھاڑو دکھانے کی بھلا کیا تک اس پھول جھاڑو کا ہی تو مسئلہ ہے۔'' انیشہ نے بالآخر بلی تھیلے سے باہر نکالی، زین نے بغور جھاڑو کا جائزہ لیا، ٹنڈ منڈ سی جھاڑو پھینکنے کے قابل تھی، استفہامیہ نگاہیں انیشہ پر ٹکا کر استفسار کیا۔

''کیا مسئلہ ہے؟''

''میں امی کے ساتھ ہفتہ کے دن بازار گئی تھی، پورے 200 روپے کرایہ خرچ ہوا آنے جانے میں۔''

''تو۔'' زین نے بھنویں اچکائیں۔

''تو کیا یہ جھاڑو امی نے مشہور مارٹ سے لی، اتنی مہنگی دی، ایک روپیہ نہیں کیا اس گھامڑ مالک نے پورے 250 روپے لئے اس جھاڑو کے، اس جھاڑو کی حالت دیکھو، ہفتہ کو خریدی تھی، اتوار گزرا اور آج پیر ہے، اتنی بدتمیزی جھاڑو، بجائے گھر کا گند اکٹھا کرتی پہلے دن ہی اپنا گند پھیلانا شروع کر دیا، آج تو بالکل ہی ٹنڈ منڈ ہوگئی اور میرے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہوگیا، اب جب تک یہ جھاڑو مارٹ کے گنجے کے سر پر نہ دے ماروں مجھے چین نہیں ملنا، اسے سبق سکھانا بھی لازم ہے تاکہ آئندہ کسی بھی گاہک کے ساتھ بے ایمانی کی جرأت نہ کرے، قیمت اعلیٰ لی اور چیز ناقص ترین، ان کی خبر نہ لی جائے تو ان کو تو کھلی چھوٹ مل جائے گی، ناقص اشیاء مہنگے داموں بیچ کر عوام کا خون چوستے رہیں گے، مجھے یہ سب گوارا نہیں۔'' انیشہ جذباتی ہو کر بولتی چلی گئی۔

''بات تو تمہاری سو فیصد ٹھیک ہے انیشہ، لیکن اب رات کافی ہوگئی ہے۔'' وہ مارٹ تو بند ہو چکا ہوگا، زین نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی، آٹھ سے اوپر ٹائم ہو چکا تھا۔

''نہیں بند ہوا ہوگا ہم لاہور میں رہتے ہیں، چیچو کی ملیاں نہیں، آج کل تو بازاروں میں لوگوں کی آمد و رفت ہی رات کو شروع ہوتی ہے، دن کو رش تو نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔'' انیشہ کو ابھی جانا تھا تو بس ابھی جانا تھا، رہی بات زین کی تھکاوٹ کی تو زین کی تھکاوٹ تو انیشہ کو دیکھتے ہی رفو چکر ہو جاتی تھی۔

''او کے چینج کر لوں پھر چلتے ہیں۔'' زین نے محبت سے کہا۔

انیشہ اس کی محبت تھی، اس کی بات کو رد کرنا زین کے دل کے بس میں نہ تھا۔

''نہیں ابھی چلو۔'' انیشہ ٹھنکی، زین اس کے بچگانہ انداز پر مسکرا اٹھا۔

''او کے جناب جو حکم چلیں۔'' انیشہ نے جھٹ جھاڑو پکڑ لی، زین انیشہ کو لئے گیٹ سے باہر نکلا، گاڑی اس نے حال ہی میں خریدی تھی، کمپنی کی طرف سے ملنے میں ابھی کچھ دیر تھی، سو اپنی خرید لی، دونوں گاڑی میں بیٹھے محو سفر تھے، جبکہ بالکونی میں بیٹھی سلطانہ بیگم کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ چکا تھا، انیشہ نے زین کو اپنے ساتھ لے جا کر ہی دم لیا تھا، ان کی برداشت سے بڑھ کر تھا یہ سب۔

انیشہ ہاتھ میں ٹنڈ منڈ پھول جھاڑو پکڑے مارٹ میں داخل ہوئی، مارٹ میں معمول سے زیادہ رش تھا، مارٹ کے سامنے زین گاڑی لاک کر کے مارٹ میں داخل ہوا تو انیشہ کاؤنٹر کی طرف جاتی دکھائی دی، زین اس کی طرف بڑھا، انیشہ نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر جھاڑو پٹخنے والے انداز میں پھینکا، کاؤنٹر کی جانب بڑھتے

زین نے بمشکل مسکراہٹ کا گلا گھونٹا، کیونکہ جھاڑو کاؤنٹر کی دوسری جانب آگے کی طرف جھک کر بیٹھے آدمی کے چہرے پر لگی، وہ انیشہ ہی کیا جو مزہ نہ چکھائے بے ایمان کا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' مالک بھڑک اٹھا انیشہ کی اس حرکت پر، جبکہ انیشہ پرسکون انداز میں کھڑی رہی جانتی تھی زین ساتھ ہے، خود ہی نبٹ لے گا۔

''مسٹر پرسکون رہیے۔'' سرد لہجے میں زین بولا تو مارٹ کے مالک کی نظر خوبصورت ہینڈسم نوجوان کی طرف اٹھ گئی، انیشہ سے کوئی سخت لہجے میں بات کرے زین سے بھلا کب برداشت تھا۔

''تو آپ ان محترمہ کے ساتھ ہیں، ان کو جھاڑو یوں کاؤنٹر پر پھینکنے کی جرأت کیونکر ہوئی اب آپ جیسا بدتمیز انسان ہی مجھے آگاہ کر دے۔'' جھاڑو کاؤنٹر سے نیچے انیشہ کے قدموں میں پھینکتے مارٹ کے گنجے مالک نے سرد قہر بھرے انداز میں طنزاً استفسار کیا، انیشہ نے جھاڑو اٹھا کر دوبارہ کاؤنٹر پر پٹخی اور اپنے چھوٹے سے والٹ سے بل نکال کر کاؤنٹر پر رکھا۔

''یہ جھاڑو آپ کے مارٹ سے خریدی گئی ہے، یہ بل ہے اس کے اوپر درج تاریخ دیکھ لیں، دو دن میں یہ جھاڑو خود کوڑا بن گئی، 250 روپے کا جھاڑو اور اتنا ناقص۔'' انیشہ نے آواز دانستہ بلند رکھی تا کہ مارٹ کے اندر خرید و فروخت کرتے افراد جانچ پڑتال کر کے اشیاء خریدیں، زین سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا، مارٹ کے مالک کا منہ انیشہ بند کر چکی تھی، اسے آگاہ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی۔

''دیکھیے محترمہ۔'' لہجے کے کسے پیچ خود بخود ڈھیلے ہو گئے تھے۔

''مان لیا یہ جھاڑو آپ لے کر گئیں ہمارے مارٹ سے، کوئی مسئلہ نہیں ہم آپ کو نئی جھاڑو دے دیتے ہیں، وہ جھاڑو بھی یقیناً ایسا ہی ہوگا۔''

''حد ہوتی ہے بے ایمانی کی، قیمت اعلیٰ لیتے ہیں اور چیز ناقص پکڑا دیتے ہیں یا قیمت بھی کم رکھیں، دکاندار کو اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے، چیز کی کوالٹی کا، پھر یہ سب کیوں، اب کیا ہم بازار کے چکر ہی لگاتے رہیں۔'' انیشہ بلند آواز میں غرائی، گاہک بھی متوجہ ہونے لگے تو مارٹ کے مالک کو اس لڑکی پر بری طرح تپ چڑھی۔

''دیکھیے محترمہ کہہ جو دیا غلطی ہو گئی، نئی جھاڑو لیں اور جائیں یہاں سے۔'' دھیمے لہجے میں غصے کی آنچ تھی، زین مارٹ کے مالک کے انداز پر کھول گیا۔

''سب کی سب جھاڑو ناقص۔'' زین نے غصیلی نگاہوں سے مالک کو دیکھا۔

''میں چاہوں تو ابھی تمہارا مارٹ سیل کروا دوں، چیز خواہ ایک روپے کی کیوں نہ ہو، اس کو بیچتے ہوئے بھی ایمانداری شرط ہے، ابھی صرف تمہیں وارن کر رہا ہوں، اگر آئندہ کسی بھی گاہک سے بے ایمانی کی کوشش کی تو یہ مارٹ اسی وقت سیل ہو جائے گا سمجھے۔'' زین کی رعب دار آواز مارٹ میں گونجی، خریداری میں مصروف لوگوں نے اشیاء کی کوالٹی دوبارہ پرکھنی شروع کر دی، کچھ لوگ تو مارٹ سے نکل گئے، مارٹ کا مالک بت بنا کھڑا تھا، یہ صورتحال خاصی پریشان کن تھی۔

''کہیں یہ بندہ پولیس کا تو نہیں۔'' یہی خوف لاحق تھا اس کو۔

''انسان بھی کتنا عجیب ہے انسان کے اونچے عہدوں سے ڈرتا ہے لیکن اللہ سے نہیں ڈرتا جو قادر مطلق ہے، حرام کماتے ہوئے اس پاک ذات کو فراموش کر دیتا ہے، رقم واپس کرو جھاڑو کی۔'' زین نے بت بنے مالک کو رعب

سے حکم دیا، مارٹ کے مالک نے بلا چوں چرا 250 روپے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیئے، انیشہ جو پر سکون انداز میں ساری صورتحال ملاحظہ کر رہی تھی، بول اٹھی۔

''200 روپے مزید دیں۔''

''وہ کس لئے؟'' مارٹ کا مالک برا پھنسا تھا، اسے گاہکوں کی ٹینشن کھائے جا رہی تھی، یہ آفت ٹلنے کو تیار نہ تھی۔

''ہمارا آنے جانے کا کرایہ۔'' انیشہ سکون سے کہہ کر مارٹ کے مالک کو بے سکون کیا۔

''تو کیا آپ صرف گھر سے جھاڑو لینے ہی بازار آئی تھیں، کچھ اور بھی تو خریدا ہو گا۔'' مارٹ کے مالک نے دانت پیس کر کہا، زین کو اس کی حالت پر ہنسی آئی جسے روکنے کی اس نے زحمت نہ کی۔

''بے شک ہم نے بہت سی چیزیں خریدی تھیں لیکن بازار میں دوبارہ چکر صرف اس جھاڑو کی وجہ سے ہی لگا ہے ہمارا۔'' بادل نخواستہ مالک کو 200 روپے مزید کاؤنٹر پر رکھنا پڑے، چار سو پچاس روپے اٹھا کر انیشہ نے والٹ میں رکھے اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، زین بھی انیشہ کے ہم قدم ہو گیا، دونوں جونہی مارٹ سے باہر نکلے، سڑک کے دوسری جانب آئس کریم پارلر دیکھ کر انیشہ کا آئس کریم کے لئے جی للچانے لگا، زین کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

''زین آئس کریم۔''

''اچھا ندیدی ابھی کھلاتا ہوں، صرف آئس کریم ہی نہیں شاپنگ بھی کرواؤں گا۔'' زین نے خاتم طائی کی قبر پر لات ماری، انیشہ نے خوشی سے زین کا بازو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

''سچ زین؟''

''بالکل سو فیصد سچ، کیا تمہیں شک تھا۔'' انیشہ کو احتیاط سے لئے سڑک کراس کرتا زین بولا۔

''ہر گز نہیں، مجھے تو تم پر خود سے بڑھ کر یقین ہے۔'' انیشہ مسکرا کر محبت سے بولی، محبت کا رشتہ دونوں کے دلوں کو مضبوط ڈور میں باندھے ہوئے تھا، انیشہ کو ہمیشہ زین کی محبت پر فخر محسوس ہوتا تھا وہ فخر اب بھی شدت سے محسوس ہوا تھا۔

ادھر گھر میں سلطانہ بیگم جلے پیر کی بلی کی طرح صحن میں چکر کاٹ رہی تھیں، دو گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی دونوں کی واپسی نہ ہوئی تھی۔

''زین کو تو سیدھا کر کے رکھ دوں گی، ماں انتظار میں سوکھ رہی ہے، وہ چھٹانک بھر کی لڑکی کیسے صاحبزادے کو اپنی انگلیوں پر نچا رہی ہے۔'' ان کے اپنے نوکیا موبائل میں بیلنس حسب معمول نہیں تھا، سلطان صاحب کا چچ موبائل انہیں استعمال کرنا نہ آتا تھا، سیما بیگم اور اکرم صاحب کے بند کمرے کو سلگ کر دیکھا کیسے آرام سے سو رہے ہیں، بیٹی کہاں ہے، کوئی خیر خبر رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، وہ اپنی نفرت و بے زاری میں بھولنے لگی تھیں، زین پر دونوں میاں بیوی آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتے تھے، زین انیشہ کے ساتھ تو کا ہے کی فکر ساتھ پل کر جوان ہوئے تھے اور زین کا انیشہ سے نکاح ہوا تھا کون سا نا محرم تھا زین انیشہ کے لئے، سلطانہ بیگم کی سوچوں کے دھارے جب سے منفی رخ بہنے لگے تھے وہ یونہی سب کو خیالوں ہی خیالوں میں کٹہرے میں کھڑا کرنے لگی تھیں، برآمدے سے گزر کر کچن کی جانب جاتی سونیا نے تحیر سے چچی ساس کو دیکھا۔

''چچی جان اب آپ ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی ہیں خیریت تو ہے، پہلے انیشہ نے چکر کاٹ کاٹ کر صحن کو تھکا دیا ہو گا۔'' سونیا نے اپنی

نرم سریلی آواز میں ازراہ شگفتگی سلطانہ بیگم کو مخاطب کیا، اپنی ہی سوچوں کے پیچ وخم میں الجھی سلطانہ بیگم نے یک لخت رک کر آواز کی سمت دیکھا، سونیا استفہامیہ تاثرات چہرے پر سجائے انہی کی جانب متوجہ تھی، سلطانہ بیگم کو گویا سامع درکار تھا یا اپنی ناگواری ظاہر کرنا مقصود تھی، وہ پھٹ پڑیں۔

''تمہاری نند انیشہ کی ہڈی میں سکون نہیں ہے، زین کو دو گھڑی سکون سے بیٹھنے نہیں دیا ماں کے پاس، گیٹ سے ہی لے کر چل دی بے ایمانی کرنے والوں کو مزہ چکھانے، حد ہو گئی بھئی۔'' سونیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''چچی جان غصہ کیوں کرتی ہیں، انیشہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی پیسے کوئی درختوں پر تو نہیں اگتے اگر ان دکانداروں کے منہ پر نہ چیزیں ماری جائیں تو ان کو اپنی بے ایمانیوں کا احساس تک نہ ہو۔'' سونیا دھیمے لہجے میں بولی۔

''جن کے دل آئینے کی طرح شفاف ہوں، بدگمانی گرد نے دل کے آئینے کو آلودہ نہ کر رکھا ہو، وہ بات کو مثبت پیرائے میں لینے کے عادی ہوتے ہیں۔'' سونیا نے بھی سلطانہ بیگم کی بات کو دل پر محسوس نہ کیا تھا، انیشہ اس کی نند تھی لیکن بہنوں سے بڑھ کر عزیز تھی اسے، اس کے مزاج میں چلبلا پن تھا، ٹکی بیٹھتی نہ تھی، رونق لگائے رکھتی گھر میں۔

''اونہہ آ لینے دو دونوں کو ذرا، ٹانگیں توڑ دوں گی انیشہ کی۔'' سلطانہ بیگم نے تنفر سے سر جھٹکا، سونیا نے تحیر سے ان کے لہجے میں چھپی نفرت کو محسوس کیا، انہیں غصہ کس بات کا تھا، انیشہ اور زین جب سے وہ اس گھر میں بیاہ کر آئی تھی، یونہی رہتے تھے، انیشہ تب بھی زین کے ساتھ چلی جاتی تھی، آخر وجہ کیا ہے؟ سونیا کے دل میں خدشے کے ناگ نے اپنا پھن اٹھایا لیکن صاف دل سونیا نے سختی سے پھن کچل دیا۔

''ماں ہیں غصہ کرنا حق ہے ان کا۔'' سر جھٹک کر کچن کی جانب چل دی اسے تین ماہ کے بیٹے کے لئے دودھ گرم کر کے فیڈر بنانا تھا، سلطانہ بیگم برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر زین اور انیشہ کا انتظار کرنے لگیں۔

☆☆☆

اکرم اور سلطان دونوں بھائی پانچ مرلے کے گھر کی بالائی اور نچلی منزل پر رہائش پذیر تھے، اکرم سلطان سے تین برس بڑے تھے، لیکن دونوں بھائیوں کی شادیاں ایک ساتھ ہوئیں، بالائی منزل پہ سلطان اور نچلی منزل پر اکرم صاحب اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے، اکرم صاحب کی بیوی سیما بیگم کم پڑھی لکھی خاتون تھیں، شہرام ان کی پہلی اولاد تھا، سلطان صاحب کے ہاں شادی کے پانچ سال بعد اولاد ہوئی، زین العابدین ان کی اکلوتی اولاد تھا، زین کی پیدائش سے سال بعد انیشہ نے سیما بیگم کی گود میں آنکھ کھولی، یوں بچپن سے ہی انیشہ اور زین ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کود کر جوانی کی دہلیز تک آ پہنچے، بچپن کی محبت نے روپ بدلا اور زین اور انیشہ کے دل میں محبت کی اٹوٹ ڈور میں بندھ گئے، شہرام کو پڑھنے لکھنے کا قطعاً شوق نہ تھا، اس نے میٹرک کے بعد تعلیمی سلسلے کو خیر باد کہہ دیا، اکرم اور سلطان کی برتنوں کی الگ الگ دکانیں تھیں، شہرام میٹرک کے بعد اکرم صاحب کے ساتھ دکان پر جانے لگا، سلطان صاحب کی بیوی گو کہ سرے سے پڑھی لکھی نہ تھی لیکن زین کو پڑھانے کا شوق بے حد زیادہ تھا، زین کو خود بھی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، یوں زین کے جنون نے اسے ایم بی اے کروا دیا، انیشہ نے بی

اے کیا تو سیما بیگم نے مزید تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں کہہ کر انیشہ کو گھر بٹھا لیا کہ گھر کے کام کاج کرو اب، سیما بیگم نے شہرام کی شادی اپنے خاندان میں دور پرے کی رشتہ داروں میں کر دی، سونیا بہت محبت کرنے والی اور سگھڑ بہو ثابت ہوئی، شہرام کے دو بیٹے ریان اور سبحان تھے، ریان دو سال کا اور سبحان تین ماہ کا تھا، سلطانہ بیگم نے زین کے لئے روحا اپنی بھانجی کا انتخاب کیا، ان کی ایک ہی بہن سعیدہ تھیں جو اسی شہر میں رہتی تھیں، لیکن زین نے انیشہ سے ہی شادی کرنے کی ضد کی، سلطان صاحب بھی اس کے ہمنوا ہو گئے تو سلطانہ بیگم کو اپنی خواہش سے دستبردار ہونا پڑا، زین نے نوکری ملنے کا بھی انتظار نہ کیا، باپ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کر دیا، یوں انیشہ اور زین نکاح کے بندھن میں بندھ گئے، اکرم صاحب اور سیما بیگم خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، بیٹی نظروں کے سامنے رہتی اور زین جیسا لڑکا تو انہیں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا، عید کے بعد ان کی رخصتی کا ارادہ تھا، سیما بیگم کافی کچھ جمع کر چکی تھیں جہیز کے لئے، عید آنے میں تین ماہ رہ گئے تھے، لیکن گھر کے در و دیوار سے محبت اور خوشیوں کے رنگ پھیکے پڑنے لگے تھے، کسی اور کو محسوس ہوا نہ ہو لیکن سیما بیگم کو سلطانہ بیگم کے انداز میں انیشہ کے لئے رکھائی محسوس ہونے لگی تھی، وہ انیشہ کو بہترا سمجھاتی تھیں لیکن انیشہ ایک کان سے سنتی دوسرے سے اڑا دیتی۔

گو کہ گھر کے کام کاج میں طاق تھی لیکن پھر بھی سلطانہ بیگم کو اس کی شوخیاں زہر لگتی تھیں، انیشہ گر جان جاتی سلطانہ بیگم کے ذہن میں کون سے عزائم پنپ رہے ہیں تو وہ اپنی شوخیوں شرارتوں کا گلا اپنے ہاتھوں گھونٹ دیتی۔

☆☆☆

سلطانہ بیگم کی منتظر نگاہیں گیٹ پر مرکوز تھیں، چہرے کے زاویے بری طرح بگڑے تھے، سلطانہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا، وہ انیشہ کی صراحی دار گردن اپنے ہاتھوں سے مروڑ دے، سونیا فیڈر بنا کر کچن سے باہر نکلی تو سلطانہ بیگم کے چہرے پر خطرناک تاثرات رقم دیکھ کر بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں چلی گئی، اسی وقت گاڑی گیٹ کے قریب رکنے کی آواز آئی، سلطانہ بیگم میزائل کی طرح اڑتی ہوئیں گیٹ کی جانب لپکیں، گیٹ کھولا تو انیشہ کو فرنٹ سیٹ پر براجمان دیکھ آنکھوں میں خون اتر آیا، انیشہ کے چہرے پر محبت کے رنگ بکھرے تھے، زین العابدین کا چہرہ بھی اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا، زین نے گاڑی گھر کے اندر کھڑی کی، ہنستی مسکراتی انیشہ شاپنگ بیگ تھامے چچی کی طرف بڑھی، اپنی خوشی میں چچی کے رویے کو اس نے محسوس ہی نہ کیا تھا۔

''چچی جان یہ دیکھیں زین نے مجھے شاپنگ کروائی۔'' سلطانہ بیگم نے پورے ہاتھ کی قوت سے شاپنگ بیگ دور پھینکا۔

''کچھ شرم لحاظ ہے تم میں تمہارے تو دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔'' آواز غصے کے باعث بلند ہو گئی سیما بیگم جو اکرم صاحب کے ساتھ رخصتی کی بات کر چکی تھیں، ان کا جواب بھی یہی تھا، شادی عید کے بعد ہی ہو گی، اکرم صاحب تو اپنا فیصلہ سنا کر سو چکے تھے لیکن وہ ابھی تک جاگ رہی تھیں، انہیں انیشہ کے زین کے ساتھ جانے کا علم تھا، وہ انیشہ کو ہزار بار سمجھا چکی تھیں۔

''شادی تک زین سے فاصلہ رکھو۔'' لیکن بچپن سے وہ زین کی عادی تھی، جب تک وہ زین سے اپنی پریشانی شیئر نہ کر لیتی اور زین کے ساتھ

مل کر اس کا سدباب نہ کر لیتی، اسے چین ہی نہ ملتا تھا، اب بھی سلطانہ بیگم کی غصیلی آواز پر وہ پریشانی سے اٹھ کر دروازے تک آئیں پھر ٹھہر گئیں، سلطانہ بیگم کی زہریلی باتوں پر جہاں انیشہ سن کھڑی رہ گئی وہیں زین بھی ہکا بکا رہ گیا۔

''امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' زین کے لہجے میں دکھ بھری بے یقینی تھی۔

''شاباش ہے بیٹا، ابھی سے غلامی کی زنجیریں پہن لیں تم نے، ماں تو تمہیں نظر نہیں آتی، یہ چھٹنکی بھر لڑکی تجھے فوراً نظر آ جاتی ہے۔'' سلطانہ بیگم کا پارہ ہائی ہوئے جا رہا تھا، زین ان کے غصے کی وجہ سمجھنے سے قاصر۔

''آخر امی کے اتنے شدید ردعمل کی وجہ کیا ہے؟ امی جانتی بھی ہیں انیشہ میرے لئے کیا ہے؟ میرے بچپن سے جوانی تک پروان چڑھی محبت، اب بت کیوں بن گئے ہو چلو اوپر اور تم بھی شکل گم کرو اپنی۔'' زین کو حکم صادر کرتے وہ انیشہ سے سخت لہجے میں بولیں، انیشہ تو حیرت و دکھ کے مجسمے میں ڈھل گئی، چچی جان کا ایسا روپ، اس کی خوبصورت آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں، زین کے دل کو پوری شدت سے تکلیف نے جکڑا، لیکن اس پل وہ مزید سلطانہ بیگم کے ہاتھوں انیشہ کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، نگاہوں ہی نگاہوں میں انیشہ کو محبت بھرا اشارہ کیا، انیشہ نے روتے روتے سر اثبات میں ہلا دیا، سلطانہ بیگم قہر بھری نگاہ انیشہ پر ڈال کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی، زین نے انیشہ کو کمرے میں جانے کا اشارہ کیا، دور گرا شاپر بیگ اٹھا کر انیشہ خاموشی سے کمرے کی جانب بڑھ گئی، زین پر سوچ انداز میں انیشہ کو دیکھتا سیڑھیوں کی جانب بڑھا، زین اور انیشہ دونوں ہی آنے والے حالات سے انجان تھے، سلطانہ بیگم جو کچھ سوچ بیٹھی تھیں اب انہیں اس پر عمل درآمد کرنا تھا۔

☆☆☆

سلطان صاحب کو پیاس محسوس ہوئی تو سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور تین سانس میں پانی ختم کیا ہی تھا کہ اسی وقت سلطانہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

''خیریت تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔'' سلطان صاحب نے اچنبھے سے استفسار کیا، اپنی پیاس کی شدت میں انہوں نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پر نگاہ ہی نہ ڈالی تھی وگرنہ وہ سلطانہ بیگم کی کمرے میں غیر موجودگی جان جاتے، سلطانہ بیگم کا پہلے ہی نفرت اور غصے سے برا حال تھا، زین کمرے میں گیا تو وہ اپنے کمرے میں آئی تھیں، سلطان صاحب کے استفسار پر جواباً تڑخ کر بولی۔

''تمہاری بھتیجی کی حرکتیں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔'' پھر خوب مرچ مصالحہ لگا کر پوری بات سلطان صاحب کے گوش گزار کی، سلطان صاحب نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

''میں سمجھاؤں گا دونوں کو، تم اتنا غصہ نہ کرو، انیشہ میں بچپنا ہے، شادی کے بعد سمجھدار ہو جائے گی۔'' سلطان صاحب نے بیوی کو ٹھنڈا کرنا چاہا، وہ ٹھنڈی تو کیا ہوتیں الٹا مزید کھولنے لگیں شادی کی بات پر، چبھتی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا، ذہن میں زہر خند سوچیں پھیلنے لگیں۔

''اونہہ شادی ہو گی تب نا، اب تو شادی ہرگز نہیں ہونے دوں گی خواہ کچھ بھی ہو جائے، میرا بیٹا شادی ہونے سے پہلے ہی ماں سے غافل کر دیا، شادی کے بعد تو اس کی صورت دیکھنے سے بھی جاؤں گی۔'' اسی سوچ نے سلطانہ بیگم کو سازشوں کے جنگل میں دھکیل دیا، اب انہیں ان دونوں بھائیوں کے درمیان محبت کی ڈور کو مکاری

اور سازش کی قینچی سے بے دردی سے کاٹنا تھا، پھر کیسے ختم نہیں ہوگا یہ رشتہ، زہریلے انداز میں سوچتیں وہ بیڈ کی جانب بڑھیں۔

دن پر لگا کر اڑتے رہے، سلطانہ بیگم کو تاحال کسی بھی سازش میں کامیابی نہیں ملی تھی، رمضان کا مقدس مہینہ بیس دن کی مسافت پر رہ گیا تھا، عید کے بعد شادی تھی، ان پر ہمہ وقت جھنجلاہٹ طاری رہتی، دن اتنی تیزی سے گزر گئے تھے تو اور معاملہ جوں کا توں تھا، روزانہ سیدہ سے موبائل پر بات ہوتی، سعیدہ اور سلطانہ بیگم کا اب ایک ہی مقصد تھا، وہ تھا روحا اور زین کی شادی، سلطانہ بیگم کو سعیدہ نے ہی یقین دلایا تھا کہ دونوں بھائیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف عناد جب بھر جائے گا تو دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ ہوں گے، پھر کہاں کی شادی کیسی شادی، سلطانہ بیگم خم ٹھونک کر میدان میں اتری تھیں، اٹھتے بیٹھتے دونوں گھروں کا موازنہ کرنے لگتیں، نچلے پورشن کی تعمیر شاندار اور بالائی پورشن کی حالت گزارے لائق، یہ ناانصافی ہے، سلطان صاحب چونک کر بیوی کو دیکھتے، آخر اتنے سالوں بعد یہ فضول سی بات کرنے کیا تک، انیشہ کی حرکتوں کو بڑھا چڑھا کر روزانہ سلطان صاحب کے گوش گزار کیا جاتا، یہ سب کچھ وہ زین کی غیر موجودگی میں کرتیں، جانتی تھیں انیشہ کے خلاف بات وہ کسی صورت برداشت نہیں کرتا تھا، سعیدہ کے کہنے پر اب نئی چال چلنی تھی، اس چال کو کارگر ثابت کرنے کے لئے سلطانہ بیگم کو ایڑی چوٹی کا زور لگانا تھا۔

مارچ گزرا، اپریل آیا، اپریل کا بھی اختتام قریب تھا، سلطان صاحب بیوی کی بے تکی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے، سلطانہ بیگم کا تو کھسیانی بلی کھمبا نوچے والا معاملہ تھا، اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے وہ اوٹی بونگی حرکتیں خود کر رہی تھیں، نتیجہ وہی ڈھاک کے دو پات، لیکن اب انہیں امید ہو چلی تھی، رمضان کی آمد سے قبل ہی دونوں بھائی الگ ہو چکے ہوں گے، زین آفس کے کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تھا اسے چند دن لگ جانے تھے، سلطان صاحب کی طبیعت آج کل ناساز تھی، دکان ان کی بند رہتی یا اکرم صاحب دکان کھول لیتے تھے، دونوں بہنوں کے ذہن میں جھٹ شیطانی منصوبہ جاگا جس پر دونوں نے عمل بھی کر ڈالا۔

☆☆☆

''اکرم بھائی، میری دکان سے سارا مال چوری کیسے ہوگیا، کیا آپ نے تالا صحیح نہیں لگایا تھا۔'' سلطان صاحب کی آواز صدمے سے چور تھی، وہ آج سلطانہ بیگم کے مجبور کرنے پر دکان پر آ گئے تھے، اکرم صاحب سے چابی لے کر تالا کھولا، جونہی شٹر اٹھایا خالی دکان ان کا منہ چڑا رہی تھی، اکرم صاحب نے بھائی کو بت بنے کھڑے دیکھا تو قریب چلے آئے ان کا بھی وہی حال ہوا جو سلطان کا تھا، سلطان کے استفسار پر ان سے بولنا دشوار ہوگیا گویا حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں، وہ چکراتے سر سے سلطان کو محض دیکھ کر رہ گئے، سلطان صاحب کا دل ڈوبنے لگا، ان کی برسوں کی کمائی کوئی راتوں رات اڑا لے گیا تھا، کل اکرم بھائی نے دکان کھولی تھی، دونوں بھائی یک جان دو قالب تھے، لیکن اس واقعے کو سلطانہ بیگم کیا رنگ دینے والی تھیں، اکرم صاحب اگر جان جاتے تو کبھی بھول کر بھی دکان کے تالے کی ایک چابی بھی نہ پکڑتے، کیونکہ باقی دو چابیاں سلطان نے اپنے پاس ہی رکھی تھیں، یہ پہلی بار تو نہ تھا کہ انہوں نے سلطان کی دکان

کھولی ہو، دونوں بھائی ایک دوسرے کی دکان کھول لیا کرتے تھے، دونوں بھائی ڈوبتے دل اور چکراتے سر کو تھامے دکان کو دیکھ رہے تھے، اردگرد دکانوں کے مالک ان کے گرد اکٹھے ہونے لگے، بھانت بھانت کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں، سلطان صاحب اچانک تیورا کر گرنے لگے تو شہرام جو چچا کو ہی دکھ سے دیکھ رہا تھا، بجلی کی سی تیزی سے لپکا اور چچا کو تھام لیا جو ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکے تھے۔

''سعیدہ تجھے رقم چرانے کا کہا تھا، ساری دکان خالی کروا دی تو نے۔'' سلطانہ بیگم دانت کچکچا کر غصے سے سعیدہ سے بولی، غم وغصہ اس کے دماغ کو چڑھ گیا تھا، سلطان صاحب ہاسپٹل میں تھے، پانچ دن بعد ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی، زین بھی باپ کی حالت سن کر واپس آ چکا تھا، سلطانہ کو جب علم ہوا کہ دکان کا سارا مال ہی چوری ہو چکا ہے، تو ان کا دل دھک سے رہ گیا، کیا سعیدہ نے عبدالرزاق بھائی سے ساری دکان ہی خالی کروالی، دل ودماغ نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا بہن یہ سب کبھی نہیں کر سکتی، لیکن دل میں گرہ ضرور پڑ گئی تھی، جونہی سلطان صاحب کی طبیعت قدرے سنبھلی تو سب نے سکھ کا سانس لیا، انیشہ نے غائبانہ چوروں کے وہ لتے لئے اور سلطانہ بیگم کو پہلی بار وہ بری نہ لگی، لیکن انیشہ اور زین بنا بتائے دو گھنٹے سے پھر غائب تھے تو ان کو وہ پھر سے بری لگنے لگی، سلطان صاحب کے پاس اکرم صاحب تھے، وہ ہمہ وقت بھائی کی دلجوئی میں ہی لگے رہتے تھے، سلطانہ بیگم کو اکرم بھائی کو سلطان کے پاس بیٹھے دیکھ کر اطمینان تھا کہ سلطان اکیلے نہیں ہیں، رکشہ پکڑا اور باز پرس کے لئے بہن کے گھر پہنچ گئے، جو اپنے گھر کے واحد کمرے میں اپنے سامنے کٹے خربوزے کی پلیٹ دھرے بیٹھی تھی، روحا خالہ کو دیکھ کر محبت سے گلے ملی اور چائے بنانے کمرے سے نکل گئی، سعیدہ نے خوشدلی سے بہن کو خربوزہ کھانے کی دعوت دی لیکن سلطانہ بیگم کی باز پرس پر دل اندر ہی اندر گھبرایا، چہرے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا، پریقین انداز میں اپنے لہجے میں دکھ حلول کرتے ہوئے بولی۔

''اے لو جی، اب بہن ہی بہن پر الزام لگائے گی، میں نے تو ابھی عبدالرزاق سے بات ہی نہ کی تھی، ہمت درکار تھی، اس سے پہلے ہی دکان پر ڈاکہ پڑ گیا اور تم چلی آئیں تفتیش کرنے، تمہارے جیٹھ کی کارستانی ہے یہ، لکھ لو۔'' سعیدہ نے مکاری وفریبی کی انتہا کر دی، سلطانہ بیگم کو یک لخت شرمندگی نے آ گھیرا۔

''کیوں ناحق بہن کی نیت پر شک کیا، کبھی بہنیں بھی بہنوں کا برا چاہتی ہیں۔'' لیکن ان کو کیا علم سعیدہ تو اس دن سے ان سے حسد کا شکار تھیں جب سلطانہ کی سلطان سے اور سعیدہ کی نصیر سے شادی ہوئی تھی، دونوں بہنیں ہی ان پڑھ تھیں لیکن سلطانہ نے ساری زندگی عیش کیا، بیٹا بھی پڑھ لکھ کر افسر بن گیا، سعیدہ کے گھر ہر وقت منہ ماری ہوتی رہتی، نصیر ہڈحرام کام چور اور نکما نکلا تو سعیدہ سلطانہ سے خود بخود موازنہ کرنے لگتی اس کی خواہش تھی روحا کی زین سے شادی ہو تو کچھ ان کے دن بھی پھر جائیں گے، لیکن زین اور انیشہ کے نکاح نے سعیدہ کو غصے اور طیش کے بھڑکتے الاؤ میں جھونک دیا تھا وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگتی تھی، سلطانہ بیگم کے ذہن و دل میں انیشہ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں سعیدہ کی مرہون منت تھیں، سلطانہ کو کبھی انیشہ اچھی نہ لگی، نازک سی روحا اپنی شیریں بیانی کے باعث سلطانہ کو بے حد پسند تھی، اب تو دونوں بہنوں کو وہ

صرف نکاح ہی ختم نہیں کروانا تھا بلکہ عید کے بعد روحا اور زین کی شادی بھی کروانی تھی۔
''ہاں سعیدہ کہتی تو تم ٹھیک ہو، بس سلطان کی طبیعت بھلی چنگی ہو جائے پھر ایسا فساد ڈالوں گی ہو نہ ہو بے ایمان کہیں کے، منہ سے کیسے شہد ٹپکاتے ہیں من میں لالچ بسا ہے، بھائی کی دکان پر ہی ڈاکہ ڈال دیا۔'' سلطانہ بیگم پھپک پھپک کر رونے لگیں، گو زین کی تنخواہ تگڑی تھی لیکن دکان کی آمدن ملا کر عیش و آرام جو میسر تھا، اب شاید انہیں نہ ملتا۔
''اے سلطانہ چپ کر جاؤ ورنہ میں بھی رو دوں گی، میرا دل غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے، تم اکرم اور شہرام کو خوب ذلیل کرنا سلطان بھائی کے سامنے، لحاظ و مروت دکھانے کی ضرورت نہیں تمہیں۔'' سعیدہ نے مصنوعی لگاوٹ سے سلطانہ کو اپنے ساتھ لگا لیا، سلطانہ کے دل کو کچھ ڈھارس ملی۔
''روحا چائے دوبارہ بنا کر لاؤ خالہ کے لئے، یہ تو ٹھنڈی ٹھار برف بن گئی۔'' سعیدہ کے منہ میں گویا شیرینی گھلی تھی بہن کے لئے، روحا کپ اٹھا کر جانے لگی تو سلطانہ نے روک دیا۔
''نہیں روحا بیٹھو میرے پاس۔'' روحا بھی جھٹ خالہ کے ساتھ چمٹ کر بیٹھ گئی، سلطانہ نے محبت سے روحا کو گلے لگا لیا، روحا کی نگاہ اپنی ماں کی نگاہ سے ٹکرائی، دونوں ماں بیٹی کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی، جس کا مفہوم وہ دونوں اچھی طرح جانتی تھیں، روحا کو خود سے الگ کر کے اس کی صبیح دودھیا پیشانی چومی، روحا کے اندر اتنی محبت پر سکون سا پھیلنے لگا منزل زیادہ دور تو نہ تھی، زین اس کے خوابوں کا شہزادہ، اس کے عیش و آرام کی کنجی، کسی دوسرے کی دسترس میں چلی جائے اسے کب گوارا تھا، خالہ اور ماں کے پلان میں وہ برابر کی حصہ دار تھی۔
''سعیدہ عبدالرزاق بھائی کہاں ہیں کافی دیر سے آئی بیٹھی ہوں، سامنے ہی نہیں آئے۔'' سلطانہ بیگم نے اچنبھے سے استفسار کیا، کیونکہ سال میں ایک دو بار چکر لگا بھی جاتا تو عبدالرزاق بھائی گھر پر ہی ملتے تھے، بقول سعیدہ کام کاج تو کرتے نہیں۔
''بھئی گھر میں ہوتے تو سامنے آتے، اس دو مرلے کے گھر میں وہ چھپ تو سکتے نہیں، کہیں کام سے گئے ہیں اور تم یہ چابی پکڑو، چابی پکڑنے سے ہی میری پیاری بہن کو شک نے آ گھیرا۔'' سعیدہ کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔
''اب شرمندہ تو مت کرو سعیدہ، بس یونہی خیال گزرا اور تم سے کہہ ڈالا، اب ہم دونوں نے بھی تو پلان کیا تھا نا کہ دکان سے رقم عبدالرزاق بھائی نکال لیں گے، الزام اکرم بھائی پر دھر دوں گی، دونوں بھائیوں کے درمیان دوری آ جائے گی، لیکن...... اکرم بھائی نے خود دکان پر ہاتھ صاف کر لیا، عبدالرزاق کے دکان پر جانے کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔'' سعیدہ نے سلطانہ بیگم کی بات کاٹ کر فقرہ اپنی مرضی سے ترتیب دے ڈالا۔
''تم نے بالکل ٹھیک سوچا سعیدہ یقیناً ایسا یہ ہوا ہے، میں اب چلتی ہوں، وہ بے ایمانی میرے شوہر کے سرہانے بیٹھا تھا جب میں آئی تھی، اب تو مجھے ان سے خوف آنے لگا ہے، اب یہ نکاح کسی طور نہیں رخصتی میں بدلنے والا۔'' سلطانہ بیگم جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں، وہ بدگمانی اور نفرت کے دریا میں غوطہ زن احترام تک فراموش کر گئی تھیں، سعیدہ نے خوب گلے لگا کر بہن سے پیار جتایا، روحا نے بھی دھیمے سروں میں خالہ کو تسلی دی، سلطانہ بیگم کے گھر سے نکلتے ہی سعیدہ نے

دونوں ہاتھ جھاڑے خس کم جہاں پاک، روحا کے دھیمے سر پھٹے ڈھول میں بدل گئے۔

''ارے امی، خالہ کو خوب نچا رہی ہیں آپ اپنی انگلیوں پر، ابو کے بھی وارے نیارے کروا دیے، کہاں تو کوئی ڈھنگ کا کام انہیں ملتا نہیں تھا اور اب برتنوں کی بھری دکان کے مالک بن بیٹھے۔'' روحا نے منہ کھول کر قہقہہ لگایا، کچھ دیر قبل کی شائستگی کی چادر میں لپٹی زبان نے شائستگی اور احترام کا چولا اتار پھینکا تھا۔

''اری انیشہ کی نفرت میں سلطانہ سمجھ بوجھ کھو بیٹھی ہے، اس نفرت کی راہ پر بھی تو آپ نے خالہ کو لگایا ہے۔''

''تو کیا کرتی، ساری زندگی میں نے خوشیوں کو ترستے گزاری، عبد الرزاق نکھٹو ہی میرے لئے رہ گیا تھا، سلطانہ کے عیش میرے دل پر چھریاں چلاتے تھے، تیرے لئے ہی ساری راہیں ہموار کر رہی ہوں، دکان اس لئے خالی کروائی ایک تو تیرا باپ کھپ گیا، سارا دن سر پر سوار رہتا تھا، دوسرا سلطانہ کو یقین آ گیا یہ ساری کارستانی اکرم کی ہے، ایک تیر سے دو شکار کیے کے نہیں۔'' سعیدہ فخر سے بولی، دونوں کا مشترکہ بے ہنگم قہقہہ دو مرلے کے مکان کے در و بام کو سلگا گیا تھا۔

☆☆☆

سلطان صاحب ڈسچارج ہو کر گھر آ چکے تھے، سلطانہ بیگم اکرم صاحب کو دیکھ کر غصے سے رخ پھیر لیتیں، انہیں صرف سلطان کے مکمل صحت یاب ہونے کا انتظار تھا پھر ہی انہیں دھما کہ کرنا تھا کہ یہ ساری کارستانی اکرم بھائی اور شہرام کی ہے، انیشہ بھی چچا کی خدمت پر کمر بستہ تھی، سلطان صاحب کو تو چپ ہی لگ گئی تھی، زین نے ان کو اس کیفیت سے نکالنے کے لئے قرآن اور حدیث کے حوالے دیئے، ان کا دل سب تسلیم کرتا تھا لیکن وہ کیا کرتے نقصان بھی تو شدید تھا۔

''زین تم احمد سے بات تو کرو، وہ سراغ لگائے چوری کس نے کروائی ہے۔'' انیشہ نے پرسوچ انداز میں زین کو مخاطب کیا، وہ کچن میں کھانا پکا رہی تھی، جب زین بھی انیشہ کو دیکھ کر کچن میں چلا آیا، انیشہ دن رات چچا چچی کی خدمت میں لگی تھی، لیکن چچی کی آنکھوں کو سرد مہری اس کا معصوم سا محبت بھرا دل سمجھنے سے قاصر تھا، زین کے کچن میں آنے سے قبل وہ اسی سوچ میں غلطاں تھی، زین کو قریب دیکھ کر سوچ کو گویا زبان مل گئی۔

''احمد سے ضرور بات کروں گا، لیکن ان دنوں وہ ملک سے باہر ہے، جیسے ہی آیا مکمل سراغ لگائے گا وہ، مجھے یقین ہے، تم بس زیادہ ٹینشن نہ لو، عید کے بعد رخصتی ہے، مجھے فریش ہنستی مسکراتی انیشہ درکار ہو گی سڑی بسی انیشہ نہیں۔'' زین شرارت سے بولا، انیشہ سڑی بسی پر کرنٹ کھا کر زین کی طرف مڑی۔

''یہ سڑی بسی کسے بولا تم نے، میں تو کھلتا ہوا گلاب ہوں اور ہمیشہ تر و تازہ ہی رہوں گی۔''

''تو میں یہ کب کہا کہ تم سڑی بسی ہو بلکہ وارن کیا ہے اس شرح سے سوچ بچار کرتی رہی تو یقیناً سڑ بس جاؤ گی، اس لئے زیادہ سوچنے سے پرہیز کرو، میں ہوں نا۔'' زین نے قریب ہو کر اس کی سماعتوں میں گمبھیر سرگوشی کی، انیشہ کی سماعتوں میں دل دھڑک اٹھا، حیاء کے بار تلے نگاہیں جھک گئیں، زین کی نگاہیں انیشہ کی ساری خود اعتماد ہوا کر دیتی تھی، اب بھی زین کی نگاہیں انیشہ پر جمی تھیں اور انیشہ مخروطی لمبی انگلیوں کو چٹخانے میں گم۔

''تمہاری بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے۔''

زین مزید شریر ہوا، سالن دیگچی کے پیندے میں لگنے کی بو پر انیشہ حواسوں میں لوٹی۔

''زین کے بچے، سارا سالن جل گیا۔''

انیشہ نے بجلی کی سی تیزی سے ڈھکن ہٹایا تو بھاپ کا ریلا جو باہر نکلنے کو بے تاب تھا انیشہ کے نرم و نازک ہاتھ کو پوری شدت سے سینکتا ہوا گزر گیا۔

''اوئی اللہ، زین کے بچے، تمہاری وجہ سے سب ہوا۔'' انیشہ ہاتھ تھامے چلائی، زین نے جھٹ تفکر سے انیشہ کا ہاتھ تھاما، انیشہ چولہا بند کر چکی تھی، زین نے ہاتھ تھامے کچن میں رکھی چیئر پر انیشہ کو لا بٹھایا، پنجوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ کا بغور جائزہ لیا اور منہ سے پھلجڑی چھوڑی جو انیشہ کو لالو لال کر گئی۔

''زین کے بچے ابھی کہاں دنیا میں آئے ہیں، بس ایک سال تک آ ہی جائیں گے انشاء اللہ وہ بھی۔''

''زین کے......ب......'' انیشہ جو شرم سے سرخ پڑ گئی تھی بے ساختہ غصہ دکھانا چاہا لیکن منہ سے وہی لفظ نکلنے لگا ہی تھا کہ زبان دانتوں تلے دبا لی، زین کا قہقہہ کچن کے در و دیوار میں مسرتوں کے پھول کھلا گیا، محبت کے رنگ ہر سو بکھرے تھے، ان رنگوں نے ماحول کو پرفسوں بنا ڈالا تھا۔

''اب ذرا پھر کہو۔'' ہاتھ پر برنال لگاتے زین نے انیشہ کو چھیڑا، جواباً انیشہ نے آنکھیں دکھانا چاہیں لیکن زین کی نگاہوں میں جلتے محبت کے دیپ اس کی نگاہوں کو خیرہ کر گئے، وہ بے اختیار نگاہیں جھکا گئی، کچن میں داخل ہوتی سلطانہ بیگم نے تنفر سے یہ منظر دیکھا اور زہر خند سوچ نے ان کے ذہن کو جکڑ لیا کچھ دن اور انیشہ پھر زین کا ساتھ تمہارے لئے خواب بن کر رہ جائے گا۔

☆☆☆

رمضان کا مقدس پر نور مہینہ ایک دن کی مسافت پر تھا، ہر سال رمضان کی گروسری کی شاپنگ دونوں فیملیز کی اکٹھی ہوتی تھی، سلطانہ بیگم، سلطان صاحب اور زین سحر و افطار نچلی منزل پر سب کے ساتھ کرتے تھے، محبتوں کے رنگوں میں گندھے خاندان میں بدگمانی اور نفرت کی چنگھاری سعیدہ سلطانہ بیگم کے ذریعے پھینک چکی تھی۔

سیما بیگم اور سونیا جو سلطان صاحب کی بیماری کے دنوں میں سلطانہ بیگم کے رویے سے خائف ہو کر کم ہی ان کا سامنا کرتی تھیں، وہ الٹا سیدھا بول کر دونوں کا دل وسوسوں میں دھکیل دیتی تھیں، اس لئے سیما بیگم اور سونیا ان کا سامنا کم سے کم کرتیں، انیشہ کو سیما بیگم نے حکم دیا تھا، چچا چچی کی خدمت میں کوتاہی نہ ہو، اس نے کوتاہی کا لفظ اپنی سرشت میں سے نکال دیا تھا، زین کو صبح شام انیشہ اپنے سامنے ملتی اس کے چہرے پر محبت کے رنگ بکھر جاتے، سلطانہ بیگم کو بھی سلطان صاحب کے ٹھیک ہونے کا انتظار تھا، جیسے ہی وہ ٹھیک ہوئے انیشہ کو نیچے کی راہ دکھا کر اکرم صاحب کو الزام کی لپیٹ میں رکھ لیا۔

☆☆☆

سارا گھر انگشت بدنداں، یہ سلطانہ بیگم نے کتنی گری ہوئی بات کر دی، پہلے پہل تو سلطان صاحب نے بیوی کو بری طرح جھڑک کر بھائی کا مان بڑھا دیا، زین کو ماں سے اتنی بدگمانی کی توقع نہ تھی۔

''امی آپ کو تایا جان کے متعلق ایسی بات نہیں کرنی چاہیے۔'' وہ اکرم صاحب کی جانب دیکھ کر شرمندگی و دکھ کی ملی جلی کیفیت میں بولا، اس وقت سر شام سب صحن میں ہی بچھی چارپائیوں پر بیٹھے تھے، ہر سال کی طرح اس بار بھی زین اور شہرام رمضان کی شاپنگ کرنے

جانے لگے تھے، انیشہ بھی ساتھ جانے کی ضد کر رہی تھی، سلطان صاحب آج پوری فیملی کے ساتھ گھل مل کر بیٹھے تھے، پرسوں روزہ تھا، سلطانہ بیگم کی بات نے سب کے وجود پریشانی میں ڈبو دیئے تھے۔

''کیوں نہیں کرنی چاہیے مجھے بتا، یہ سب کیا دھرا انہی دونوں باپ بیٹا کا ہے، مجھے ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا اور زین مجھے ان کے ساتھ سحر و افطار بھی نہیں کرنا، سامان کچن میں ڈلوا دو، میں خود کوئی بندوبست کرلوں گی اپنا۔''

حکم صادر کرکے سب کے دلوں پر اپنے الفاظ کے خنجروں کے کاری وار کر کے دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گئیں، سیما بیگم اور اکرم صاحب ڈوبتے دل کو سنبھالتے وہیں ڈھے گئے، سلطانہ بیگم نے ان کے اندیشوں وسوسوں پر یقین کی مہر ثبت کر دی تھی، انیشہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زین کو دیکھا تھا، زین نے نگاہوں ہی نگاہوں میں انیشہ کے دل تک ڈھارس پہنچائی اور زیرلب سرگوشی کی۔

''میں ہوں نا، سب سنبھال لوں گا۔''

سونیا اور شہرام پر الگ پتھروں کے مجسموں کا گمان گزرا، سلطان صاحب سر نہوڑائے گم صم بیٹھے تھے ان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں گویا چھن گئی تھیں، سلطانہ بیگم سب نفوس کے اوپر بم گرا کر اس سکون سے دھیمے لہجے میں موبائل فون پر بہن کو رپورٹ دے رہی تھی، گھر کے در و بام سے محبت کا رنگ اڑنے لگا تھا، سلطانہ بیگم بدگمانی اور نفرت کے رنگ ہر سو بکھیر چکی تھیں، اس کی لپیٹ میں کون کون آنے والا تھا، یہ کوئی نہ جانتا تھا۔

☆☆☆

''زین...... زین...... اٹھیں...... وقت بہت کم رہ گیا ہے، سحری کرلیں۔'' سریلی مترنم آواز نیند میں ڈوبے زین کی سماعتوں سے ٹکرائی، زین محض کسمسا کر رہ گیا۔

''اف کیسے اٹھاؤں۔'' روحا وسیع و عریض بیڈ پر الٹے لیٹے ٹراؤزر اور بنیان میں ملبوس لمبے چوڑے وجیہہ ہینڈسم زین کو دیکھ کر بڑبڑائی۔

کتنا شاندار کمرہ تھا زین کا، زین خود بھی شاندار تھا، روحا کے دل و دماغ پر کمرے کا پرفسوں ماحول چھانے لگا تھا، خالہ کے بلاوے پر امی اسے کل ہی خالہ کے گھر چھوڑ گئی تھیں۔

آج پہلا روزہ تھا، سحری دونوں خالہ بھانجی نے تیار کی تھی۔

سحری میں خود ٹیبل پر لگا دوں گی تم جاؤ زین کو اٹھا لاؤ۔'' کہہ کر خالہ نے روحا کو زین کو اٹھانے بھیج دیا، وہ پہلی بار خالہ کے گھر رہنے آئی تھی، یہ قیام مستقل بھی ہوسکتا تھا اگر وہ زین کا دل جیت لیتی، خالہ کا گھر ان کے گھر کے مقابلے میں محل سے کم نہ لگا اسے اس وقت زین کے کمرے میں کھڑی وہ زین کو دیکھے گئی، اسے زین کے سر پر چڑھا انیشہ کی محبت کا بخار اتارنا تھا، خوبصورتی کی دولت سے مالا مال روحا نے خالہ سے شکوہ بھی کیا تھا۔

''آپ کو نکاح کرنے سے قبل میرا خیال کیوں نہ آیا تب ہمت کرتیں۔'' سلطانہ بیگم جواباً آہ بھر کر بولیں تھیں۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا میرا بیٹا ہاتھوں سے نکل جائے گا، ہر وقت زین کے ساتھ چپٹی رہتی ہے شتونگڑی، شادی کے بعد تو میں زین کی شکل دیکھنے سے بھی جاؤں گی۔'' روحا بھی خوب کمر کس کر میدان میں اتری تھی، انیشہ اور زین کے نکاح کی خبر نے اس کے وجود پر جو بجلی گرائی تھی اور وہ جل کر خاکستر ہوگئی تھی اب خاکستر ہونے کی باری انیشہ کی تھی، روحا نے زین کو اٹھانے کی دوبارہ سعی کی تو روحا کو حیرت بھری مسرت کا

شدید جھٹکا لگا، زین اس کی نازک کلائی اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لئے اٹھا بیٹھا تھا، مندی مندی آنکھیں کھول کر جیسے ہی زین نے روحا کو دیکھا تو اسے ہزار والٹ کا جھٹکا لگا، سرعت سے کلائی چھوڑی جسے خود چھڑانے کی روحا نے زحمت نہ کی تھی، زین کے چہرے پر شرمندگی کا تاثر گہرا تھا۔

''اوسوری میں سمجھا۔'' باقی بات زین نے ادھوری چھوڑ دی، وہ روحا کو اپنے کمرے میں دیکھ کر ششدر تھا۔

''امی نے روحا کو مجھے اٹھانے کیوں بھیجا، ہمیشہ ہر رمضان میں سحری کے لئے اسے انیشہ اٹھانے آتی تھی۔'' سو وہ یہی سمجھا تھا نکاح کے بعد وہ ہاتھ یا کلائی پکڑنے کی جسارت کر لیتا تھا۔

''آپ چلیں میں آتا ہوں، نیکسٹ ٹائم آپ زحمت مت کیجئے گا، میں خود اٹھ جایا کروں گا۔'' زین سنجیدگی سے کہتا بیڈ سے اترا اور روحا کو اس کی حد اچھی طرح باور کروا دی، روحا جو مسرت کے جھولے میں جا بیٹھی تھی زین کے سنجیدگی کے لبادے میں لپٹے الفاظ پہ دھڑام سے جھولے سے گری، یہ پہلی تنکی تھی جو اسے پوری شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

''چچی جان! امی نے بریانی اور رائتہ بھجوایا ہے۔'' افطاری سے پندرہ منٹ قبل انیشہ بڑی سی ٹرے تھامے سلطانہ بیگم کے قریب جا کر بولی جو کچن میں مصروف تھیں، سلطانہ بیگم کے تعلق توڑنے سے تعلق تھوڑی ٹوٹ گیا تھا، زین کے نکاح میں تھی ان کی بیٹی، زین کا رویہ سب کے ساتھ معمول کا تھا، سلطان صاحب اپنے کمرے کے ہو کر رہ گئے تھے، اکرم صاحب کئی بار بھائی سے ملنے اوپر گئے لیکن سلطانہ بیگم نے رکھائی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ملنے نہ دیا، سیما بیگم تعلق کی ڈور کو ٹوٹنے سے بچانے کی خاطر کچھ نہ کچھ بھجواتی رہتی تھیں، سب سلطانہ بیگم کو ایسے ہی مخاطب کرتے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، زین کو احمد کا شدت سے انتظار تھا، اس کے آنے پر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا، وہ زیادہ فکر مند تھا، باپ کو بھی تسلی دی تھی، لیکن سلطانہ بیگم کے زہر میں بجھے تیر انہیں گھائل کرتے رہتے تھے، کسی حد تک وہ بدگمان ہو چلے تھے کیونکہ اکرم بھائی بھی ان کے پاس نہ آئے تھے، وہ کیا جانیں سلطانہ بیگم ان کو آنے دیں گی تو وہ آئیں گے نا، انیشہ کا بریانی اور رائتہ لانا بھی تعلق قائم رکھنے کی ایک کڑی تھی، انیشہ کی آواز پر بھی سلطانہ بیگم کے وجود میں جنبش تک نہ ہوئی، وہ سالن سے نکلتی بھاپ دیکھتی رہیں، روحا کی طبیعت خراب تھی، وہ اے سی چلا کر کمرے میں آرام کر رہی تھی، پندرھواں روزہ آ گیا تھا، اس کی طبیعت روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی، سلطانہ بیگم محبت سے روحا کو کمرے میں بھیج کر جیسے تیسے افطاری بنا لیتیں، زین بھی زیادہ تر افطاری باہر کر کے آتا تھا، انہیں انیشہ کے کھڑے ہونے سے کوئی سروکار نہ تھا، خود ہی تھک کر چلی جائے گی یہ ان کی سوچ تھی۔

''چچی جان!'' انیشہ نے دوبارہ پکارا، بادل نخواستہ دل میں انیشہ کو ڈھیٹ کا خطاب دیتے بنا پلٹے روکھے لہجے میں بولیں۔

''سلیب پر رکھ دو۔'' انیشہ کو ان کا روکھا لہجہ اور لیا دیا انداز بری طرح چبھا، لیکن انیشہ نے اپنے ذہن و دل پر سوار نہ ہونے دیا اس بات کو۔

''چچی جان! زین ابھی تک نہیں آیا، کہاں رہ گیا ہے وہ، افطاری میں کتنا کم وقت رہ گیا ہے۔'' انیشہ نے پرتفکر لہجے میں استفسار کیا۔

''اوہ بی بی پیچھا چھوڑ دو اور کام کرنے دو،

زین کے آنے جانے کے اوقات تو تمہیں ازبر رہتے ہیں، مجھ سے کاہے کو پوچھتی ہو۔'' زہر میں بجھا نشتر تھا جو انیشہ کے دل کو لہولہان کر گیا۔

''اب جاؤ منہ کیا دیکھ رہی ہو۔'' انیشہ کو دکھ کا مجسمہ بنا دیکھ کر سلطانہ بیگم تنفر سے دھاڑیں، انیشہ کے زمین میں گڑے قدم اتنی تذلیل پر اٹھنے سے انکاری ہو گئے، اسی پل فریش چہرے پر مسکان سجائے روحا کچن میں داخل ہوئی۔

''ارے خالہ مجھے اٹھا لیا ہوتا، تنہا کام کرنے لگی ہیں، اب آپ بیٹھیں میں باقی کا کام کر لوں گی۔'' روحا نے مصنوعی محبت جتائی تو سلطانہ بیگم کا دل بھانجی کے فکر کرنے پر نہال ہو گیا، محبت سے روحا کا حسین چہرہ دیکھا، روحا آگے بڑھ کر پورے استحقاق سے کھانے کا جائزہ لینے لگی، دونوں خالہ بھانجی انیشہ کو سرے سے نظر انداز کیسے آپس میں دھیمی آواز میں باتیں کرنے لگیں، انیشہ نے اپنے من من بھر کے ہوتے قدم بمشکل اٹھائے اور رے مرے قدموں سے کچن سے باہر نکل گئی، درزیدہ نگاہوں سے چچا کا کمرہ دیکھا، محبت کرنے والے چچا کے لہجے میں بھی رکھائی آ چکی تھی، رویے عجیب سی سرد مہری کی لپیٹ میں آ چکے تھے، بات بھی معمولی نہ تھی، راتوں رات دکان کا صفایا ہو جانا، نہ جانے کس ذلیل انسان نے یہ حرکت کی تھی حالانکہ بازار میں پہرہ بھی لگا ہوتا تھا، بقول ابو اس رات پہرے دار کی طبیعت خراب تھی اور وہ چھٹی پر تھا، اس رات طوفانی بارش بھی شدت سے ہوئی تھی، اس طوفانی بارش میں چوروں کو موقع مل گیا تھا اور الزام آ گیا ابو پر۔

''میں زین کے بنا تو جینے کا تصور نہیں کر سکتی میرے اللہ! چچی جان نے تو چچا کو بھی ہم سے متنفر کر دیا ہے، کیا ہو گا اب۔'' انہی پریشان کن سوچوں کے پیچ و خم میں الجھی انیشہ اپنے تڑپتے دل کو سنبھالتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی، روزے کے باعث وجود پہلے ہی نڈھال تھا چچی کے رویے نے رہی سہی جان بھی نکال دی تھی، چکراتے سر کو تھامے بمشکل سیڑھیاں اترنے لگی، اچانک زور کا چکر آیا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا، وہ گرنے کو تھی جب اوپر سیڑھیاں چڑھتے زین نے بجلی کی سی تیزی سے دو سٹیپ پھلانگ کر انیشہ کے نرم و نازک وجود کو تھام لیا۔

''کیا ہوا انیشہ، تم ٹھیک تو ہو نا۔'' زین نے پریشانی اور تفکر بھرے لہجے میں استفسار کیا، انیشہ زین کے بروقت تھام لینے پر کچھ پل یونہی کھڑی رہی، آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا چھٹا تو نگاہوں کے سامنے زین کا چہرہ واضح ہوا جس پر زمانے بھر کی فکر چھائی تھی۔

''بس روزہ کچھ زیادہ ہی لگ رہا ہے شاید اسی لئے چکر آ گیا۔'' انیشہ کا لہجہ بھی نڈھال تھا، زین چونک گیا۔

''امی نے کچھ کہا ہے تم سے؟'' جواباً انیشہ کی نگاہوں میں چھپے تاثر کو وہ ایک پل میں جان گیا، امی جس طرح اٹھتے بیٹھتے تایا جان اور ان کی فیملی کے بخیے ادھیڑتی تھیں زین سے ہرگز مخفی نہ تھا، روحا ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتی تھی، اس کے منع کرنے کے باوجود سحری کے لئے جگانے اس کے کمرے میں پہنچ جاتی، وہ سب سمجھ رہا تھا، اس سب کے پیچھے کیا مقصد کارفرما تھا، انیشہ کی آواز پر وہ سوچوں کے حصار سے باہر نکلا۔

''زین تمہیں کم از کم پولیس میں رپورٹ تو درج کروانی چاہیے تھی، پولیس اتنی بھی نکمی نہیں کہ سراغ نہ لگا سکے، احمد نہ جانے کب آئے تب

تک رشتوں سے محبت کا رنگ بالکل نہ اڑ جائے۔''

''تم جانتی تو ہو پولیس کی کارکردگی، خواری الگ ہوگی، احمد میرا دوست ہے، ایس پی کے عہدے پر فائز ہے، وہ چند دنوں میں سراغ لگا لے گا، میری کل ہی اس سے بات ہوئی ہے، چند دنوں تک بس آنے والا ہے، اس نے مجھے مکمل یقین دہانی کروائی ہے، کہ وہ سراغ لگا کر سامان برآمد کروالے گا، بس کچھ دن مزید صبر کرلو۔''

زین کوانیشہ کی فکر تھی دنوں میں رنگت کملا کر رہ گئی تھی، ہر سال رمضان شریف اور عید کے موقع پر وہ دونوں کتنا ہلا گلا کرتے تھے۔

''زین سب ٹھیک ہو جائے گا نا۔'' انیشہ کے دل کوایک پل کے لئے بھی قرار نہ تھا۔

''انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا تم بس کوئی بات بھی دل پر مت لو۔'' زین نے انیشہ کا ہاتھ تھام کر تسلی دی تو انیشہ کی روح شانت ہوگئی، زین صرف اس کا تھا یہی یقین اس کی زندگی کی روشنی تھا، دونوں اردگرد سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھے، جب سیڑھیوں سے ابھرتی آوازوں کے تعاقب میں روحا سیڑھیوں کے دروازے پر نمودار ہوئی، اس منظر کو دیکھ کر حسد اور نفرت سے اس کا وجود جل بھن گیا، طیش سے لب بھینچے وہ انہی قدموں پر واپس پلٹ گئی، سلطانہ بیگم کے سامنے دل کی کھولن جو باہر اگلتی تھی۔

☆☆☆

''پندرہ دن رہ گئے ہیں عیدالفطر میں، آپ سلطان بھائی سے رخصتی کی بات کریں، نکاح ہوا ہے انیشہ کا زین سے، ایسے کیسے وہ لاتعلق ہو سکتے ہیں۔'' نماز عشاء اور تراویح کی ادائیگی سے فارغ ہو کر سیما بیگم نے اکرم صاحب کو مخاطب کیا جو مسجد سے آنے کے بعد بیڈ پر گم صم لیٹے تھے۔

''کیا ہوا ایسے کیوں لیٹے ہیں؟'' جواب ندارد پا کر سیما بیگم نے پریشانی سے استفسار کیا۔

''آج سلطان کا انداز مجھے بری طرح چبھا ہے، یعنی اسے یقین آگیا ہے کہ چوری میں نے کروائی ہے، مسجد میں مجھ سے کلام تک کرنا گوارا نہ کیا، آج اتنے دنوں بعد اس کو دیکھا تھا مسجد میں، گھر میں تو سلطانہ نے ملنے پر ہی کرفیو لگا دیا ہے یقین واثق تھا میرا مسجد میں دونوں بھائی اس مسئلے پر بات کریں گے لیکن مجھے دیکھ کر منہ ہی پھیرلیا، میرا دل کٹ کر رہ گیا اس کے انداز پر۔'' اکرم صاحب کے لہجے میں دکھ کی پرچھائیں تھیں۔

''آپ کو فوراً پولیس میں رپورٹ درج کروانی چاہیے تھی اب تک کوئی سراغ بھی مل جانا تھا۔'' سیما بیگم متفکر سی بیڈ پر اکرم صاحب سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئیں۔

''مجھے تو زین نے روک دیا تھا اس کا دوست ایس پی ہے، اس کو اسی پر اعتماد ہے، میں بھی خاموش ہوگیا پھر، لیکن سلطانہ نے تو حد ہی کر دی، دونوں بھائیوں کے درمیان نفرت اور بدگمانی کی دیوار کھڑی کر دی۔''

''اب کیا ہوگا اکرم صاحب۔'' لہجہ تشویش زدہ تھا۔

''تم اتنی بھی ٹینشن نہ لو، اللہ بہتر کرے گا، رمضان کا مقدس مہینہ دعاؤں کی قبولیت کا مہینہ ہے، ہمارے دل اور نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے، اللہ ہماری دعاؤں کی لاج رکھے گا، بے شک اللہ بہتر راستہ دکھانے والا ہے، اسی پر بھروسہ رکھو اور پرسکون رہو، زین تو بدگمان نہیں ہوا نا، وہ کہتا ہے نا سب ٹھیک کرے گا، تو اللہ نے ہمیں اتنا اچھا داماد دیا ہے، وہ ہم پر مہربان ہے، اس لئے بس اسی کو پکارو۔'' اکرم صاحب کے

وجود میں اللہ کا ذکر کرتے سکون سا بھرنے لگا تھا، سیما بیگم نے بھی اثبات میں سر ہلایا، اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لئے وہ رب کے حضور دامن پھیلائیں گی، اللہ تو کبھی مایوس نہیں کرتا۔

☆☆☆

''انیشہ دیکھو سبحان کا رنگ کیسے بدل گیا ہے؟'' سونیا نے پریشانی سے بیڈ پر پاس چپ کی بکل اوڑھے بیٹھی انیشہ کا کندھا زور وشور سے ہلایا، انیشہ چونک اٹھی۔

''کیا ہوا سبحان کو، یہ میڈیسن دی ہے اس کے بعد اس کی یہ حالت ہونا شروع ہوگئی۔'' سونیا روہانسے لہجے میں تیزی سے بولی، سبحان کو دو دن سے بخار تھا۔

محلے کے ڈاکٹر سے چیک اپ کروایا تھا، ڈاکٹر کی تجویز کردہ میڈیسن شہرام میڈیکل سٹور سے لاکر سونیا کو دے کر دکان پر جا چکا تھا، میڈیسن کھاتے ہی سبحان کی حالت بگڑ گئی تھی۔

''بھابھی جلدی سے بھائی کو کال کریں میں سبحان کو سنبھالتی ہوں۔'' سونیا بندوق سے نکلی گولی کی طرح گویا اڑتی ہوئی سیما بیگم اور اکرم صاحب کے کمرے میں پہنچی تھی، سونیا نے دھاڑ سے دروازہ کھولا تھا، جانماز پر مناجات میں مشغول سیما بیگم نے ناگواری سے سونیا کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر بے ساختہ لبوں سے نکلا۔

''یا اللہ خیر!''

''امی موبائل پر شہرام کو کال کریں ابھی فوراً، سبحان کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔'' سونیا روتے ہوئے بولی، سیما بیگم نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا کر شہرام کو کال ملائی اسے فوراً گھر پہنچنے کی تاکید کرکے کال منقطع کردی، وہ سبحان کی طبیعت کی خرابی کا بتا کر مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، پریشانی میں آتے ہوئے کوئی حادثہ پیش نہ آجائے، یہی فکر دامن گیر ہوگئی تھی۔

''چلو میں بھی سبحان کو دیکھوں، تم حوصلہ کھو کچھ نہیں ہوگا سبحان کو۔'' سیما بیگم سونیا کو لئے اس کے کمرے کی جانب تقریباً دوڑ پڑیں، کمرے کا دروازہ یونہی کھلا رہ گیا، اے سی چل رہا تھا، ادھر سلطانہ بیگم کو بازار جانا تھا، روحا کو ساتھ لئے سیڑھیوں سے اتری تو نگاہ سیما بیگم کے کھلے دروازے پر جا ٹھہری، اس وقت سیما بنا اے سی کے بیٹھے ناممکن، تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر کچھ قدم مزید بڑھا کر سیما بیگم کے کمرے میں جھانکا، کمرے میں کوئی ذی نفس موجود نہ تھا، ٹھنڈک کی لہریں انہیں کمرے سے باہر کھڑے محسوس ہو رہی تھیں۔

''اچھا تو یہ عیاشیاں چل رہی ہیں، کمرے میں نہ بھی ہوں تو اے سی چلتے رہتے ہیں، ہمیں ہر ماہ بل کی رقم بتا دی جاتی ہے، آپ کے حصے میں اتنی رقم آئی ہے، ادا کر دیں، کبھی جو بل کی شکل دیکھنا نصیب ہوئی ہو، بات کرتی ہوں میں سلطان سے۔'' ان کی زیادتیاں بڑھتی ہی جا رہی ہیں، سیما بیگم کا کمرہ سیڑھیوں کے قریب ہی تھا جو سلطانہ بیگم کی نظر میں آگیا، فی الحال تو دونوں کو بازار جانا تھا، روحا کے لئے سلطانہ بیگم نے کپڑے جوتے خریدنے تھے، گھر سے تو دو تین سوٹ لائی تھی جو اتنے خاص نہیں تھے، سلطان صاحب کو نیچے والوں کی شکایت لگانا فی الحال ملتوی کرکے وہ روحا کو لے کر بازار چلی گئیں۔

شہرام کے آتے ہی سونیا اور انیشہ سبحان کو لئے شہرام کے ساتھ ہاسپٹل کے لئے روانہ ہوئیں، سیما بیگم کے لبوں پر پوتے کی سلامتی کی دعائیں جاری تھیں انہیں کسی چیز کا ہوش نہ تھا،

انہیں کیا خبر ان کی اسی بات کا سلطانہ بیگم بھر پور فائدہ اٹھانے والی تھیں۔

بروقت طبی امداد سے سبحان کی حالت سنبھل گئی تھی، سبحان کی حالت بگڑنے کی وجہ ڈاکٹر جو بتائی، انیشہ کا مارے غصے کے خون کھول گیا، جعلی میڈیسن کے استعمال نے سبحان کو اس حال تک پہنچایا تھا، ڈاکٹر کے مطابق اگر تھوڑی سی بھی دیر ہو جاتی تو جان کو مکمل خطرہ تھا یعنی جان بھی جاسکتی تھی، شہرام اور سونیا کے دل گویا مٹھی میں آ گئے تھے، لیکن سبحان اب پر سکون تھا تو دونوں میاں بیوی نے بے ساختہ شکر کیا تھا رب کا، شہرام کال کر کے سیما بیگم کو سبحان کے بہتر ہونے کی اطلاع دے چکا تھا، سیما بیگم نے اسی وقت شکرانے کے نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔

دو گھنٹوں بعد سبحان کو ڈسچارج کر دیا گیا، گھر آتے ہی انیشہ کا پرانا انداز لوٹ آیا، وہ سلطانہ چچی کے بدلتے رویے سے خائف چپ کی چادر اوڑھے رہتی تھی، وہ چہکتی بلبل تھی گھر کی، اس کی چپ کے باعث گھر کے در و دیوار میں سناٹے رچ گئے تھے، لیکن اس واقعے نے چپ کی چادر دور پھینک دی تھی، وہ ہاسپٹل سے گھر آ کر مسلسل میڈیکل سٹور والے کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے عزائم کا اظہار کر رہی تھی، چوبیسواں روزہ تھا، زین سے انیشہ کا سامنا بہت کم ہوتا تھا، سلطانہ چچی اپنی نظروں کے تیروں سے انیشہ کو اتنا خوفزدہ کر دیتیں تو وہ زین کی آمد سے قبل ہی کمرے میں بیٹھ جاتی تھی، لیکن آج اسے پھر زین کا شدت سے انتظار تھا جو عصر کی نماز کی ادائیگی کے بعد شروع ہو چکا تھا، وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی مسلسل کھول رہی تھی، نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیوں سے کھیل چکا ہے میڈیکل سٹور والا، شیر خوار بچے جنہوں نے ابھی ماں کی گود میں آنکھ کھولی ہے، وہ بھی اس سفاک انسان کی سفاکی سے محفوظ نہیں، اسے میڈیکل سٹور والے کو مزہ چکھانا تھا تاکہ وہ بے ضمیر انسان آئندہ کسی کی جان سے کھیلنے کی جرأت نہ کر سکے، روزے کے باعث وہ صحن کے چکر نہیں کاٹ سکتی تھی اس لئے سیڑھیوں پر بیٹھی منتظر نگاہیں گیٹ پر جمائے بیٹھی تھی، وہ ان بے ایمان لوگوں کو کھلی چھوٹ دینے کے حق میں ہرگز نہیں تھی، افطاری میں تیس منٹ رہ گئے تو انیشہ کی بے تابی عروج پر پہنچ گئی، اسی وقت سلطانہ بیگم اور روحا بھی بالکونی میں آ کھڑی ہوئیں، دونوں کا مقصد زین کی نگرانی تھا، سلطانہ بیگم تب تک انیشہ کو کڑے تیوروں سے گھورتی رہتیں جب تک وہ گیٹ کے قریب سے ہٹ نہ جاتی، لیکن آج انیشہ کو قطعاً پرواہ نہ تھی، وہ بھی ٹس سے مس بیٹھی رہی، گاڑی کا ہارن بجا تو انیشہ نے لپک کر چھوٹا ذیلی گیٹ کھولا، روزانہ زین خود ہی گیٹ کھولتا اور گاڑی اندر کھڑی کر دیتا یا سلطانہ بیگم روحا کو بھیج دیتیں، روحا کی موجودگی جہاں زین کو کوفت میں مبتلا کرتی وہیں نچلی منزل کے نفوس پر سلطانہ بیگم کے ارادوں کو آشکار کر دیتی تھی، زین گاڑی سے باہر نکلا تو گیٹ سے جھانکتا انیشہ کا من موہنا چہرہ دیکھ کر سرشار ہو گیا۔

آہا عید کا چاند طلوع ہو گیا، زین نے قریب آ کر سرگوشی کی، چوڑی گلی اس وقت سنسان تھی، افطاری کا وقت تھا، اس لئے زین شوخ ہو گیا تھا، چوبیسویں روزے کون سا عید کا چاند طلوع ہو گیا، انیشہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر بھی انجان بنی۔

''بھئی عید الفطر کا چاند تو اپنے وقت پر طلوع ہو گا، میرے دل کی عید تب ہوتی ہے جب تمہارا چاند چہرہ میری نگاہوں کے سامنے طلوع ہوتا ہے۔'' زین کی گمبھیر سرگوشی، انیشہ کے چہرے پر

محبت اور حیاء کے سارے رنگ سجا گئی، بالکونی پہ کھڑی سلطانہ بیگم اور روحا کے وجود میں نفرت اور طیش کے بھانبھڑ جل اٹھے تھے اس منظر کو دیکھ کر۔

''دیکھ رہی ہیں خالہ آپ، ابھی بھی آپ کو امید ہے۔'' روحا کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''مجھے امید ہے روحا، تم دیکھتی جاؤ، میں کرتی کیا ہوں۔'' سلطانہ بیگم کا لہجہ زہر خند تھا، ابھی انہیں سلطان صاحب کو مزید متنفر کرنا تھا، پھر نکاح کے خاتمے کی بات کرنی تھی، زین ان کی نہ مانتا باپ کی تو مانے گا انہیں یقین تھا، دونوں کی قہر آلود نگاہیں انیشہ اور زین پر جمی تھیں، جو ان دونوں کی عین سامنے موجودگی سے یکسر بے نیاز اپنی باتوں میں گم تھے۔

''اب اندر آنے دو گی یا یہیں قیام کرنا ہے دونوں نے۔'' زین آگے کو ہو کر بولا تو انیشہ بے اختیار پیچھے ہٹی، زین اندر آ گیا تو انیشہ نے اسے گیٹ کھولنے سے منع کر دیا۔

''کیوں؟'' بھنویں اچکا کر استفسار کیا گیا، انیشہ نے ساری بات زین کے گوش گزار کر دی، زین کو بھی تپ چڑھ گئی میڈیکل سٹور کے مالک پر۔

''اب کیسا ہے سجان۔'' تفکر سے استفسار کیا گیا۔

''اب ٹھیک ہے لیکن میڈیکل سٹور کے مالک کو اب مزہ چکھانا ہے۔'' انیشہ غصے سے بولی۔

''قوم کے ان ناسوروں کو سزا ملنی چاہیے، ضرور ملنی چاہیے اور ہاں احمد واپس آ چکا ہے، اس سے مل کر ساری صورتحال سے آگاہ کر چکا ہوں، وہ جلد ہی معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔'' زین کی اطلاع پر انیشہ کی خوشی کے باعث چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی، اب ابو کے دامن پر لگا داغ دھل جائے گا، سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے گا، یہ خیال ہی کتنا خوش کن تھا۔

''لیکن ابھی میڈیکل سٹور کے مالک کی تو خبر لے لیں۔'' انیشہ اتاؤلی ہوئی جا رہی تھی، شہرام بھائی سے میڈیسن کے سٹور کا ایڈریس اور بل وہ لے چکی تھی، وہ بھی بخوبی جانتے تھے انیشہ اور زین اس کو میڈیکل سٹور کے مالک کو چھوڑیں گے نہیں سو وہ مطمئن تھا۔

''افطاری کے بعد چلیں گے ابھی تو سٹور بند ہوگا۔'' انیشہ خلاف توقع فوراً مان گئی۔

''اب میں جاؤں۔'' محبت بھرا پرفسوں لہجہ، انیشہ نے بے ساختہ اونہوں میں سر ہلایا، زین اس کا شوہر تھا، دیکھنا جائز عمل تھا، ویسے بھی دل پریشان تھا، زین کو سامنے دیکھ کر سکون کی بارش نے تن من کو بھگو ڈالا تھا، زین اس کے اونہوں کی ادا پر سرشار اسے دیکھے گیا، روحا پیر پٹختے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی، افطاری میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے، دونوں لیلیٰ مجنوں بنے کھڑے تھے، دیکھ کر خون ہی جلنا تھا، جبکہ سلطانہ بیگم سلطان صاحب کے کمرے میں جا چکی تھیں۔

''سلطان صاحب، مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔'' لہجہ سنجیدگی سے اٹا تھا، سلطان صاحب نے استفہامیہ نگاہیں بیوی کے چہرے پر ٹکا دیں۔

''آپ بجلی اور گیس کا میٹر الگ کروائیں۔''

''وہ کس لئے؟'' سلطان صاحب کے لہجے میں ناگواری تھی، بڑے بھائی سے دوری خاصی جاں گسل تھی، کبھی ان کا دل سلطانہ کی بات پر یقین کرنے لگتا کبھی ڈانوا ڈول ہو جاتا، لیکن سلطانہ بیگم سلطان صاحب کو متنفر کرنے کا کوئی

موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتیں، وہ اس لئے کہ پھر وہ ڈھیر ے ڈھیرے مرچ مصالحہ لگا کر نیچے والوں کی کوتاہیوں اور فضول خرچیوں کی داستان بڑھا چڑھا کر پیش کرنے لگیں۔

ان کے دل میں اتنا عناد اور بغض بھر چکا تھا کہ وہ یہ بھی بھول چکی تھیں رمضان کے مہینے میں وہ اللہ کی ناراضگی کا سامان کر رہی ہیں، غیبت جو روزے کی دشمن ہے روزے کو ختم کر ڈالتی ہے، اس وقت وہ غیبت کی رتھ پر سوار تھیں، سلطان صاحب عورت کے بچھائے مکر و فریب کے جال میں پھر سے پھنسنے لگی۔

''واقعی بھائی صاحب نے کبھی پانی بجلی اور گیس کا بل نہیں دکھایا، رقم بتا دیتے اور وہ بنا باز پرس کیے بل ادا کر دیتے تھے زیادہ گرہ تو ان کے دل میں اس لئے پڑی تھی اکرم بھائی کو علم تھا ان کی طبیعت ناساز ہے پھر بھی کبھی پتہ لینے اوپر نہ آئے تھے، وہ کیا جانیں جو عورت انہیں اپنے اشاروں پر نچا رہی ہے وہ اکرم بھائی کو کیسے ملنے دی سکتی ہے ان سے، شیطان جکڑا جا چکا تھا، لیکن سلطانہ بیگم اور سعیدہ شیطان کے چیلوں کا کردار بخوبی نبھا رہی تھیں رنجشوں اور بغض کو بڑھاوا دے کر، سلطان صاحب کو گومگو کیفیت میں دیکھ کر سلطانہ بیگم نے لوہا گرم دیکھ کر آخری ضرب لگائی۔

''میٹر الگ کروائیں زین سے کہہ کر، ہم کیوں فضول میں دوسروں کا بل بھریں، دکان ہماری اجڑ گئی، ان کو کیا فرق پڑا، سنا ہے شہرام گاڑی خرید رہا ہے، ایسے تو ہن نہیں برسنے لگا ان پر، کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔'' سلطان صاحب سلطانہ بیگم کے بچھائے جال میں محض پھڑ پھڑا کر رہ گئے، جکڑ تو وہ انہیں چکی تھی۔

''اچھا آتا ہے زین تو بات کرتا ہوں۔''

سلطان صاحب سرد آہ بھر کر بیڈ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اور ہاں اس نکاح کو بھی ختم کیجئے، جب تعلق ہی نہیں رکھنا تو کاہے کی رشتہ داری جوڑنی، یہ بات بھی اس کے کان میں ڈال دیں تو بہتر ہے۔'' سلطان صاحب کا دل گویا مٹھی میں آ گیا۔

''انیشہ کا کیا قصور اس سارے معاملے میں۔'' زبان لڑکھڑا سی گئی، سلطانہ بیگم نے کینہ توز نگاہوں سے شوہر کو گھورا۔

''آپ کو ابھی بھی تجدید تعلق کی امید ہے۔'' لہجے میں پھنکار تھی۔

''اچھا کرتا ہوں بات زین سے، پھر جو اس کی مرضی، میں زبردستی کا قائل نہیں۔'' وہ زین کی آنکھوں میں انیشہ کے لئے محبت کے جلتے دیپ کے گواہ تھے، وہ کیسے زین کو اس کی دل کی خوشی سے محروم کر دیتے، کہیں نہ کہیں ان کے دل کو بھی امید تھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔

''بات اس کی مرضی پر نہیں چھوڑنی اب، مجھے اس شخص کی بیٹی اس گھر میں نہیں لانی، عید کے بعد ہی زین کی شادی ہو گی لیکن انیشہ سے نہیں روحا سے ورنہ میں زہر کھا کر مر جاؤں گی۔'' سلطانہ بیگم نے قطعیت بھرے لہجے میں دھمکی دی، سلطان صاحب نے بے بسی سے بیوی کو دیکھ کر محض اتنا کہا۔

''اچھا کرتا ہوں آج بات۔''

☆☆☆

زین انیشہ سے اجازت لے کر جونہی اپنے پورشن میں آیا تو خلاف معمول سب کے چہروں پر الگ الگ تاثرات رقم تھے ورنہ سلطانہ بیگم اور سلطان صاحب کے چہرے اس کو دیکھ کر کھل جاتے تھے، روحا بھی خواہ مخواہ دیکھ کر مسکرانے لگتی، آج عجیب سا تناؤ تھا جو ماحول اور چہروں پر چھایا

تھا۔

''آؤ برخوردار، افطاری میں چند سیکنڈز ہی رہ گئے ہیں۔'' سلطان صاحب کے کہنے پر زین کو بھی وقت کی کمی کا احساس ہوا، بجلی کی سی تیزی سے واش بیسن پر ہاتھ دھوئے اور ڈائننگ ٹیبل کے گرد چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا، دعا مانگنے ہی لگا تھا کہ اذان کے مقدس کلمات پر سو فضا میں گونجنے لگے، سب نفوس نے خاموشی سے افطاری کی، افطاری کے بعد زین اور سلطان صاحب مسجد چلے گئے، اکرم صاحب اور شہرام کی افطاری آج کسی سسرالی رشتہ دار کی طرف تھی، سلطان صاحب بھی مدعو تھے لیکن ان کے موبائل تک پر سلطانہ بیگم کا قبضہ تھا، سو دل مسوس کر دونوں باپ بیٹا ہی چلے گئے، افطاری کے بعد انیشہ نماز مغرب ادا کر کے زین کا انتظار کرنے لگی، زین اور چچا جان کر گیٹ سے اندر آتے دیکھ کر وہ محبت سے چچا جان کی جانب بڑھی، کتنے دنوں بعد ان کو دیکھا تھا۔

''چچا جان السلام علیکم، کیسے ہیں آپ؟'' انیشہ محبت بھرے جوش سے بولی، لیکن زین اور انیشہ دونوں کو صدمے کا شدید جھٹکا لگا جب سلطان صاحب ان سنی کرتے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے، آنسوؤں کا سیل رواں تھا جو انیشہ کی خوبصورتی براؤن آنکھوں میں اترا تھا، زین تڑپ اٹھا۔

''پلیز انیشہ روؤ مت، میں جلد ہی اس مسئلے کا حل نکالتا ہوں اور میں بس ابھی آیا، تم تیار رہنا، میڈیکل اسٹور کے مالک کو مزہ بھی تو چکھانا ہے نا۔'' زین نے انیشہ کی توجہ دوسرے مسئلے کی جانب مبذول کرائی تاکہ انیشہ کم دکھی ہو، انیشہ نے روتے روتے سر اثبات میں ہلا دیا، زین باپ کے پیچھے لپکا، جو سیڑھیاں چڑھ کر جا چکے تھے۔

زین سیدھا سلطان صاحب کے کمرے میں گیا سلطانہ بیگم بھی بیڈ پر براجمان تھیں، سلطان صاحب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

''بیٹھو زین مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' بنا تمہید باندھے سلطان صاحب نے سنجیدہ لہجے میں بات شروع کی۔

''زین گھر کے میٹرز لگوانے کے لئے درخواست دے دو، عید سے پہلے میٹر الگ ہو جانے چاہیں۔''

''لیکن کیوں ابو۔'' زین کو میٹر الگ کرنے کی بات پر جھٹکا لگا تھا۔

''جو تمہیں کہا ہے وہ کرو، اکرم بھائی سے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تمہیں۔'' سلطان صاحب کے لہجے میں قطعیت تھی، سلطانہ بیگم کے دل میں خوشی سے لڈو پھوٹ رہے تھے، لیکن چہرے پر سنجیدگی رقم تھی، سلطان صاحب کا دل و دماغ وہ اکرم صاحب سے متنفر کر چکی تھیں۔

''لیکن ابو۔'' زین بے بس ہو کر رہ گیا۔

''مجھے اب اس موضوع پر زیادہ بات نہیں کرنی، تمہاری شادی کے مسئلے پر بھی اب سوچ بچار کی ضرورت ہے۔'' اب کہ زین کے سر پر گویا بم بلاسٹ ہوا تھا بات اتنی معمولی نہیں تھی جتنی وہ سمجھ کر مطمئن تھا، اب چوری کا سراغ لگانا ناگزیر ہو چلا تھا، لیکن ابو کیا کہہ گئے تھے، وہ حقیقتاً شاکڈ ہوا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا۔'' لہجے میں بے یقینی تھی جو کچھ وہ سمجھا کیا واقعی وہی بات تھی۔

''مطلب کیا برخوردار، جب رشتوں سے خلوص و مروت اٹھ جائے تو پھر کا ہے کی رشتہ داری۔'' زین نے دکھ سے ماں کی جانب دیکھا، وہ جانتا تھا یہ سارا شرانہی کے ذہن کی پیداوار

ہے، لیکن ماں سے وہ کیونکر الجھتا، وہ تو بس احمد کا انتظار کرتا رہ گیا، حالات اس نہج پر پہنچ گئے، کہ انیشہ جو اس کی سانسوں میں بسی تھی، اس کو زین سے الگ کیا جا رہا تھا، وہ سانس کیسے لے پاتا، ابو نے کتنی آسانی سے بات کہہ دی تھی۔

''او کے ابو جی میٹر الگ ہو جائیں گے، ابھی مجھے جانا ہے۔'' زین سنجیدگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا، زین کو انیشہ کے انتظار کا بخوبی علم تھا، سلطان بیگم تڑخ کر بولیں۔

''اسی انیشہ کا کام ہوگا، دو گھڑی ماں باپ کے پاس بھی بیٹھ جایا کرو، ہر وقت اس کے غلام بنے رہتے ہو۔'' لہجے میں آگ کی تپش تھی، جو زین کے دل کو جلا کر راکھ کر گئی، زین ضبط کا کڑوا گھونٹ نگل کر رہ گیا، ماں بدگمان تھی تو بمعہ ثبوت وہ ماں کی بدگمانی دور کرنا چاہتا تھا، فضول بحث کا فائدہ نہ تھا۔

''امی مجھے کام سے جانا ہے، میں چلتا ہوں۔'' زین کا لہجہ ہنوز سنجیدگی کے لبادے میں لپٹا تھا۔

''جاؤ بیٹا جاؤ، ہماری کیا مجال ہم تمہیں روک سکیں۔'' سلطانہ بیگم طنزاً گویا ہوئیں، زین لب بھینچ کر رہ گیا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے کی دہلیز عبور کر گیا۔

''چلو انیشہ۔'' زین نے صحن میں منتظر انیشہ کے قریب جا کر دھیرے سے کہا، انیشہ چونک اٹھی زین کا لہجہ بجھا بجھا تھا۔

''زین کیا ہوا، خیریت تو ہے۔'' انیشہ نے بے تابی سے استفسار کیا، دونوں ایک دوسرے کی تکلیف پر تڑپ اٹھتے تھے۔

''کچھ نہیں ہوا تم فوراً آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' زین گیٹ کی جانب بڑھ گیا، انیشہ نے بڑی سی چادر کو اپنے اردگرد لپیٹ کر سر پر اچھی طرح سیٹ کیا اور باہر کی جانب بڑھی۔

''دیکھئے سلطان صاحب میں تو کہتی ہوں ابھی نیچے جا کر نکاح ختم کرنے کی بابت بتا دیں، زین کو طلاق دینے پر آمادہ بھی کریں، مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا۔'' زین کے کمرے سے نکلتے ہی سلطانہ بیگم بے صبرے پن سے بولیں۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، نکاح کوئی کھیل نہیں ہے جسے پلک جھپکتے ختم کر دیا جائے، یہ فیصلہ زین ہی کرے گا، زندگی اس نے گزارنی ہے، تم نے دیکھا نہیں کیسے اس کے چہرے پر ویرانگی آ گئی تھی، کیسے اس کا دل اجاڑ دوں، بات کروں گا میں اکرم بھائی سے، کیوں میرے ساتھ ایسا کیا انہوں نے، کوئی نہ کوئی حل تو نکلے گا۔'' سلطان صاحب نے زین کے دکھ کو پوری شدت سے محسوس کرتے ہوئے ابھی بھی صرف زین کی خاطر یہ فیصلہ کیا تھا، جس نے سلطانہ بیگم کا دماغ بھک سے اڑا دیا، دونوں بھائیوں کی ملاقات کا مطلب ان کی اتنے مہینوں کی کی گئی محنت اکارت چلی جائے گی، ان کی ذہن نے تیزی سے کام کیا۔

''آپ کو ابھی بھی امید ہے رشتہ قائم رہے گا، آپ کے بھائی نے اس دوران ایک بار بھی آ کر آپ کا حال پوچھا کہ بھائی کن حالوں میں ہو، انہیں کون سا لنڈی کوتل جانا تھا، صرف سیڑھیاں ہی چڑھنی تھیں، لیکن نہ جی، کوئی احساس ہی ہیں، دل میں چور جو تھا کیسے سامنا کرتے بھائی کا۔'' سلطان صاحب کے دل کو بات لگی۔

واقعی اکرم بھائی کبھی اوپر آئے ہی نہیں، واہ ری انا، اگر بھائی نہیں ملا تھا تو خود چلے جاتے، لیکن سلطانہ بیگم نے اب بھی مکر و فریب کا جو جال سلطان صاحب پر پھینکا تھا وہ اس میں پھر سے جکڑے گئے تھے، آہ یہ عورتوں کے مکر و فریب

دلوں کے کینوس پر بدگمانی کے اتنے گہرے رنگ بھرتے ہیں کہ سوائے رشتوں کی بدرنگی تصویر کے کچھ نظر نہیں آتا۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے، بھائی صاحب نے کبھی مسجد میں بھی مجھے مخاطب نہیں کیا گویا انہیں میری ناراضگی کی پرواہ نہ ہو۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں، بس آپ زین کو حکم دیں انیشہ کو طلاق دے، غضب خدا کا ہم اتنے گرے پڑے ہیں وہ ہمیں منہ بھی نہ لگائیں اور ہم ان کی بیٹی بہو بنا کر گھر لے آئیں۔'' سلطانہ بیگم نے لوہے کو دہکتے دیکھ کر مزید زوردار ضرب لگائی۔

''اچھا زین آتا ہے تو بات کرتا ہوں اس سے، تم پریشان نہ ہو۔'' سلطان صاحب نے سلطانہ بیگم کو تسلی دی، سلطانہ بیگم کھل کر مسکرا دیں، گویا انہیں یقین کی سند مل گئی ہو۔

زین نے گاڑی عین میڈیکل اسٹور کے سامنے روکی اور انیشہ کو اترنے کا اشارہ کیا، انیشہ کا خون کھول رہا تھا یہی حال زین کا تھا، زین اس وقت اپنی پریشانی بھول گیا، اسٹور کا مالک انسانوں میں موت بانٹ رہا تھا، اس کا سدباب ضروری تھا، انیشہ زین کے ہمراہ اسٹور میں داخل ہوئی، میڈیسن اور بل مالک کے سامنے پٹخا۔

''یہ میڈیسن آپ کے اسٹور سے گئی ہیں نا۔'' انیشہ کے استفسار پر میڈیکل اسٹور کے مالک نے بل دیکھا اور میڈیسن چیک کی۔

''جی میرے ہی اسٹور سے خریدی گئی ہے یہ میڈیسن۔'' زین کے اندر اشتعال اٹھا۔

''یہ میڈیسن جعلی تھیں، ان جعلی ادویات کے استعمال سے ایک شیر خوار بچہ موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا ہے، رمضان کے مقدس مہینے میں بھی شرم نہیں آتی جعلی ادویات فروخت کرتے۔''

''او بھائی لیکچر نہ دو مجھے، کوئی جعلی دوائی نہیں دی میں نے، ہزاروں لوگ لے کر جاتے ہیں کبھی کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی کہ میرے اسٹور سے خریدی گئی دوائی کھانے سے کوئی مر گیا ہو، اپنی غلطی کو میرے سر پر نہ تھوپو، کچھ اوراالا بلا کھلا دیا ہوگا بچے کو۔'' اسٹور کے مالک کا انداز استہزائیہ تھا، انیشہ کے تو سر پر لگی اور تلووں پر بجھی، جعلی ادویات دے کر کس دیدہ دلیری سے کھڑا تھا، سبحان کو کچھ ہو جاتا تب بھی اس آدمی کی اکڑ ختم نہ ہوتی۔

''اپنی بکواس بند کرو گنجے، یہ میڈیسن جعلی ہے، یہ دیکھو اصل میڈیسن۔'' جو سونیا بھابھی اور شہرام بھائی نے پرائیویٹ ہاسپٹل کے ڈاکٹر سے لی تھی، مالک خود کو گنجا کہنے پر تلملا اٹھا۔

''جاؤ جاؤ میرا دماغ خراب مت کرو، اگر میری ادویات جعلی ہوتیں تو لوگ بھی شکایت لے کر آتے، اب تک میرے اسٹور پر چھاپہ پڑ چکا ہوتا۔'' اسٹور کا مالک کسی بھی گاہک کی آمد سے قبل دونوں کو بھگانا چاہتا تھا، ادویات جعلی اور اصلی دونوں رکھتا تھا، شکایت اگر آ بھی جاتی تو اصلی دکھا دیتا لیکن ایسا شاذونادر ہوتا تھا۔

''تمہارے اسٹور پر اب چھاپہ پڑے گا پھر تمہارا ضمیر جاگے گا۔'' زین اس کی ہٹ دھرمی پر کھول اٹھا تھا۔

''جاؤ پڑوا دو چھاپہ، میری اب تو جان چھوڑو، بڑے آئے چھاپہ پڑوانے والے۔'' اسٹور کا مالک بڑبڑاتا ہوا کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''چھاپہ تو اب ضرور پڑے گا۔'' انیشہ غرائی۔

''او بی بی مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے بچہ مرا تو

نہیں نا، مرنا تو پھر میرے سر پر آ کرنا چتے، دماغ کھالیا میرا، اب جاؤ یہاں سے کوئی گاہک آ گیا تو لحاظ نہیں کروں گا، اب دفع ہو جاؤ دونوں۔'' مالک نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے، انیشہ کوئی چیز تلاش کرنے لگی جو اس گنجے کے سر پر دے مارے۔

''اگر تمہیں کسی کی شکایت موصول نہیں ہو گی، اس کا مطلب ہے تم تو ہو ہی بے ضمیر، لوگ بھی بے ضمیر ہو چکے ہیں، یہ لوگ ہی ہیں جنہوں نے تم جیسے خون آشام درندوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کبھی تمہارا گریبان نہیں پکڑا کہ جعلی ادویات کیوں دیتے ہو، میڈیکل اسٹور بدل لیں گے لیکن اسٹور کے خلاف کوئی شکایت درج نہیں کروائیں گے، یہ حال ہے پڑھے لکھے لوگوں کا وہ یہ نہیں سوچتے جعلی میڈیسن کے استعمال سے وہ خود تو نقصان سے دوچار ہوئے دوسروں کو بھی بچائیں، یہ لوگ ہی ہیں جنہوں نے ہر شعبے میں بے ایمانی کو فروغ دے رکھا ہے، یہی حال رہا لوگوں کا تو معاشرہ کیسے سدھرے گا۔'' انیشہ نے اچھی خاصی تقریر کر ڈالی، زین تو انیشہ کے جوش خطابت کا فین تھا ہی لیکن اسٹور کے مالک کے چہرے پر ناگواری اور اسٹور پر کام کرنے والے دونوں لڑکوں کے چہرے پر بھی تحسین آمیز تاثرات سج گئے۔

''ہو گئی تمہاری تقریر مکمل، اب دونوں دفع ہو جاؤ یا بلاؤں پولیس کو۔'' گنجے مالک کی برداشت کی حد جواب دے گئی۔

''تم زحمت نہ کرو، میں بلا لیتا ہوں پولیس۔'' زین پرسکون انداز میں کہہ کر موبائل نکالا اور احمد کو کال ملائی، مالک اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

''کیا چاہتے ہو تم دونوں۔'' لہجے میں بے بسی تھی۔

''یار اب چپ کر جاؤ کال جا رہی ہے۔'' زین نے مالک کو خاموش کروایا، انیشہ سلگتے تاثرات چہرے پر سجائے گنجے مالک کو حواس باختہ ہوتے دیکھنے لگی، پولیس کے نام پر جس کا رنگ اڑ چکا تھا، احمد نے یونہی کال پک کی زین نے ساری تفصیل احمد کے گوش گزار کی، دوسری طرف احمد بھی سنجیدگی سے بولا۔

''تم وہیں ٹھہرو میں آتا ہوں ابھی پولیس لے کر۔''

''اوکے میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' زین نے اللہ حافظ کہہ کر کال منقطع کر دی۔

''اب کیا کہتے ہو۔'' زین نے مالک کو دیکھ کر ابرو اچکائے۔

''دیکھ لوں گا میں پولیس کو۔'' مالک نے نتھنے پھلائے۔

''یہ ذرا وکھری ٹائپ پولیس ہے نہ بکنے والی۔'' زین آگے کو جھک کر بولا، اسٹور کے مالک کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، ٹھیک ایک گھنٹے بعد اسٹور کا مالک پولیس کے ہمراہ جا رہا تھا، احمد انسپکشن ٹیم ہمراہ لایا تھا، ادویات زیادہ تر جعلی تھیں، میڈیکل اسٹور سیل ہو چکا تھا، معاشرے کے ان ناسوروں کا خاتمہ ضروری تھا، جتنا وہ کر سکتے تھے اتنا کرنا تو ان پر لازم تھا، معاشرے کو سدھارنے کی ذمہ داری ہر شخص پر لاگو ہوتی ہے، ہم یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے زمانہ ہی خراب ہے، زمانہ ہم سے ہی تو ہے۔

''زین مجھے تم سے تمہاری دکان کی چوری کے کیس پر بات کرنی ہے، میں تمہیں کال کرنے ہی والا تھا کہ تمہاری کال آ گئی، اب یہ اسٹور تو بند ہوا، تم میرے ساتھ چلو کسی ریسٹورنٹ میں چل کر ساری حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔'' اسٹور کے

مالک کو پولیس کے ہمراہ بھیج کر احمد زین کی جانب متوجہ ہوا، زین اور انیشہ نے بے پایاں مسرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''چلو ابھی چلتے ہیں، میں بھی بہت پریشان تھا شکر ہے مسئلہ حل ہوا۔'' زین پرجوش ہوا۔

''ابھی مسئلہ کہاں حل ہوا ہے، کچھ افراد پہ شک ہے؟ ابھی کنفرمڈ نہیں ہے۔'' احمد نے زین کے جوش کو جھاگ کی مانند بٹھا دیا، اسی وقت احمد کا موبائل جلترنگ فضا میں بکھیرنے لگا، احمد نے سرعت سے کال پک کی، دوسری طرف سے کچھ ایسا کہا گیا کہ احمد کے چہرے پر پریشانی کے بادل چھانے لگے۔

''او کے میں ابھی آتا ہوں۔'' احمد کال ڈسکنیکٹ کر کے زین سے بولا۔

''سوری یار زین، پریشہ کی کال تھی، نعمان سیڑھیوں سے گر پڑا ہے، زیادہ سیریس چوٹ تو نہیں آئی لیکن پریشہ خاصی پریشان ہے، میں تم سے کل یا پرسوں ملوں گا، تب تک شاید اس بندے پر ہاتھ پڑ جائے۔'' احمد نے زین سے معذرت کی۔

''کوئی بات نہیں یار، بس ذرا خیال رکھنا چاند رات سے قبل بندہ پکڑا جائے، میری شادی عید کے بعد انیشہ سے ہو جائے۔'' زین فکرمندی سے گویا ہوا۔

''تم بالکل فکر نہ کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا، بس دو دن دو میرے دوست۔'' احمد نے زین کے کندھے پر تھپکی دی۔

''او کے۔'' زین نے لمبی سانس کھینچی، احمد الوداعی مصافحہ کر کے اپنی گاڑی میں جا بیٹھا، وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا، دو متعدد پولیس گارڈ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

''چلو انیشہ ہم بھی چلیں۔'' انیشہ بھی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گاڑی میں جا بیٹھی، خوشی کا روزن کھلا تو تھا لیکن ابھی حقیقت کی روشنی کے پھیلنے میں دیر تھی، زین نے گاڑی گھر جانے والے رستے کی بجائے کسی اور راستے پر ڈالی تو انیشہ نے چونک کر استفسار کیا۔

''ہم کدھر جا رہے ہیں۔''

''میں نے سوچا ابھی تمہیں عیدی دلوا دوں، پھر شکوہ کرو گی، میرے سسرال سے میری عید نہیں آئی، امی سے تو ابھی توقع نہیں ہے، ہم فورٹریس جا رہے ہیں۔'' زین ڈرائیونگ کے دوران محبت سے انیشہ کو دیکھتے گمبھیر لہجے میں گویا ہوا، انیشہ کی نگاہوں کے سامنے سلطانہ چچی کا چہرہ گھوم گیا، کتنی بدل گئی تھیں سلطانہ چچی، یقیناً انہیں بہت برا لگے گا زین کے ساتھ میرا شاپنگ کرنا۔

''زین فی الحال گھر چلتے ہیں، پھر کبھی سہی۔'' انیشہ ملتجی لہجے میں بولی۔

''پھر کب، جو کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے۔'' زین اس کے گریز کی وجہ بھانپ گیا تھا، انیشہ بے بسی سے اپنے محبت کرنے والے ہمسفر کو دیکھ کر رہ گئی، زین کی محبت اس کی رگوں میں لہو بن کر دوڑتی تھی، اگر سلطانہ چچی کی طرح زین بھی بدل گیا تو کیا وہ جی پائے گی، دل کو گویا کسی نے مٹھی میں مسلا تھا، بے اختیار نفی میں سر ہلا گیا۔

''انیشہ آر یو او کے۔'' زین اس کے خوبصورت چہرے پر پھیلے اذیت بھرے تاثرات پر پریشان ہوا تھا۔

''کچھ نہیں بس یونہی چچا چچی کا رویہ سوچ رہی تھی۔'' بے ساختہ زبان نے سچ اگلا، زین انیشہ کو جھٹلا نہ سکا، امی ابو کا رویہ وہ اچھی طرح جان چکا تھا۔

''اب اپنا موڈ ٹھیک کرو، میں ہوں نا، سب سنبھال لوں گا۔'' زین نے کئی بار کا کہا ڈائیلاگ

دوبارہ دہرایا۔

''ایک اور بات مجھے تمہارا ہنستا مسکراتا روپ پسند ہے، تم اپنی ننھی جان پر اتنی فکریں مت [illegible] '' انیشہ [illegible] کہنے پر ہنسی [illegible] گئی، اپنے آنے والے کل کے خوف سے وہ اپنے آج کے خوشگوار لمحات کیوں خراب کرے، چہرے پر اب تفکر اور پریشانی کے بجائے محبت اور حیاء کے رنگ سجے تھے، زین مسحور سا ہو گیا، جہاں محبت کے رنگ پھیکے پڑ جائیں وہاں نفرت اپنی جگہ بنانے لگتی ہے اور جہاں نفرت ہو وہاں بے سکونی اور بے آرامی کا راج ہوتا ہے زین نے یہ اس پل جانا تھا۔

☆☆☆

''امی روحا کو پچیس دن ہو گئے ہیں ہمارے گھر رہتے ہوئے خالہ کا دل اداس ہو گیا ہو گا، آپ روحا کو بھجوا دیں اب۔'' زین افطاری سے پندرہ منٹ قبل گھر لوٹا تھا۔

چینج کر کے سلطانہ بیگم کے پاس آ بیٹھا، جو پودینے کی پتیاں چن رہی تھیں، روحا کچن میں مصروف تھی، زین نے آواز دانستہ بلند رکھی تھی، تا کہ روحا بھی سن لے، رات انیشہ کو زین نے خوب شاپنگ کروائی تھی اور سلطانہ بیگم اور روحا کی نظر بچا کر انیشہ کے کمرے میں رکھ آیا تھا، وہ جانتا تھا روحا اور سلطانہ بیگم بالکونی میں بیٹھی ہوں گی، وہ روحا کو اب گھر سے بھجوانا چاہتا تھا۔

''آئے ہائے تمہیں روحا کا وجود گھر میں کیوں کھٹکنے لگا ہے، اپنی خالہ کے گھر ہے وہ اور اب تو بیاہ کر بھی اسے اسی گھر آنا ہے۔'' سلطانہ بیگم نے اپنا ارادہ زین پر آشکار کرنا ضروری سمجھا، سلطانہ بیگم سعیدہ کے حالات سے واقف تھیں سو یہی طے پایا تھا دونوں بہنوں کے مابین، عید کے بعد نکاح بمعہ رخصتی ہو جائے گا، جہیز کی ضرورت نہ تھی، زین کے اندر تک ناگواری بھر گئی۔

''روحا پودینہ لے جاؤ میں نے چن دیا ہے۔'' روحا جو زین کی باتوں پر دلگرفتہ ہو گئی تھی، [illegible] شادی کی بات پر کھل اٹھی تھی [illegible] بیگم کے پکارنے پر کچن سے باہر نکل کر سلطانہ بیگم اور زین کے قریب آ کھڑی ہوئی، نگاہ کرسی پر براجمان زین کی جانب اٹھ گئی، زین کی پرسوچ نگاہ بھی روحا پر ٹکی تھی، روحا کا دل دھڑکا، کچھ پل زین کے سنگ گزارنے کی خواہش مچلی۔

''خالہ میں افطاری کے بعد گھر کا چکر لگا لوں، زین کے ساتھ ہی واپس آ جاؤں گی۔'' دھڑکتے دل کے ساتھ اپنی خواہش سلطانہ بیگم کے گوش گزار کی، سلطانہ بیگم کی آنکھیں کسی خیال سے چمک اٹھیں، بے ساختہ سر پر ہاتھ مارا پہلے ایسا نادر خیال کیوں نہ ذہن میں آیا۔

''ہاں ہاں ضرور جاؤ، زین روحا کو سعیدہ سے ملوا لانا، خود بھی خالہ سے مل لینا، ہمیشہ شکوہ کرتی ہیں زین کبھی خالہ سے ملنے نہیں آیا۔'' زین جی بھر کر بدمزہ ہوا، ناحق بات چھیڑی، اسے خالہ خالو کے انداز عجیب سے لگتے تھے، جب بھی وہ گیا دونوں کی گفتگو طنزیہ پیرائے میں لپٹی ہوتی تھی، اس کا دل کبھی نہ چاہتا تھا کہ وہ خالہ کی طرف جائے، لیکن زین کو اب جانا ہی تھا، روحا کو ملوانے کی بجائے اب اسے گھر ہی چھوڑ آنا تھا، افطاری کے بعد زین کے ہمراہ سیڑھیوں سے اترا، صحن میں ٹھنڈی خوشگوار ہوا میں لطف اندوز ہوتیں سیما بیگم اور سونیا کے پاس چند لمحے ٹھہر گیا، انیشہ نماز مغرب کے بعد تلاوت کلام پاک کر رہی تھی، زین نے ادب و محبت سے سلام کیا۔

''جیتے رہو شاد آباد رہو۔'' سیما بیگم زین کی محبت پر دعاؤں سے نوازنے لگیں، ان کا داماد تو ہیرا تھا، روحا کو کوفت نے آ گھیرا، اس کے چہرے

کے زاویے بری طرح بگڑ گئے۔
''یہ ساری ہی جونکیں ہیں جو زین سے چمٹی رہتی ہیں، شادی ہو جائے میری یہاں تو کسی صورت نہیں رہنا مجھے، زین اور میں الگ گھر میں رہیں گے۔'' مستقبل کے منصوبے باندھتی وہ بادل نخواستہ زین اور سیما بیگم کی گفتگو سننے لگی۔
''کہاں جا رہے ہو زین۔'' سیما بیگم نے استفسار کیا۔
''روحا کے گھر۔'' زین نے مختصر جواب دیا۔
''روحا تم کیسی ہو بیٹی۔'' سیما بیگم نے روئے سخن روحا کی جانب موڑ کر محبت سے استفسار کیا۔
''ٹھیک ہوں میں۔'' لٹھ مار انداز، سیما بیگم خجل ہوگئیں، زین کو تپ چڑھ گئی، لیکن بنا کوئی سرزنش کیے روحا کو مخاطب کیا۔
''چلو اب۔'' روحا زین کے ساتھ گیٹ سے باہر نکل گئی، سیما بیگم اور سونیا نے تفکر سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔
آخر یہ آنکھ مچولی کا کھیل کب بند ہوگا، دل وسوسوں میں گھرا رہتا تھا، معمولی سی بات بھی بہت بڑی لگتی تھی، زین پر تو انہیں اعتماد تھا لیکن سلطانہ بیگم اس کے آگے سوچ کر ہی ان کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔
زین اور روحا کو ایک ساتھ دیکھ کر سعیدہ کی خوشی سے باچھیں چڑ گئیں، بڑے تپاک اور محبت سے زین سے ملی، اسی اثناء خالو عبد الرزاق کمرے میں داخل ہوئے۔
''اوئے آج چاند چڑھ گیا ہمارے گھر، زین آیا ہے۔'' محبت سے آگے بڑھ کر زین کو گلے لگایا، زین حیران پریشان یہ اتنی محبتیں کیوں امڈ رہی ہیں، پھر ایک خیال ذہن کے پردے پر لہرایا تو ہونٹ اوہ کے انداز میں سکڑ گئے، چاپلوسیاں کی جا رہی ہیں میری، اس محلے کی گلیاں تنگ اور گندگی سے اٹی تھیں، زین نے گاڑی محلے کے باہر کسی کی دکان کے سامنے پارک کی تھی، اب اسے جلد جانا تھا، گاڑی محفوظ جگہ پر نہ تھی۔
''زین بیٹھو تم، کیا کھاؤ گے۔'' سعیدہ محبت سے بچھ بچھ جا رہی تھی، زین کو بیٹھنا پڑا۔
''کچھ نہیں کھاؤں گا خالہ، کھا کر آیا ہوں میں۔'' طائرانہ نگاہ سے واحد کمرے کا جائزہ لیا، کمرے میں خاصی تبدیلیاں آ چکی تھیں، فریج جو اسے کبھی خالہ کے گھر نظر نہیں آیا تھا، فل سائز فریج کمرے میں موجود تھا، ائیر کولر بھی کونے میں پڑا تھا، گھر کی حالت بھی قدرے سدھری ہوئی تھی۔
''خالو جی آپ نے لگتا ہے کوئی کام شروع کر دیا ہے۔'' زین کے انداز میں ستائش تھی، دونوں میاں بیوی ایک لمحے کے لئے گڑبڑا گئے، خالو عبد الرزاق جھٹ بولا۔
''ہاں زین بیٹا، کام اپنا شروع کیا ہے، اللہ نے تو دن پھیر دیے ہیں، اب روحا اپنے گھر کی ہو جائے یہی فکر دامن گیر رہتی ہے۔'' زین نے جی بھر کے خود کو کوسا، روحا کا ذکر اسے کوفت میں مبتلا کرتا تھا۔
''آپ دونوں روزے رکھتے ہوں گے تو روحا کے نہ ہونے سے کام کی تنگی تو ہوتی ہوگی خالہ۔'' زین نے ایک طرف بیٹھی روحا کو دیکھ کر کہا۔
''کیسی تنگی، ہم دونوں میں سے کوئی روزہ نہیں رکھتا، روزہ تو روحا سے بھی نہیں رکھا جاتا، اوپر سے گرمی کا روزہ، کیوں نی روحا کتنے روزے رکھے ہیں تو نے۔'' زین کو انتہائی دکھ ہوا، صحت مندی کی دولت سے مالا مال خالہ خالو کس

دھڑلے سے روزہ نہ رکھنے کا اعتراف کر رہے تھے، روحا کا جواب سن کر زین ششدر۔

''بس امی پانچ چھ رکھے ہوں گے، وہ بھی خالہ نے زبردستی رکھوا دیے، تو تو جانتی ہے مجھ سے بھوک کہاں برداشت ہوتی ہے۔'' برداشت تو زین کی بھی جواب دے گئی تھی، کس لب و لہجے میں یہ آپس میں گفتگو کرتے تھے۔

''او کے خالہ میں چلتا ہوں، کچھ کام ہے مجھے۔'' زین اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے آئے، آپ اٹھ کر چل دیئے، کچھ دیر اور امی کے پاس تو بیٹھ لوں، پھر چلیں گے۔'' روحا پریشانی سے بولی۔

''میں نے کب کہا تم بھی میرے ساتھ چلو، تم یہیں رہو خالہ کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔'' زین کا خشک لہجہ، خالہ خالو کو بری طرح چبھا۔

''بھئی آپ جیسے بڑے لوگ ہمارے غریب خانے پر کیوں ٹھہرنے لگے۔'' خالو عبدالرزاق کے طنز پر زین تحمل سے گویا ہوا۔

''بڑی ذات صرف رب تعالیٰ کی ہے اور آپ کیسے غریب ہو گئے جس انسان کے پاس سر چھپانے کو چھت اور دو وقت کی روٹی میسر ہو اس پر شکوہ کرنا جچتا نہیں، شکر واجب ہے ایسے بندے پر، خیر اب تو آپ خاصے ویل ہو گئے ہیں۔'' زین کی نگاہوں نے پھر کمرے کا جائزہ لیا تھا، دونوں میاں بیوی کے دل میں جو چور تھا اس نے دونوں کی بولتی بند کر دی، زین سلام کرتا بیرونی دروازے کی جانب بڑھا، روحا پیر پٹختی پیچھے بھاگی لیکن زین جا چکا تھا۔

☆☆☆

سلطانہ بیگم منہ پھلائے کچن میں افطاری کی تیاری میں لگی تھیں، زین کا روحا کو چھوڑ کر آنا انہیں بری طرح کھلا تھا۔

''اب تو تیری شادی روحا سے ہی ہو لی، کیا سمجھتا ہے خود کو، ماں کے مقابلے پر کھڑا ہو گا۔'' بڑبڑاتی ہوئیں برتن پٹخ رہی تھیں، زین آج افطاری سے ایک گھنٹہ قبل گھر آ چکا تھا، سلطانہ بیگم نے سلطان صاحب کو اشارہ کر دیا تھا، زین سے فائنل بات کر لیں خود کچن میں آ گئیں، تب سے کھول رہی تھیں بند کمرے میں سلطان اور زین کی گفتگو جاری تھی، وہ کمرے میں جانے کی شدید خواہش مند لیکن افطاری کون بناتا، روحا نے ساری ذمہ داری سنبھال رکھی تھی، کتنا سکون تھا، وہ سوچ کر رہ گئیں، انہیں بھول کر بھی پچھلے گزرے رمضان کے دن یاد نہ آئے جب وہ سب نچلی منزل پر سحر و افطار کرتے تھے، انہیں ہر چیز بنا مانگے میسر آ جاتی تھی، روحا کا چند دن کا پہنچایا سکون انہیں یاد تھا جو لوگ برسوں سے ساتھ تھے، وہ بھول چکے تھے انہیں، ہائے ری نفرت۔

''چچی جان!'' انیشہ نے دھیمے لہجے میں کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر چچی کو پکارا۔

''لو جی اب یہ ٹپک پڑیں، ڈھیٹ ابن ڈھیٹ۔''

''کیا ہے؟'' پھاڑ کھانے والا لہجہ، انیشہ سن ہو گئی سلطانہ چچی کا رویہ ہر بار دل کو لہولہان کر دیتا تھا لیکن قطع تعلقی قریبی رشتوں سے اسلام میں منع تھی، ویسے بھی انیشہ زین کے نکاح میں تھی، وہ لوگ تو محبت کے رنگ در و دیوار پر سجانے کے خواہش مند تھے، عید میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے محبت کے رنگ عید کے سنگ پھیکے پڑ جائیں، اس لئے بار بار چلے آتے تھے۔

''اب پھوٹو بھی کچھ، مجسمہ بند گئی ہو۔'' سلطانہ بیگم کچن کی گرمی کا سارا غصہ انیشہ پر برسا رہی تھیں۔

''امی کہہ رہی ہیں افطاری اور سحری آپ نیچے کرلیا کریں۔'' لہجہ روہانسا تھا جس کی سلطانہ بیگم کو مطلق پرواہ نہ تھی۔

''کیوں اب کیا ہوگیا ہے، جو تمہاری ماں یہ سب فرما رہی ہیں۔'' طنزیہ لہجہ تیکھے چتون، انیشہ کا دل لہولہو ہونے لگا۔

''آپ افطاری اور سحری کیسے بنائیں گی، صرف اس خیال سے انہوں نے کہا ہے۔'' انیشہ نے دکھتے دل کو سنبھالتے ہوئے بروقت بات مکمل کی۔

''مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں، ہاتھ پیر سلامت ہیں میرے، معذور نہیں ہوں جو کچھ کر نہیں سکتی، جاؤ اب، میرا دماغ نہ کھاؤ۔'' تنفر سے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کرکے وہ پھر پیاز کاٹنے لگیں، انیشہ بے جان ہوتے قدموں کو گھسیٹتی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔

''سب کچھ کیسے ٹھیک ہوگا میرے اللہ، میں زین کے بنا نہیں رہ سکتی۔'' اپنے نازک ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتی سیڑھیاں اترنے لگی۔

''ابو جی، آپ کیا کہہ رہے ہیں، کچھ اندازہ ہے آپ کو، میں انیشہ کو طلاق دے دوں۔'' زین ہکلا کر بولا۔

''جی برخوردار، تمہاری ماں انیشہ کا جینا حرام کر دے گی، پھر تمہاری محبت بھی انیشہ کو ٹوٹنے سے نہیں بچا پائے گی، الگ تم ہو نہیں سکتے اس کی اجازت میں اور سلطانہ تمہیں نہیں دیں گے، بہتر یہی ہے جو تمہاری ماں چاہتی ہے مان لو، گھر کے سکون کے لئے یہی بہتر ہے، میرے بڑے بھائی نے اس دن کے بعد میری خبر نہیں لی، میرا بھتیجا اتنا مصروف ہے، کبھی آ کر جھانکا تک نہیں، چچا کس حال میں ہیں، سیما بھابھی، سونیا کیا کبھی کوئی آیا مجھے پوچھنے بتاؤ، مجھے اکیلا کر دیا میرے اپنوں نے۔'' سلطان صاحب کا لہجہ گلوگیر ہوگیا، زین کے دل کو کچھ ہوا، یعنی ابو کے دل کی دوری کی وجہ مال کی چوری نہیں یہ ہے کو کوئی ان سے ملنے اوپر کیوں نہیں آیا۔

''مجھے انیشہ سے ہی شادی کرنی ہے ابو، وہ میری محبت ہے، اپنوں سے اتنی جلدی بدگمان نہیں ہوتے کیا پتہ ان کے پاس بھی اس بات کا جواز موجود ہو، اگر وہ نہیں ملنے آئے تو آپ ہی دل بڑا کرکے چلے جاتے، آپ نے بھی تو نفرت کا اظہار کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔'' زین کو انیشہ کے سلام کے جواب میں ان کا نظر انداز کرنا یاد آ گیا۔

''بس بات ختم کرو، جو میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔'' سلطان صاحب قطعیت سے کہہ کر بیڈ پر لیٹ گئے۔

''میں جانتا ہوں ابو، اس فیصلے پر آپ کا دل بھی دکھی ہے، لیکن یہ میرا وعدہ ہے اس عید کے سنگ اس گھر کے در و دیوار کو محبت کے رنگوں سے ضرور سجاؤں گا۔'' زین ٹھوس پرعزم لہجے میں کہتا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

زین آفس میں بیٹھا کمپیوٹر پر بزی تھا لیکن ذہن و دل اسی پریشانی میں الجھا تھا، آج چھبیسواں روزہ تھا، احمد نے کوئی اطلاع نہ دی تھی، کام پر فوکس نہ ہونے کے باعث وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''میں احمد کو خود کال کر لیتا ہوں۔'' یہی سوچ کر موبائل کی جانب ہاتھ بڑھایا، اسی پل موبائل پر مترنم بیل بجی، سکرین پر احمد کالنگ جگمگاتا دیکھ زین نے سرعت سے کال پک کی۔

''ہاں احمد، کوئی سراغ ملا۔'' زین نے چھوٹتے ہی بنا سلام دعا کے سوال داغ دیا۔

''او بھائی کوئی سلام نہیں جھٹ اپنا کام سنا دیا۔'' احمد کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔

''احمد میں بہت پریشان ہوں یار، جلدی بتا۔'' زین کنپٹی کو انگشت شہادت سے مسلتا بے چینی سے بولا۔

''سراغ مل گیا ہے زین۔'' احمد کا لہجہ یک لخت سنجیدہ ہوا۔

''سچ۔'' زین خوشی کے باعث کرسی سے اچھل پڑا۔

''بالکل سچ، عبدالرزاق نامی بندے نے طوفانی رات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ٹرک تمہاری دکان کے عین سامنے کھڑا کیا اور سارا مال اس میں لاد لیا، حیرت انگیز بات جس پر کسی کی توجہ نہیں گئی، تالا ٹوٹا ہوا نہیں تھا بلکہ کھول کر بڑے سکون سے مال چرایا گیا ہے۔'' احمد نے تفصیل گوش گزار کی۔

''یار اسی وجہ سے تو امی ابو نے تایا جان پر شک کیا ہے، کیونکہ ایک چابی تایا جان کے پاس تھی، بہر حال اب بتاؤ اس بندے پر ہاتھ ڈال دوں۔''

''ایک منٹ عبدالرزاق تو میرے خالو کا نام ہے، کیا تم اس شخص کو دیکھ چکے ہو۔'' زین نے ایک خدشے کے تحت پوچھا۔

''یہ ساری اطلاع مجھے میری فورس نے دی ہے یہ شخص بازار میں برتنوں کی دکان بنا کر بیٹھا ہے، میں نے سراغ لگایا ہے کارروائی میں نے تمہارے کہنے پر کرنی ہے۔''

''اچھا ایک دن ٹھہر جاؤ، مال تو برآمد کروانا ہی ہے، اس کی چھترول بھی ہونی چاہیے، میں تمہیں کل کال کروں گا۔'' زین کچھ سوچ بیٹھا تھا۔

''ٹھیک ہے یار، کل پھر بتا دینا، بندہ آپ کے حکم کا منتظر ہے۔'' احمد شوخی سے بولا۔

''احمد تھینکس یار، تم میرے پیارے دوست ہو، ہر مشکل میں کام آنے والے۔'' زین کا لہجہ تشکر سے پر تھا۔

''دوست بھی کہتے ہو اور شکریہ بھی بولتے ہو او بھائی شکر رب کا ادا کرو جس نے مجھے تمہارا دوست بنایا۔'' احمد ہنستے ہوئے بولا، جواباً زین قہقہہ لگا کر ہنس پڑا، دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا تھا، احمد کو اللہ حافظ کہہ کر زین سوچوں کے حصار میں بھٹکنے لگا۔

''اگر عبدالرزاق نامی بندہ خالو نکلا تو امی کو تو بنا ثبوت یقین نہیں آئے گا، چلو ثبوت بھی مہیا کر دوں گا، پہلے گھر کے افراد کے دلوں سے رنجشیں تو ختم کروں۔'' یہ کام اسے آج ہی کرنا تھا۔

☆☆☆

ڈائننگ ٹیبل کے گرد سلطان صاحب، سلطانہ بیگم اور زین افطاری کا سامان ٹیبل پر سجائے بیٹھے تھے، زین کی منتظر نگاہیں سیڑھیوں پر مرکوز تھیں، سیڑھیوں پر اکرم صاحب نمودار ہوئے تو جہاں زین کا چہرہ خوشی سے کھل گیا وہیں سلطانہ بیگم کا چہرہ سیاہ پڑ گیا، اکرم صاحب کو تو انہوں نے کبھی سلطان صاحب سے ملنے نہ دیا تھا آج کیسے اکرم بھائی نے اوپر آنے کی جرأت کر لی وہ بھی افطاری کے وقت، زین محبت سے تایا جان سے گلے ملا، سلطان صاحب کی بڑے بھائی کو سامنے دیکھ کر گویا قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی، بس دیکھے گئے، اکرم صاحب نے بیٹھے ہوئے سلطان کو زبردستی کھڑا کیا اور گلے لگا کر خوب بھینچا۔

''یار بھائی سے اتنا ناراض تھا کہ ملنا تو دور کی بات دیکھنے سے بھی گیا۔'' اکرم صاحب کا گلا رندھ گیا، سلطان صاحب کا دل تو بھائی کو دیکھتے

ہی نرم پڑ گیا تھا، سارے گلے شکوے کہیں منہ چھپا گئے تھے۔

''دوریاں بڑھتی ہی تب ہیں جب ہم منہ چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں۔'' انہوں نے اب جانا تھا، سلطانہ بیگم سیاہ پڑتے چہرے کے ساتھ دونوں بھائیوں کو ملتا دیکھ رہی تھیں، اکرم صاحب بھی ایک چیئر پر بیٹھ گئے۔

''بھئی آج افطاری تمہارے ساتھ کروں گا۔'' لہجے میں محبت تھی۔

''کیوں نہیں بھائی جان۔'' سلطان صاحب جواباً کھلے دل سے بولے۔

''اور تم کیسی ہو سلطانہ۔'' اکرم صاحب نے سلطانہ کو یوں مخاطب کیا گویا کبھی انہوں نے دل دکھانے والی کوئی بات کی ہی نہ ہو، سلطانہ بیگم کا تو نفرت اور غصے سے برا حال تھا، انہیں کامیابی ملنے کی سو فیصد امید ہو چلی تھی، یقیناً یہ زین کی کارستانی ہوگی۔

''ہونہہ، کیا کرے گا، ہوگا تو وہی جو میں چاہوں گی۔'' اکرم صاحب کے مخاطب کرنے پر بھی سلطانہ بیگم نے منہ کے زاویے درست نہ کیے، کھول کر انگارہ پھینکا۔

''بھائی صاحب دکان سے مال کا چوری ہو جانا ہمیں ابھی تک بھولا نہیں۔'' اکرم صاحب نے دکھ سے زین کی جانب دیکھا، سلطان صاحب بھی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے، یہ عورت کھلتی ہوئی گرہ دوبارہ کس کے دلوں کے گرد باندھ دیتی ہے۔

''چور کا سراغ بھی مل گیا ہے، تایا جان کے متعلق ایسی بات سے گریز کیا کریں امی، ساری صورتحال سے آگاہ کر دوں گا، بلکہ آپ کو ثبوت بھی فراہم کروں گا، اب آپ پرسکون ہو جائیں اور دعا مانگیں۔'' زین سنجیدگی سے کہتا دعا مانگنے لگا، وہ آفس سے آدھی چھٹی لے کر تایا جان کے پاس چلا گیا تھا، انہیں ابو کے شکوے سے آگاہ کیا، اکرم صاحب نے زین کو بتایا کہ وہ کافی مرتبہ اوپر آئے تھے سلطان سے ملنے لیکن سلطانہ نے ملنے نہیں دیا، ہاں غلطی ان سے ہوئی تھی، اگر بھائی دیکھ کر منہ پھیر لیتا تھا تو انہیں چاہیے تھا ان کی غلط فہمیاں دور کرتے، بس منتظر ہی رہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، خود بھی آگے نہ بڑھے، سب کچھ ٹھیک ہونے کی بجائے مزید بگڑ گیا تھا، مغرب کی اذان نے پر مقدس سکوت کو توڑا، چاروں نفوس نے خاموشی سے روزہ افطار کیا، افطاری سے فارغ ہونے کے بعد اکرم صاحب سلطان صاحب کی جانب متوجہ ہوئے۔

''جو کچھ بھی تمہارے دل میں ہے سلطان سب کہہ ڈالو، مجھے بھی تو آخر پتہ چلے میرا قصور کتنا ہے؟ کہ میرا پیارا بھائی مجھ سے بدگمان ہو گیا۔'' لہجہ پرسکون اور ٹھہرا ہوا تھا۔

''ہونہہ منافقت بھرے چونچلے۔'' ٹیبل پر سے برتن اٹھاتی سلطانہ بیگم نے تنفر سے سوچا۔

''انہیں کسی بات کا ڈر نہ تھا، انہیں وہی کرنا تھا جو وہ سوچے بیٹھی تھیں۔'' سلطان بیگم نے کچھ پل خاموشی سے بڑے بھائی کا چہرہ دیکھا، زین مطمئن تھا، اب رشتوں پر چھائی کثافت کی دھند چھٹ جائے گی اور مطلع صاف ہو جائے گا، سلطان صاحب کے لبوں سے شکایات کو گویا پنڈورا باکس کھل گیا، جو جو گرہ سلطانہ بیگم نے ان کے دل پر لگائی تھی وہ سب بھائی کے سامنے کھول کر بیان کر دی، اکرم صاحب کچھ پل بول ہی نہ سکے، دل دکھ سے بھر گیا تھا، لیکن انہیں بدگمانیوں کو ہی تو ختم کرنا تھا۔

''میں نے تمہیں کبھی بل نہیں دکھائے یہ سچ ہے، کیونکہ میں جانتا تھا میرا خرچ زیادہ ہے تمہارا

خرچ کم۔''

''زین نیچے سے تینوں میٹرز کے بل لے کر آؤ۔'' زین نے باپ کے کہنے کے باوجود میٹرز الگ نہیں لگوائے تھے، زین تایا کے حکم پر فوراً اٹھ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھا اور کچھ ہی دیر میں بل سامنے لا رکھے۔

''بلوں پر درج رقم دیکھو، بجلی کا بل دس ہزار تھا، تم سے کتنا لیا صرف دو ہزار، اس طرح گیس اور پانی کے بل بھی یوں ہی انتہائی کم وصول کیے گئے تھے، میں نے تو کبھی تم پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالا، تم نے کیوں مجھ پر اتنا بڑا بوجھ لاد دیا، مجھ پر میری نیت پر شک کیا، مجھے خائن بنا ڈالا، شکوہ تو مجھے ہے تم سے۔'' اکرم صاحب کا لہجہ گلوگیر اور رندھا ہوا تھا، سلطان صاحب شرمندگی سے سر نیہوڑائے بیٹھے تھے، سلطانہ بیگم نے ان بڑے بھائی کے سامنے سر نیچا کر دیا تھا، اس عورت کے فریب کے جال نے انہیں اس شدت سے جکڑا تھا، کہ وہ اس کی زبان سے بولتے، اس کی آنکھوں سے دیکھتے اور اسی کے کانوں سے سننے لگے تھے۔

''میری دکان بھی تمہاری ہی دکان ہے، میں نے تو کبھی فرق رکھا ہی نہیں، رمضان کا پورا مہینہ ناراضگی میں گزار دیا، مجھے میرے بھائی سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں، جس طرح چاہتا ہے ویسے کر لے، مگر یار مجھ سے کبھی بدگمان نہ ہونا، بیٹی کا معاملہ تو بعد میں آتا ہے، اس سے پہلے تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔'' اکرم صاحب کے لہجے میں سچائی تھی، سلطان صاحب اس سچائی سے کیونکر منکر ہوتے، سلطانہ نے آگ لگائی تھی تو وہ کون سا کم تھے، انہوں نے بیوی کی باتوں پر یقین کیا ہی کیوں، زیادہ قصوروار وہ خود تھے، بیٹھے بیٹھے ہی وہ بھائی کے گلے لگ گئے۔

''مجھے معاف کر دیں بھائی میں غلطی پر تھا۔'' سلطانہ بیگم گویا جلتے توے پر مکئی کے دانے کی طرح جل بھن رہی تھیں، دونوں بھائی گلے لگے رو رہے تھے، زین کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں، اس برسات کے بعد دلوں سے نفرتوں کدورتوں اور بغض کی کثافت ڈھل کر وجود کو معطر اور صاف کر دے گی وہ جانتا تھا۔

''امی آپ کو تایا جان سے متنفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' لہجے میں دکھ اور افسوس کی بھرمار لئے زین نے ماں کو مخاطب کیا، تایا جان ابو کو نچلی منزل پر لے گئے تھے، نیچے سے ہنسنے بولنے کی آوازیں اوپری منزل تک آ رہی تھیں جو سلطانہ بیگم کا دل مزید جلا رہی تھیں، محبت کی جیت ہوئی تھی، نفرت سر پٹخ کر ہار رہی تھی۔

''مجھے انیشہ کو بہو ہرگز نہیں بنانا، اس کے لئے جو صحیح لگا میں نے کیا، اگر تم چاہتے ہو دونوں گھروں کا تعلق جڑا رہے تو انیشہ کو چھوڑ دو، مجھے وہ زہر لگتی ہے، ذرا جو شرم لحاظ ہو تمہیں ساتھ لے کر گھر سے نکل جاتی ہے، تمہیں مجھ سے غافل کر دیتی ہے کیسے بہو بنا لوں اس کو، بس یہی میرا حکم ہے۔'' سلطانہ بیگم کے لہجے میں انیشہ کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

''انیشہ کو چھوڑ دوں، مطلب سانس لینا چھوڑ دوں۔''

''اللہ نہ کرے۔'' سلطانہ بیگم دہل گئیں۔

''روحا ہے نا، اس سے شادی کرواؤں گی تمہاری، دھیمے لہجے میں بات کرنے والی، ہرگز چھچھورپن کا مظاہرہ نہیں کیا، اتنے دن ہمارے گھر میں رہی۔'' سلطانہ بیگم کے لہجے میں روحا کے لئے محبت ہی محبت تھی، زین کے دل میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا، چبھن آنکھوں میں ہوئی۔

''میں انیشہ کو نہیں چھوڑ سکتا امی۔'' لہجے میں

ان دیکھا کرب تھا۔

''نچلی منزل سے پھر ہنسی کی آواز گونجی۔'' سلطانہ بیگم مزید کھول کر رہ گئیں۔

''ہونہہ کیسے خوشیاں منائی جا رہی ہیں میرے دل کو جلا کر۔'' بڑبڑا کر اندر کی کھولن نکالی گئی، زین بے بسی سے ماں کو دیکھ کر رہ گیا، کاش وہ امی کو بتا سکتا سمجھا سکتا، دل سے جڑے رشتوں سے الگ ہو کر انسان زندہ تو رہتا ہے، لیکن زندگی مر جاتی ہے۔

''تمہارے ابو کو تو اپنے مل گئے، تم کو بھی میرے حکم کا کوئی پاس نہیں، اس گھر میں میری کوئی عزت وقعت نہیں، فیصلوں کا اختیار تم ماں بیٹا سنبھالو، مجھے اب اس گھر میں نہیں رہنا، مجھے میری بہن کے گھر چھوڑ آؤ، دو وقت کی روٹی بھاری نہیں ہو گی میری بہن پر۔''

''ہونی بھی نہیں چاہیے آخر کو آپ کا مال وہ ہی لوگ اڑا رہے ہیں۔'' زین محض سوچ کر رہ گیا، عبدالرزاق نام سے وہ اس لئے چونکا تھا، کیونکہ خالہ کے حالات خاصے سدھر چکے تھے، احمد کو کل وہ کاروائی کرنے کا کہنے والا تھا، سلطانہ بیگم کمرے میں چلی گئیں، زین بے بسی سے کمرے کی جانب دیکھنے لگا، پندرہ منٹ بعد سلطانہ بیگم کمرے سے نکلیں تو کپڑوں سے بھرا بیگ ان کے ہاتھوں میں تھا۔

''اب یہ کیا ہے امی۔'' زین صحیح معنوں میں چکرا گیا۔

''مجھے میری بہن کے گھر چھوڑ آؤ۔'' سرد لہجہ زین اپنی جگہ منجمد ہو گیا، سلطانہ بیگم سیڑھیوں کی جانب بڑھیں تو منجمد قدم پگھل گئے، سلطانہ بیگم صحن میں پہنچیں تو صحن میں محفل جمی دیکھ کر آگ بگولا ہو گئیں، زین بھی اس دوران قریب آ کھڑا ہوا۔

''جو فیصلے کرنے ہیں کرو باپ بیٹا، میں گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔'' سلطانہ بیگم غرائی تھیں، سیما بیگم نے آگے بڑھ کر ان کو سمجھانا چاہا لیکن سلطان صاحب نے انہیں روک دیا۔

''جانے دیجئے بھابھی کچھ دن بہن کو بھی سیوا کا موقع دیں سلطانہ بیگم، شاید اس طرح ان کو رشتوں میں خلوص اور محبت کی پہچان ہو جائے۔'' اب وہ اس عورت کے مکر وفریب میں نہیں آنے والے تھے، زین کو لاکھ ماں کے فیصلے سے اختلاف سہی لیکن ماں سے محبت بے حد تھی، ان کا گھر سے جانا زین کے لئے باعث تکلیف تھا۔

''جاؤ ماں کو چھوڑ آؤ۔'' سلطان صاحب نے گم صم کھڑے زین کو حکم دیا۔

''لیکن ابو؟'' وہ چاہتا تھا ابو امی کو رعب سے روک لیں۔

''ارے یار کچھ نہیں ہوتا کبھی کبھی کچھ ٹھیک کرنے کے لئے ایسے فیصلے کرنے پڑتے ہیں، جاؤ چھوڑ آؤ اس کا شوق بھی پورا ہو جائے بہن کے گھر رہنے کا۔'' سلطانہ بیگم شوہر کی بات پر پیر پٹختی گیٹ سے باہر نکل گئیں، زین بھی تیزی سے ان کے پیچھے بھاگا۔

خالہ کے گھر جانے والے راستے پر گاڑی ڈال کر زین نے ماں کا سرد تاثرات سے اٹا چہرہ دیکھا تو تاسف ودکھ نے دل کو جکڑ لیا، لب بھینچے وہ گاڑی ڈرائیو کرتا رہا، محلے کے باہر گاڑی کسی محفوظ جگہ کھڑی کر کے ماں کے ہمقدم ہوا۔

''تم جاؤ اب، تمہارا یہاں کیا کام۔'' سلطانہ نے زین کو اپنے ساتھ جانے سے درشتگی سے منع کیا، لیکن زین ان سنی کرتا ساتھ چلتا رہا، دروازہ حسب توقع کھلا تھا، وہ جب بھی خالہ کے گھر آیا تھا دروازہ اسے کھلا ہی ملتا تھا، سلطانہ بیگم

اور زین نے چپ کی مالا جپتے دہلیز پار کی، پھر قدم زمین نے گویا مضبوطی سے جکڑ لئے، وجود آندھیوں کی زد میں آ گئے، کیا دل کو ادھیڑنے والی آوازیں تھیں جو واحد کمرے سے نکل کر دونوں کی سماعتوں کو چھید رہی تھیں، وہ وہیں برف ہو گئے۔

''منحوس خالہ نے دن رات خدمتیں کروا کروا کر مت مار دی میری، ابھی تک نکاح ختم ہونے کی اطلاع نہیں دی، سب ڈھکوسلا تھا، دکھاوے کی محبت، ایک بیٹا تو قابو کر نہ سکی خالہ، امی کہہ دے خالہ سے طلاق دلوائے اس ڈائن انیشہ کو، کھا گئی میرے ارمان چنڈالن، بس تو خالہ پر زور دے، پھر میری شادی زین سے ہو گی، دیکھنا کیسے قابو کرتی ہوں زین کو، خالہ نے بھی خالو کو اس طرح قابو نہ کیا ہو گا جس طرح میں زین کو سب سے دور کر کے صرف اپنا بنا کر رکھوں گی۔'' طمانچہ تھا جو باہر برف بنی سلطانہ کے چہرے پر پڑا تھا، انہیں اندازہ نہ ہوا تکلیف زیادہ تھی یا شرمندگی، وہ زین سے بھی نگاہیں ملانے کے قابل نہ رہی تھیں، زین ماں کے دکھ پر دکھی ہوا تھا، وگرنہ وہ خالہ خالو کی خصلت سے اچھی طرح آگاہ تھا، لیکن کمرے سے ابھرنے والی آوازیں تھمی کب تھیں، ہتھوڑوں کی مانند سلطانہ بیگم کی سماعتوں پر تابڑ توڑ برس رہی تھیں۔

''چل چپ کر کم بخت، سلطانہ تجھے ہی بہو بنائے گی، ایسے ہی تو میں نے انیشہ کے خلاف اس کے دل میں زہر نہیں بھرا، تو بے صبری نہ ہو، سلطانہ میرے اشاروں پر ہی ناچ رہی ہے، کیسے مٹھی میں کیا ہے تیری خالہ کو، دکان کی چابی مجھے لا تھمائی، تیرا باپ ویلا نکما، کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا، مصروف ہو گیا سلطانہ کی بدولت، جب سے سلطانہ کی شادی کھاتے پیتے گھرانے میں ہوئی تھی، میرے دل پر سانپ لوٹتے تھے، میرے ماں باپ نے بھی کتنا فرق کیا دونوں بہنوں میں، ایک کو اچھی جگہ بیاہ دیا مجھے اسے نکمے کے پلے باندھ دیا، جب سے تیرے باپ نے دکان کا مال چرایا ہے، تب سے سینے میں گویا ٹھنڈ پڑ گئی ہے، اب بس تیری شادی زین سے ہو جائے اور یہ ہو بھی جائے گی، سلطانہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔'' انکشاف تھا جو سلطانہ بیگم کے وجود کو ہلا گیا، نظریں شرمندگی کے باعث زمین میں گڑ گئیں، کتنا دل دکھایا تھا انہوں نے مخلص لوگوں کا، کس کے کہنے پر جو خود سلطانہ کے ساتھ حسد رکھتی تھی، اپنے حسد میں وہ سلطانہ کا کتنا نقصان کر گئی تھی، وہ سلطانہ کو بیٹے اور شوہر کی نظروں سے گرا گئی تھی اور انیشہ محبتوں سے گندھی لڑکی، جو جیسی تھی ویسی رہتی تھی، جس نے منافقت کا چولا نہیں اوڑھا تھا، اس کے بیٹے کے دل کی خوشی، انہیں ڈر تھا انیشہ زین کو ماں باپ سے دور نہ کر دے، انیشہ ہنسنے مسکرانے والی لڑکی تھی، روحا نے تو خود پر ادب و رکھ رکھاؤ اور خوش اخلاقی کا خول چڑھا رکھا تھا، اگر وہ بے خبری میں روحا کو بیاہ لاتیں تو گھر کا شیرازہ ہی بکھر جاتا۔

''امی!'' زین نے دھیرے سے پر محبت لہجے میں ماں کو پکارا، ماں شرمندہ تھی وہ جان گیا تھا، اسے مزید شرمندہ نہیں کرنا تھا، برف کا مجسمہ لہجے کی پر حدت محبت کی تپش سے پگھل گیا۔

''اب خالہ سے ملنا ہے یا نہیں۔'' زین نے نرم دھیمے لہجے میں استفسار کیا، کمرے میں کولر چلنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

''واپس گھر چلو زین۔'' اب کے لہجہ مضبوط تھا۔

''بیٹا مضبوط سائبان ہمراہ تھا۔'' ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تھا۔

''غلطیوں کی معافی مل جاتی ہے، اگر غلطی کا احساس ہو جائے تو۔'' اور انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا، انہیں اب مزید دیر نہیں کرنی تھی، بہن کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا، واپسی کا سفر بہت پرسکون تھا، انہیں زین سے یہ بھی کہنا تھا کیس بند کروا دے، اگر ان کی بہن کے حسد میں کی بہن کو نقصان پہنچا کر آ چکی تھی، تو وہ مزید اس کو حسد کا شکار نہیں بنانا چاہتی تھیں، عبدالرزاق کو جیل میں پہنچا کر، وہ جان گئی تھیں زین کا ایس پی دوست زین کو ساری حقیقت سے آگاہ کر چکا ہو گا، یقیناً زین جان چکا تھا پہلے ہی، اب سعیدہ کے اعتراف جرم نے زین کی مشکل بھی آسان کر دی تھی، وہ صحیح معنوں میں جان گیا تھا ان کے گھر کے امن وسکون میں دراڑیں ڈالنے والا مجرم کون تھا۔

☆☆☆

سلطان صاحب اور اکرم صاحب نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹے تو صحن میں سلطانہ بیگم کو سب کے درمیان چہکتا دیکھ کر دونوں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اتنی جلدی کایا پلٹ، سلطان صاحب ششدر، نگاہ زین کی جانب اٹھ گئی، جو سب کے بیچ راجا اندر بنا بیٹھا تھا۔

''بیٹا جی کچھ ہمیں بھی بتا دیجئے، کہیں حیرت کے سمندر میں ڈوب ہی نہ جائیں۔'' سلطان صاحب دھیرے دھیرے چلتے سلطانہ بیگم کے پاس جا رکے، انہیں تو سب خواب لگ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں سلطان صاحب، میں ہی غلطی پر تھی کتنا دل دکھایا سب کا، ان کا اتنا ظرف مجھے معافی بھی نہیں مانگنے دی اور گلے لگا لیا، میری سگی بہن نے مجھے دھوکا دیا، دکان سے چوری سعیدہ اور عبدالرزاق کی ملی بھگت سے ہوئی تھی، عبدالرزاق وہ سارا مال چرا کر اپنی دکان سجا کر بیٹھ گیا ہے، اب آپ مجھے معاف کر دیں گے تو مجھے سکون ملے گا۔'' سلطان صاحب جو سلطانہ کے سدھرنے اور معافی مانگنے پر دل میں خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے، چوری میں سعیدہ اور عبدالرزاق کے ملوث ہونے پر اشتعال کی لہر تھی، جوان کے ذہن ودل میں اُمڈی تھی، اکرم صاحب محض سرد آہ بھر کر رہ گئے، سیما بیگم، سونیا شہرام اور انیشہ بھی دکھ آمیز حیرت میں گھر گئے۔

''کیا بہن بہن کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے، کیوں کیا انہوں نے ایسا۔'' سلطان صاحب پھنکارے، زین خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

امی نے عبدالرزاق خالو کو سزا نہ دلوانے کا کہا تھا، بات چیت کر کے مال واپس لے لیں گے یہ فیصلہ سلطانہ بیگم کا تھا، سلطان صاحب کیا فیصلہ کرتے اب زین کو وہ سننا تھا۔

''بس میری غلطی سلطان صاحب، سب میری غلطی ہے۔'' سلطانہ بیگم شرمندگی کے باعث رو دیں، سیما بیگم نے بے اختیار آگے بڑھ کر ان کو ساتھ لگا لیا۔

''ہونہہ تمہاری غلطی، تم نے اتنی غلطیاں کی ہیں سلطانہ بیگم کو میرا دل لہولہان ہو چکا ہے، اب کیسے معاف کر دوں تمہیں، تم نے مجھے دھوکا دیا، مجھ سے سب کچھ چھپانے کی مجرم ہو تم۔'' سلطان صاحب کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔

''سلطان بھائی جانے دیں، انسان خطا کا پتلا ہے، خطا معاف کر دیں سلطانہ بہن کی، وہ شرمندہ ہیں بھائی صاحب۔'' سیما بیگم نے التجا کی، باقی نفوش خاموشی کی چادر تانے بیٹھے تھے۔

''زین اپنے دوست سے کہو ابھی اسی وقت اس گھٹیا انسان کو دکان پر چھاپہ مار کر میرا مال برآمد کروائے، حق حلال کی کمائی ہے میری، حرام کی نہیں جو چھوڑ دوں گا۔'' سلطان صاحب نے

گرج کر زین کو حکم دیا، زین نے ماں کی جانب دیکھا جنہوں نے خاموشی سے گردن جھکا دی، گویا خاوند کے فیصلے کو تسلیم کر لیا، زین نے احمد کا نمبر ملایا اور کچھ فاصلے پر جا کر احمد سے بات کرنے لگا، انیشہ محبت سے زین کو دیکھے گئی، وہ کتنی خوش قسمت تھی جو اسے اتنا محبت کرنے والا احساس والا ہم سفر ملا تھا، زین نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا اس نے سب سنبھال لیا تھا۔

''کیا بات ہے بہت پیارا لگ رہا ہوں کیا۔'' انیشہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے دیکھ کر زین قریب آ کر شوخی سے بولا۔

''پیارے تو تم ہو۔'' بے نیازی سے ارشاد فرمایا گیا۔

''اچھا۔'' زین نے اچھا کو لمبا کیا۔

''شکریہ بتانے کا۔''

''اب زیادہ شوخے نہ بنو، سب کا دھیان ادھر ہو گیا ہے۔'' انیشہ نے زین کی توجہ سب کی جانب مبذول کروائی، سب کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی، سلطان صاحب کا غصہ بھی روتی ہوئی سلطانہ بیگم کو دیکھ کر ختم ہو چکا تھا۔

''جاؤ معاف کیا۔'' شاہانہ انداز میں کہہ کر سلطان صاحب نے زین کو آنکھ ماری، زین سمجھ گیا، عبدالرزاق خالو کو جیل میں نہیں ڈلوانا صرف مال واپس لینا ہے، زین نے سر خم کر دیا، سلطان صاحب کے خیال میں سلطانہ بیگم کو اتنا تنگ کرنا تو حق بنتا تھا، سب خوش گپیوں میں مگن ہو گئے جیسے برے دن درمیان میں آئے ہی نہ ہوں، زین کو خود پر پھر نگاہوں کا حصار محسوس ہوا، پلٹ کر انیشہ کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں محبت کا ایک جہاں آباد تھا، زین یک ٹک دیکھے گیا۔

''کیا ہے۔'' انیشہ اس کے مسلسل دیکھنے پر نروس ہوئی۔

''بہت خوب خود مزے سے دیکھتی ہو میں دیکھوں تو لال پیلی ہونے لگتی ہو۔'' زین نے انیشہ کو چھیڑا، انیشہ کے رخسار گلگوں ہو گئے۔

''ہماری شادی کی تاریخ رکھی جا رہی ہے، کیا خیال ہے عید کے دن رخصتی رکھ لوں۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔'' انیشہ حیران ہوئی۔

''ابھی دیکھو کیسے نہیں ہوتا۔'' زین باپ اور تایا کے درمیان جا بیٹھا۔

''ابا حضور اینڈ تایا حضور، ہماری ایک التجا ہے۔'' زین کا انداز عاجزانہ تھا۔

''کہیے شہزادہ حضور، ہم ہمہ تن گوش ہیں۔'' شاہانہ جواب تایا جان کی جانب سے موصول ہوا، سب کے چہروں پر مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''ہم شہزادی انیشہ کی رخصتی عید کے دن چاہتے ہیں کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں۔'' زین نے سنجیدگی سے کہہ کر جملہ حاضرین پر نظر دوڑائی، سکون اور خوشیوں نے سب افراد کے گرد گویا حصار کھینچ رکھا تھا۔

''آپ کی التجا پر ضرور غور کیا جائے گا شہزادہ حضور، ابھی ہم دربار برخاست کرتے ہیں۔'' سلطان صاحب نے شاہانہ انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''سلطان صاحب غور کیا کرنا ہے، میرے زین کی خوشی اگر عید کے دن رخصتی میں ہے تو مان لیں نا اس کی بات۔'' سلطانہ بیگم محبت سے بولیں، انیشہ نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

''یا اللہ تو یوں بھی نوازتا ہے، جو چچی میری صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی، اب خود رخصتی کا کہہ رہی ہیں۔'' آنکھوں سے آنسو چھلک گئے، لیکن کمال مہارت سے چھپا لئے گئے۔

''اچھا بھئی بیگم صاحبہ کی سفارش پر رخصتی کی تاریخ طے کی جاتی ہے، عید کے دن شام سات بجے ہم بارات لائیں گے۔'' سلطان صاحب جوش سے بولے، اکرم صاحب نے بھائی کو گلے لگا لیا، سیما بیگم سلطانہ بیگم کے گلے لگ گئیں، زین اٹھ کر انیشہ کے قریب جا کھڑا ہوا، شہرام اور سونیا نے بھی محبت سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

''انیشہ سب گلے مل رہے ہیں نا۔'' زین نے محبت سے انیشہ کو مخاطب کیا۔

''تو؟'' انیشہ نے بھنویں اچکا کر استفسار کیا۔

''تو پھر کیا خیال ہے۔'' زین معنی خیز انداز میں بولا تو بے ساختہ انیشہ کے منہ سے نکلا ''بدتمیز'' اور ایک ننھا سا مکہ بھی زین کے کندھے پر جڑ دیا۔

''شوہر ہوں تمہارا، حق رکھتا ہوں۔'' زین ابھی بھی باز نہ آیا، انیشہ شرم سے گلنار ہوتا چہرہ لئے کمرے میں بھاگ گئی، زین کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''سلطان صاحب عید میں دو دن رہ گئے ہیں، میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں کیسے ہوگی تیاری۔'' سلطانہ بیگم بیڈ پر سلطان صاحب کے قریب بیٹھتے ہوئے تفکر سے بولیں، سلطان صاحب نے اچانک سلطانہ بیگم کے ہاتھ پکڑ لئے اور پھر پاؤں کا بغور جائزہ لیا، سلطانہ بیگم شرمانے کے ساتھ گھبرا بھی گئیں۔

''کیا دیکھ رہے ہیں سلطان صاحب۔''

''تم تو کہہ رہی تھیں ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں تو بالکل ٹھیک ہیں۔'' آنکھوں میں شرارت اور لہجے میں سنجیدگی، سلطانہ بیگم نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑائے۔

''آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔'' انداز نروٹھا تھا، سلطان صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''انیشہ اور سیما بھابھی کو لے جاؤ بازار، جو

کچھ خریدنا ہے خرید لو، ہو جائے گی تیاری، پریشان نہ ہو۔" سلطان صاحب نے تسلی دی۔

"السلام علیکم چچی اینڈ چچا۔" انیشہ کی چہکتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی، دونوں نے محبت سے اس چہکتی بلبل کو دیکھا جس کی چہکاروں نے گھر کے درودیوار میں رچے سناٹوں کو بھگا دیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں نے محبت بھرا مشترکہ جواب دیا۔

"یہ لیں مزے دار بریانی، مابدولت نے اپنے خوبصورت ہاتھوں سے بنائی ہے۔"

"لاؤ بھئی مجھے دو، اپنی بیٹی کے ہاتھ کی پکی بریانی میں کھاؤں گا۔" سلطان صاحب نے چٹخارہ لیا۔

"خبردار سلطان صاحب اگر اکیلے بریانی چٹ کی تو میرا حصہ بھی رکھنا ہے۔" سلطانہ بیگم مصنوعی غصے سے بولیں۔

"بھئی غصہ کیوں کرتی ہو، آؤ مل کر کھائیں، انیشہ تم سیما بھابھی کو بتا دو، ابھی بازار جانا ہے، زین لے جائے گا تم سب کو، دل کھول کر زین کی جیب ہلکی کرنا، میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔" سلطان صاحب انیشہ کو حکم دے کر خود مزے سے بریانی کھانے لگے، سلطانہ بیگم بھی کہاں پیچھے رہتیں، دونوں مل کر بریانی کھانے لگے، انیشہ محبت سے ان کو دیکھتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

"ہر لمحہ اللہ کے کنٹرول میں ہوتا ہے کسی پل بھی انسان کو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ ہر پل ہمارے ساتھ ہوتا ہے۔" انیشہ جان گئی تھی، بریانی کھاتی سلطانہ بیگم سوچ رہی تھیں، انہیں انیشہ کے متعلق کتنے خدشات تھے، جب زین کے سامنے انہوں نے اپنے خدشے کا گاڑی میں بیٹھے اظہار کیا تو، تو زین کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

"امی جان جولڑکی بے ایمانی کرنے والوں کو کھلی چھوٹ نہیں دے سکتی، ان کو مزہ چکھا کر چھوڑتی ہے وہ اپنے رشتوں میں بے ایمانی کرنے پر خود کو کیسے کھلی چھوٹ دے سکتی ہے، وہ بہت خالص ہے رشتے نبھانے میں۔" اب وہ آنکھیں بند کر کے اپنے بیٹے کے انتخاب پر بھروسہ کر سکتی تھیں۔

"توبہ ہے سلطان صاحب ساری بریانی چٹ کر گئے آپ۔" سلطانہ بیگم سوچوں کے حصار سے باہر نکلیں تو خالی پلیٹ ان کا منہ چڑا رہی تھی۔

"تم سوچوں کے سفر پر نکلی ہوئی تھیں، میں نے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا۔" سلطان صاحب نے پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی، سلطانہ بیگم مصنوعی خفگی سے خاوند کو گھورتی پلیٹ اٹھا کر کمرے سے نکل گئیں، سلطان صاحب اطمینان سے مسکرا دیئے۔

☆☆☆

زین ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا، سیما بیگم اور سلطانہ بیگم پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئیں، انیشہ گیٹ سے باہر نکلی تو زین چلا اٹھا۔

"تائی امی کیا انیشہ بھی ساتھ جائے گی۔" انیشہ سکون سے فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو گئی، زین کے چلانے کا ذرہ برابر نوٹس نہ لیا۔

"مجھے تمہیں ساتھ لے کر نہیں جانا انیشہ۔" زین کے لہجے میں مصنوعی ضد تھی۔

"کیوں لے کر نہیں جانا۔" انیشہ نے کڑے تیوروں سے زین کو گھورا۔

"کیا شہید کرنے کا ارادہ ہے۔" لہجہ گمبھیر ہوا۔

"انسان بن کر بیٹھو، امی اور چچی کے کان بند نہیں ہیں۔" انیشہ نے دانت پیسے۔

''تائی امی کیا میں انسان نہیں ہوں۔'' زین نے جھٹ سیما بیگم سے تصدیق چاہی، انیشہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

''بھئی یہ کیسا سوال ہے؟'' سیما بیگم کو حیرت ہوئی۔

''بس تائی امی کسی کو میرے انسان ہونے پر شک ہے۔'' لہجے میں مصنوعی دکھ پنہاں تھا۔

''کس گدھے کو شک ہے، کس نے بکواس کی ہے یہ۔'' سیما بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں کا اشتعال انڈا، زین کے دل میں گدگدی ہوئی، مسکراتی نگاہوں سے انیشہ کو دیکھا، جس کا چہرہ غصے سے لال ہو چکا تھا۔

''مجھے نہیں جانا بازار۔'' نروٹھے پن سے کہتی گاڑی سے اترنے لگی تو زین نے سرعت سے کلائی تھام کر روکا، انیشہ کا سارا غصہ جھاگ بن کر بیٹھ گیا، دونوں امیاں بھی غالباً زین کی شرارت سمجھ چکی تھیں، وہ دونوں باہم گفتگو کرنے لگیں، انیشہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئی زین نے گاڑی سٹارٹ کر دی، گاڑی میں چھائی خاموشی زین کو برداشت نہ ہوئی تو پھر پھلجڑی چھوڑی، انیشہ کو ستانے میں اسے خاصا مزہ آتا تھا، دل پرسکون تھا تو شوخیاں سوجھ رہی تھیں، انیشہ چچی اور تائی کی وجہ سے خاموش بیٹھی تھی، جو حالات رہے تھے اس سے اس کا دل خاصا ڈر چکا تھا گو کہ سب ٹھیک ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ محتاط تھی۔

''امی جان میں تو اپنی شادی کی شاپنگ کی بے ایمانیوں کو سدھارنے میں ہی تھک جاؤں گا۔'' لہجہ شرارت سے پر تھا، انیشہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے زین کو دیکھا۔

''بات تو تمہاری سولہ آنے درست ہے بیٹا جی لیکن وہ کیا ہے کہ اس کام میں ثواب پوشیدہ ہے، سدھارتے رہنا۔'' جواب سلطانہ بیگم کی بجائے سیما بیگم کی جانب سے موصول ہوا۔

''اف اس کا مطلب کام کل سے شروع ہو جائے گا۔'' زین مصنوعی دکھ سے کراہا۔

''بالکل تیاری پکڑو زین، دلہا راجہ بننے کی، اب میری بیٹی کو زیادہ تنگ نہ کرو۔'' سلطانہ بیگم محبت سے بولیں، انیشہ نے جتاتی نگاہوں سے زین کو دیکھا۔

''اب بولو۔'' زین نے جواباً محبت سے شرارتی انداز میں آنکھ مار دی، انیشہ سرخ پڑ گئی، زین اچھا خاصا پٹڑی سے اتر چکا تھا، انیشہ کا دل پسلیوں میں دھڑک رہا تھا، محبت کے رنگ اس کی عید کو قوس و قزح بنانے والے تھے، وہ جان گئی تھی۔

☆☆☆

عید کا دن محبت کے ڈھیروں رنگ لئے طلوع ہوا، نچلی اور بالائی منزل پر ہر سو محبت کے رنگ بکھرے تھے، انیشہ اور زین ان رنگوں میں پور پور ڈوبے تھے، عید کے سنگ محبت کے رنگ کچھ زیادہ ہی بھلے لگ رہے تھے، زین دلہا بنا گھوم رہا تھا، انیشہ دلہن بنی کمرے میں چھپی بیٹھی تھی، انیشہ کا اپنے کمرے سے زین کے کمرے تک کا سفر تھا، قریبی عزیز مدعو کیے گئے تھے، گھر میں شادی کا ہنگامہ برپا تھا، کھانا قریبی میرج ہال میں کھلایا جانا تھا، عید کے دن ایسی مصروفیات سب کے لئے حیران کن تھیں، لیکن دلہا خاصا خوش خوش ہر کمرے میں انیشہ کو تلاش کر رہا تھا، اس پر سب نے اس کا ریکارڈ بھی لگایا لیکن اسے مطلق پرواہ نہ تھی، انیشہ اس کو کسی کمرے میں نہ ملی، بالآخر سلطان صاحب نے زین کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا جی اپنے کمرے میں جا کر بیٹھو، ہم ذرا میرج ہال سے ہو کر آتے ہیں، کچھ پیٹ پوجا کر

لیں، تمہیں تو ضرورت نہیں ہو گی۔" سلطان صاحب معصومیت سے بولے۔

"جی ابا حضور مجھے واقعی ضرورت نہیں ہے، آپ لوگ جائیں۔" زین نے کھلے دل سے اجازت دی، سب کے جانے کے بعد وہ سوچ میں پڑ گیا آخر انیشہ گئی کہاں، پارلر سے سونیا بھابھی اس کو خود لے کر آئی تھیں، پرسوچ انداز میں دھپ دھپ سیڑھیاں چڑھتا بالائی منزل پر پہنچ گیا۔

"اپنا کمرہ ہی دیکھ لوں، کیسا سجایا گیا ہے، ابھی کچھ دیر پہلے تو دوستوں نے اطلاع دی تھی، تمہارا کمرہ سجا دیا ہے جا کر دیکھ لو۔" زین نے کمرے کا دروازہ کھولا، تو خوشگوار دلفریب خوشبو کا جھونکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا، مسحور سا ہو کر کمرے میں قدم رکھا تو بیڈ پر نظر پڑتے ہی زین اچھل پڑا، جسے وہ پورے گھر میں تلاش کر رہا تھا، اس کے کمرے میں اپنا دلفریب خوشبو سے معطر وجود لئے پور پور سجی بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی، زین خوشی سے جھوم اٹھا، زین نے قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا، عید کا دن تھا پھر شادی بھی تھی، دو خوشیوں نے اس کے چہرے کو عجیب سی خوبصورتی عطا کر دی تھی، دھیرے دھیرے چلتا انیشہ کے عین سامنے براجمان ہو گیا، خوبصورت آنکھوں پر سایہ فگن گھنیری دراز پلکیں زین کی بے خود نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے لرزنے لگیں، زین نے اپنی انگلی کی پوروں سے نرمی سے لرزتی پلکوں کو چھوا، انیشہ اس لمس پر حیاء سے مزید سمٹ گئی۔

"انیشہ!" زین نے محبت سے پکارا۔

انیشہ نے دراز پلکوں کی چلمن اٹھائی، زین بے خودی سے اس کا سندر روپ نگاہوں میں سموئے گیا۔

"خوش ہو نا۔" زین نے محبت سے گمبیر لہجے میں استفسار کیا۔

"کیا کوئی شک ہے۔" انیشہ کو زین کا سوال پسند نہ آیا تھا، کیا زین نہیں جانتا وہ کتنی خوش ہے؟ زین نے اس کے تیکھے جواب کو یکسر نظر انداز کر کے اس کی نازک کلائی تھام کر طلائی کنگن ڈال دیئے، انیشہ کی کلائی سج گئی زین نے اس کی کلائی کو اپنے ہونٹوں کے لمس سے مہکا دیا۔

"میری عید محبت کے رنگوں سے سج گئی ہے انیشہ، میں بہت خوش ہوں، بہت خوش۔" زین کا لہجہ اور آنکھیں محبت کی لو سے دہکنے لگیں، اس درجہ محبت پر انیشہ کے رخسار دہک اٹھے، کمرہ محبت کے رنگوں سے رنگین ہونے لگا، محبت کے رنگ عید کے سنگ، زین انیشہ کو قریب کرتے اس کی سماعتوں میں گنگنایا، انیشہ کا وجود اس سرگوشی سے گنگنا اٹھا تھا۔



الجھن

بشریٰ سیال

''ہیلو! ہیلو!'' دوسری طرف سے ایک تواتر سے آنے والی آوازوں نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا، اسے اپنی غلطی کا اندازہ ہو گیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا، وہ کال ریسیو کر چکی تھی، اب بناء بات کیے فون بند کرنا اسے نامناسب لگ رہا تھا۔

''ہیلو!'' اس نے موبائل فون کو کان سے لگا کر آہستگی سے کہا۔

''تھینک گاڈ!'' دوسری جانب سے ایک طویل سانس لینے کی آواز اسے واضح سنائی دی تھی، ساتھ ہی دوستانہ انداز میں کہا گیا ''تھینک گاڈ'' اسے الجھا گیا۔

''میں سمجھا آپ نے کال بند کر دی۔'' دوسری طرف سے کہا گیا تو اس کی الجھن میں مزید اضافہ ہو گیا۔

''مس نویلہ! آپ سن رہی ہیں؟'' ایک مرتبہ پھر اس سے سوال کیا گیا تھا، وہ جو کوئی بھی

گیارہویں قسط



ناولٹ

تھا بڑے اپنائیت بھرے انداز میں بے تکلفی سے اس کا نام پکار رہا تھا، انداز ایسا تھا جیسے ان میں صدیوں کی شناسائی ہو۔

''جی!'' اس نے ہولے سے جواب دیا۔

''آپ کون؟'' بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا، کیونکہ اس کا بتانے کا کوئی ارادہ نظر نہ آتا تھا اور وہ رات کے اس پہر کسی انجان اور اجنبی شخص سے اس بے تکلفی سے طویل گفتگو نہیں کر سکتی تھی۔

''میں ڈاکٹر ہارون کمال ہوں۔'' دوسری طرف سے بتائے جانے پر اسے ایک مرتبہ پھر حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

''اب آپ کے فادر کیسے ہیں؟'' نام بتا کر اب وہ اس سے دریافت کر رہا تھا۔

''او، ڈاکٹر ہارون کمال آپ۔'' وہ خوشدلی سے گویا ہوئی۔

''میرے پاپا اب ٹھیک ہیں، آپ واقعی

بہت اچھے ڈاکٹر ہیں، ورنہ ڈاکٹرز کب کال کر کے پیشنٹ کی طبیعت پوچھتے ہیں۔'' اس کی بات پر وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

''مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا، میں نے ہاسپٹل میں آپ کو تلاش بھی کیا، مگر آپ مجھے نہیں ملے تھے، مگر اس کے بعد سے میں آپ کے لئے دعا ضرور کرتی ہوں، جس طریقے سے آپ نے میرے پاپا کا ٹریٹمنٹ کیا، I am really thankfull۔'' اس نے ڈاکٹر ہارون کمال کا شکریہ ادا کیا تو ان کا حوصلہ بڑھا، ورنہ وہ تھوڑے کنفیوز تھے کہ اگر اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا یا بات نہ کی تو ان کی انسلٹ ہو گی۔

''آپ شکریہ تو اب بھی ادا کر سکتی ہیں میرا۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولتے ہوئے بات کو طول دے رہے تھے، مگر نویلہ نہ سمجھ سکی، اس نے کم عمری میں ہی عیسیٰ احمد سے جنون کی حد تک محبت کی تھی، اس کے سوا اسے نہ کوئی دکھائی دیتا تھا اور نہ ہی کسی کی بات اور آواز دل تک جاتی تھی، عیسیٰ احمد کے بعد ایک رسمی سا تعلق تھا ہر ایک سے، جسے وہ نبھاتی تھی۔

''اچھا! وہ کس طرح؟'' اس نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

''آپ کل میرے ساتھ ایک کپ کافی پینے آ سکتی ہیں؟'' انہوں نے جھٹ سے کہا تھا اور ان کے اس طرح آفر کرنے پر وہ خاموش ہو کر رہ گئی تھی، وہ تو انہیں سرے سے جانتی ہی نہ تھی، پھر کس طرح ان کے ساتھ چل پڑتی۔

''او کے!'' کچھ سوچ کر اس نے ہامی بھر لی۔

''تھینک یو!'' اس کے اقرار پر وہ بے حد خوش ہوا تھا، اسے کافی شاپ کا ایڈریس اور ٹائم بتا کر اس نے کال بند کر دی، نویلہ نے پھر سے کتاب کھول لی، مگر ذہن بھٹک بھٹک کر عیسیٰ احمد کی طرف جاتا تھا، اسے ہر طرف وہی دکھائی دیتا تھا، کتابیں کھولتی تو سامنے اس کا چہرہ ہوتا، مگر اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اسے پڑھنا ہے اور آگے بڑھنا ہے، صرف اپنے پاپا کے لئے سو وہ سر جھٹک کر کتاب کی جانب متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

فروا اور موسیٰ علی ایک ہفتہ انگلینڈ میں رہے تھے، موسیٰ علی نے اسے خوب گھمایا پھرایا، شاپنگ کروائی، ہوٹلنگ، اس سب سے اس کا موڈ خاصا بہتر ہو گیا تھا، وہ جیسے ہی اپنی امی کو یاد کرنے لگتی موسیٰ علی فوراً اس کا دھیان ہٹا دیتا، رفتہ رفتہ وہ سنبھلنے لگی تھی، موسیٰ علی کی محبت اور توجہ سے نکھرنے لگی تھی، مصعب علی اس سے بہت اٹیچ ہو گیا تھا، فروا بھی اسے بہت چاہتی تھی۔

وہ لوگ واپس آ گئے تھے، فروا سو گئی تھی، جبکہ موسیٰ علی کچھ ریسٹ کے بعد آفس چلا گیا تھا، اس کی بہت امپورٹنٹ میٹنگ تھی، واپس آیا تو فروا ابھی تک سو رہی تھی۔

''فروا!'' وہ اس کے پاس آ کر اسے آوازیں دینے لگا، وہ ذرا سا کسمسائی اور دوبارہ سو گئی، موسیٰ علی نے اس کا گال ہولے سے تھپتھپایا۔

''فروا! اٹھ جاؤ یار۔'' فروا نے آنکھیں کھول دیں اور ناسمجھی کے عالم میں موسیٰ علی کی جانب دیکھنے لگی، وہ اس پر جھکا، اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چائے ریڈی ہے فریش ہو کر آ جاؤ باہر۔'' اسے کہہ کر وہ باہر نکل گیا، فروا کچھ دیر کسل مندی سے لیٹی رہی اور پھر فریش ہو کر باہر آ گئی، موسیٰ علی چائے لے کر لاؤنج میں آ گیا۔

''اٹھ گئیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے

کپ فروا کی جانب بڑھایا۔
"آپ نے جگایا ہے تو اٹھنا ہی تھا۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دیا۔
"تو تمہارا مزید سونے کا ارادہ تھا۔" وہ اس کی جانب دیکھ کر ہنس دیا، لاؤنج کا دروازہ کھلا اور غضنفر علی اندر آئے، فروا کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ فوراً سمٹ گئی، اس کی رگیں تن گئیں اور چہرے پر ناگواری کے اثرات واضح ہو گئے۔
"فروا پلیز Tolerate کرنا۔" موسیٰ علی آہستگی سے بولا۔
"السلام علیکم!" غضنفر علی قریب آ گئے تھے، انہوں نے شائستگی سے سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام!" موسیٰ علی نے کھڑے ہو کر ان سے مصافحہ کیا اور خوشدلی سے مسکراتے ہوئے ان کو ویلکم کہا۔
"بیٹھیں پلیز۔" اس نے اپنے پہلو میں اشارہ کیا، انہوں نے ایک نظر لاپرواہ نظر آتی فروا پر ڈالی اور بیٹھ گئے، فروا چائے کے ساتھ ساتھ غصے کے گھونٹ بھی پی رہی تھی۔
"اور سنائیں، طبیعت کیسی ہے آپ کی؟ کافی ویک لگ رہے ہیں۔" موسیٰ علی کو فروا کا ان کو اس طرح نظر انداز کرنا اچھا نہ لگ رہا تھا، مگر وہ کچھ نہ کر سکتا تھا، اس لئے ان سے اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔
"میں اب ٹھیک ہوں۔" انہوں نے پل بھر کا توقف کیا۔
"ہارٹ اٹیک ہوا تھا مجھے۔" انہوں نے فروا کی طرف دیکھا تھا، اسی ٹائم اس نے بھی کچھ چونکتے ہوئے ان کی جانب دیکھا، ان سے نظریں ملتے ہی وہ زاویہ نظر بدل گئی، وہ اداسی سے مسکرا دیئے۔
"اوہ! آپ نے بتایا ہی نہیں۔" موسیٰ علی متفکر ہوا۔
"کب ہوا اور اب آپ کیسے ہیں؟ آپ اپنا خیال رکھا کریں، سٹریس مت لیا کریں۔" وہ ہدایت کرنے لگا، فروا دوبارہ چائے کی جانب متوجہ ہو گئی، مگر لاشعوری طور پر کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔
"سٹریس نے ہی تو مستقل ساتھ دیا اور وفا نبھائی ہے مجھ سے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولے۔
"وفا کا لفظ آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگتا، آپ کو تو اس لفظ کے ہجے بھی معلوم نہیں ہیں شاید۔" اس نے طنز کا نشتر چھوڑا تھا، ایسا کہنے سے وہ خود کو باز نہ رکھ سکی، موسیٰ علی نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا تھا، مگر وہ نظر انداز کر گئی۔
"چلو نفرت سے ہی سہی، آپ نے بات تو کی مجھ سے بیٹا۔" غضنفر علی زخمی پن سے مسکرائے، موسیٰ علی نے متاسف نظروں سے فروا کی جانب دیکھا تھا، وہ رشتوں کو ان کی خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کرنے کا قائل تھا، وہ خود عمیرہ کی محبت پانے میں اپنے والدین کو کھو چکا تھا، انہوں نے اسے دھتکار دیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ فروا اپنے پاپا کو معاف کر کے انہیں قبول کر لے۔
"جو شخص کسی کی بے لوث، خالص اور انمول محبت اور وفا کو اپنی ضد انا اور ہٹ دھرمی کے قدموں تلے روند کر چلا جائے، اس کی زندگی کے چراغ کو عمر بھر کے لئے آندھیوں کی زد پر رکھ جائے، اس کے منہ سے وفا کا ذکر چہ معنی دار۔" ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ تمسخرانہ لہجے میں بولی تو پل بھر کو وہ خاموش رہ گئے۔
"آپ کا رویہ، آپ کے الفاظ جائز ہیں بیٹا!" وہ سر جھکائے بیٹھے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہے تھے، جہاں سے ظالم اور بے رحم وقت نے گل افزاء کا نام برسوں پہلے بنا ان کی

اجازت کے مٹا دیا تھا، جس کی تکلیف وہ آج بھی محسوس کرتے تھے۔

''وقت نے مجھ پر بھی کم ستم نہیں ڈھائے بیٹا، مجھے بھی ہر محاذ پر مسلسل شکست ہوئی ہے، اگر آپ کی ماما اور عروبہ کے ساتھ غلط ہوا تو مجھے ہر زیادتی کی پوری پوری سزا ملی ہے، میں نے اپنی بیٹی نویلہ کی شادی عیسیٰ احمد سے کی اور اس نے......''

''واٹ؟'' فروا ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

''آپ نے عیسیٰ احمد سے اپنی بیٹی کی شادی کیسے کر دی؟ آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، آپ اتنے ظالم کیوں ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی، ساتھ ہی غضنفر علی بھی کھڑے ہو گئے تھے، جبکہ موسیٰ علی ہونق بنا ان دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا! میری بات تو سن لو، عیسیٰ احمد نے میری......''

''موسیٰ آپ میری بات سن لیں۔'' وہ ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی، وہ تیزی سے موسیٰ علی کی جانب بڑھی تھی۔

''اگر یہ ظالم، دغا باز شخص مجھے دوبارہ یہاں نظر آیا تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔'' اس نے وارن کرنے کے انداز میں اسے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی اندر چلی گئی، غضنفر علی بوجھل دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ چل دیے۔

''آئی ایم سوری! میں اس سمجھاؤں گا، آپ دل پر مت لیجئے گا۔'' موسیٰ علی ان کے قریب آیا، وہ اداسی سے مسکرا دیئے۔

''تین زندگیوں کی خوشیوں کا قاتل ہوں، اسے میرے ہاتھوں پر خون نظر آتا ہے، وہ ٹھیک کر رہی ہے، اسے ایسا ہی کرنا چاہیے، کسی نے تو بدلہ لینا تھا، کبھی نہ کبھی تو حساب چکانا پڑتا ہے۔''

وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھے، موسیٰ علی بے بسی سے انہیں جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

فارقلیط حسن آفس چلا گیا تھا، وہ سارا دن اکیلی، جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر گھومتی رہی تھی، شام نے اپنے پر پھیلانے شروع کیے تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

''آئی مس یو۔'' اس نے اسے میسج کیا اور ٹیرس پر نکل آئی، سوچ کا پنچھی نا جانے کس سمت پرواز کر رہا تھا، اسے فروا کی یاد آنے لگی تھی، اس کے ساتھ گزرا وقت ایک سہانا خواب لگنے لگا تھا، یکا یک اس کی آنکھوں پر کسی نے ہاتھ رکھا تھا۔

''فارقلیط!'' اس کے لہجے میں چھپی خوشی کو محسوس کرتے ہوئے وہ مسکرا دیا اور اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ٹھوڑی اس کے شانوں پر ٹکا دی۔

''ہمیں خبر ملی ہے کہ ہماری مسز ہمیں یاد کر رہی ہے، سو ہم اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے دوڑے چلے آئے ہیں۔'' اس کے گرد بازوؤں کا حصار باندھتے ہوئے، اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ مسکرا دی۔

''تو نہ آتے، رہتے مصروف آفس میں۔'' اس کی مضبوط گرفت میں ذرا سا کسمساتے ہوئے نروٹھے پن سے بولی۔

''اب کیا کریں، غالب کی طرح اس عشق نے ہمیں بھی نکما کر دیا ہے۔'' وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا، تو عروبہ فوراً سیدھی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں، بہت سے ایسے پیغام سنا رہی تھیں جو فارقلیط حسن اس کی زبان سے سننا چاہتا تھا۔

''آج مجھے دن بہت لمبا لگا، وقت کٹ ہی نہ رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے آپ کو گئے ہوئے بہت وقت ہو گیا ہو۔'' اس کے لہجے میں پنہاں خوف فارقلیط حسن صاف محسوس کر سکتا تھا، اسے کھو دینے کا خوف، اس سے دوری کا خوف۔

''تمہارا یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروا رہا ہوں، اگلے منڈے سے کلاسز اسٹارٹ ہیں، پھر تم بور نہیں ہو گی۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھا تھا۔

''آپ آفس سے کس ٹائم آیا کریں گے؟'' اس کی سوئی ابھی بھی اسی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

''جب تم کہو گی۔'' وہ دونوں لان میں آ گئے تھے، خوشگوار ہوا نے ان کا استقبال کیا تھا، وہ دونوں لان چیئرز پر بیٹھ گئے تھے، بٹلر ان کے لئے چائے اور لوازمات سے سجی ٹرالی لے آیا تھا، عروبہ غضنفر کا اداس چہرہ اب خوشی سے جگمگانے لگا تھا، فارقیط حسن کی موجودگی، اس کی ہمراہی اور سنگت اسے ہر غم دکھ اور فکر سے بے نیاز کر دیتا تھا۔

''موسم آج بہت خوبصورت ہے۔'' فارقلیط حسن نے چائے کا سیپ لیتے ہوئے کہا، جبکہ عروبہ نے ایک نظر لان پر ڈالی اور پھر سے فارقلیط حسن کی جانب دیکھنے لگی۔

''پتا نہیں موسم خوبصورت ہے، یا آپ کے آنے سے ہو گیا ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی، دفعتاً اس کی نگاہ کیاری میں پھول پر بیٹھی رنگ برنگی تتلی پر جا پڑی، وہ میکانکی انداز میں اٹھی تھی۔

''دیکھیں فارقلیط، کتنی پیاری تتلی ہے۔'' وہ کیاری کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی، فارقلیط حسن اس کی اس بچگانہ حرکت پر ہولے سے مسکرا دیا تھا، مگر وہ اس کی جانب نہ دیکھ رہی تھی، اس کی پوری توجہ اس رنگ برنگی تتلی کی جانب تھی، اس نے احتیاط سے اس کو چھوا تھا، اس کے چہرے پر بہت خوبصورت رنگ بکھرے ہوئے تھے، فارقلیط حسن نے موبائل نکال کر اس منظر کو ہمیشہ کے لئے کیمرے کی آنکھ سے قید کر لیا تھا۔

''ہاں، واقعی بہت خوبصورت تتلی ہے۔'' وہ پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''عروبہ یہ فارقلیط حسن میرے دل کے باغ کی ایک حسین تتلی ہے، نازک اور خوبصورت۔'' اس کی بات پر عروبہ نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ایک بزنس مین کے منہ سے ایسی شاعرانہ باتیں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی اس کے سامنے آ بیٹھی تھی اور فارقلیط حسن اس کی ہنسی کی جلترنگ میں کھو سا گیا تھا۔

''یہ بزنس مین بہت پتھر دل اور بگڑا ہوا تھا، اسے تمہاری محبت بلکہ عشق نے بدل دیا ہے، اب شاعر کہو، مجنوں یا دیوانہ، جیسا بھی ہوں تمہارا ہوں۔'' وہ اس کی بات سے محظوظ ہوئی تھی، ہوا اس کے بالوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی، وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے سیپ لیتے ہوئے اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی، فارقلیط حسن کی محبت نے نہ صرف اس کے زخموں پر مرہم رکھا تھا بلکہ اس کی زندگی اور شخصیت کو نکھار دیا تھا۔

''ذرا سی پسندیدگی، تھوڑی سی محبت اور چند مہینوں کی رفاقت کو عشق کا نام مت دیں۔'' اس نے ازراہ مذاق کیا تھا، مگر فارقلیط حسن سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا، گویا اندازہ لگا رہا ہو کہ آیا وہ مذاق کر رہی ہے، یا پھر واقعی سنجیدہ ہے۔

''میری محبت کو معمولی مت سمجھو عروبہ!'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا۔

''محبت اور عشق کے معنوں سے نابلد نہیں

ہوں میں۔'' اس نے کپ میز پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''نہ ہی ان کے فرق سے ناواقف ہوں۔'' وہ مزید گویا ہوا۔

''محبت یہ ہے کہ آپ کے محبوب کو صرف آپ چاہو اور عشق یہ ہے کہ آپ چاہیں کے آپ کے محبوب کو سب چاہیں اور میں عروبہ!'' اس نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھی تھی۔

''میں چاہتا ہوں پوری دنیا تم سے پیار کرے، تمہاری عزت اور قدر کرے، مجھے ہر وہ شخص عزیز ہے جو تم سے واسطہ ہے، جو تمہاری عزت کرتا ہے، میں محبت کو بند کرکے میں قید کرنے کا عادی نہیں ہوں، محبت گھٹن میں نہیں رہ سکتی، اسے آزاد فضاؤں میں رہنا پسند ہے۔'' وہ اپنے مخصوص نرم، دلکش، دوستانہ لہجے میں بول رہا تھا اور عروبہ کی سماعتیں اس کے خوبصورت، محبت بھرے الفاظ سے معطر ہو رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری، آپ کو شاید میری بات بری لگی ہے۔'' عروبہ نے کہنا ضروری خیال کیا۔

''ارے!'' وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات کبھی بری نہیں لگ سکتی۔'' اس کے کہنے پر عروبہ مطمئن ہو گئی تھی، وہ فارقلیط حسن کی محبت پر جتنا خدا کا شکر ادا کرتی وہ کم تھا، اس کے لئے اس کی محبت اس کا ساتھ اور اس کا سایہ کسی انمول تحفے سے کم نہ تھا۔

''چلو تمہیں شاپنگ کرواتا ہوں۔'' فارقلیط حسن اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ابھی کچھ دن پہلے آپ نے انگلینڈ سے مجھے اتنا کچھ دلایا ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا، فارقلیط حسن نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور پورچ کی جانب بڑھا۔

''میرا دل کرتا ہے تمہیں ہر روز شاپنگ کرواؤں۔'' اس نے عروبہ کی بات ان سنی کرتے ہوئے اسے گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

☆☆☆

علیشہ سو رہی تھی، اس کا موبائل بپ دے رہا تھا، اس نے بناء دیکھے کال ریسیو کی اور موبائل فون کان کو لگایا۔

''ہیلو!'' عدیل کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کی نیند فوراً بھک سے اڑ گئیں، اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں اور موبائل فون کو کان سے ہٹا کر اس کی اسکرین کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے فون دوبارہ کان سے لگالیا۔

''کیسی ہو علیشہ؟ کیا سو رہی ہو؟'' وہ استفسار کرنے لگا علیشہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟''

''مجھے اپارٹمنٹ مل گیا ہے، ہم دونوں کے لئے کافی ہوگا، میری جاب کے لئے دعا کرو۔'' وہ اسے تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا، اس سے بات کر کے علیشہ کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا، اداسی کہیں دور جاسوئی تھی۔

''اب مجھے بلوانے کے انتظامات کرو عدیل۔'' اس نے وہی بات پھر سے دوہرائی تھی۔

''ہاں، بس میں کچھ دن تک کرتا ہوں، تم اب بے فکر ہو جاؤ۔'' وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا، اس دن اس نے علیشہ سے کافی دیر بات کی تھی، دونوں نے مل کر مستقبل کے سہانے سپنے بنے تھے۔

☆☆☆

نویلہ نے ڈاکٹر ہارون کمال سے وعدہ تو کر لیا تھا، مگر اب ان سے ملنے کے لئے جانا عجیب سا لگ رہا تھا، اس نے ماما کو بتا دیا تھا کہ وہ کالج

سے دیر سے آئے گی، اور وہ ان کی سگی اولاد تھی، عروبہ تو تھی نہیں کہ شک کرتیں اور پابندیاں لگاتیں، جب سے وہ طلاق کے حادثے سے گزری تھی، وہ اسے بالکل بھی کچھ نہ کہتی تھیں، اس کی ہر بات فوراً مان لیتی تھیں۔

وہ مطلوبہ کافی شاپ پر پہنچی تو ڈاکٹر ہارون کمال کو اپنا منتظر پایا۔

''سوری آپ کو ویٹ کرنا پڑا۔'' وہ سلام کر کے اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی، آج بھی اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی، جو نویلہ نے ہاسپٹل میں دیکھی تھی، مگر فرق صرف یہ تھا کہ وہ مسکراہٹ پیشہ وارانہ تھی اور یہ دوستانہ۔

''نہیں، اٹس اوکے۔'' اس کے سلام کا جواب دے کر وہ نرمی سے بولے۔

''مجھے صرف دس منٹ ہوئے ہیں یہاں بیٹھے۔'' انہوں نے اسے بتاتے ہوئے کافی کا آرڈر دیا، نویلہ خاموش ہو گئی تھی، جبکہ ڈاکٹر ہارون کمال اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

''تو پڑھتی ہیں آپ۔'' اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

''جی!'' ان کے سوال پر اس نے اثبات میں سر ہلایا، اس نے بیگ اور فائل گود میں رکھی ہوئی تھی، کافی آ گئی تھی اور ڈاکٹر ہارون کمال نے کپ اسے پیش کیا تھا۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' انہوں نے کافی کا ایک سپ لیتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

''ایف ایس سی، پری میڈیکل۔'' اس نے بتا کر کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔

''ارے واہ۔'' وہ یہ سن کر نا جانے کیوں خوش ہوئے تھے۔

''تو مستقبل کی ڈاکٹر ہیں آپ؟'' وہ بات میں سے بات نکال رہے تھے۔

''جی!'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی۔'' وہ دوستانہ مسکراہٹ اس کی سمت اچھالتے ہوئے گویا ہوئے، تو اس نے بھی صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ کا بے حد شکریہ آپ نے میرے پاپا کا خیال رکھا، ان کا اچھا ٹریٹمنٹ کیا، خدا کے بعد میرے پاپا کو آپ نے بچایا ہے، میں آپ کی مشکور ہوں۔'' اس نے واقعی دل سے ان کا شکریہ ادا کیا تھا، وہ ہنس دیئے۔

''وہ میرا فرض تھا۔''

''اور فرض بھی سب کہاں اچھے طریقے سے نبھاتے ہیں، فرض کو پورا کرنا ہی تو بڑی بات ہے۔'' وہ مدبرانہ انداز میں بولتی ہوں انہیں بہت اچھی لگی تھی، ایک بات جو انہوں نے بطور خاص نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ اور میچور تھی، اس کی ہم عمر لڑکیاں تو شوخ و چنچل ہوا کرتی ہیں، بات بات پر ہنستی ہیں، مگر اس کی گہری سنجیدگی اسے اپنی عمر سے بڑا بنا گئی تھی۔

''شکریہ!'' ڈاکٹر ہارون کمال مسکرائے تھے، نویلہ نے ان کی جانب دیکھا، بلاشبہ وہ شاندار شخصیت کے مالک تھے، مگر نویلہ کے لئے اب کسی شخص یا چیز سے متاثر ہونا ناممکن تھا، اس کے دل نے عیسیٰ احمد کے بعد کسی بھی دوسرے شخص کے لئے نہ دھڑکنے کی قسم کھا لی تھی، وہ سپاٹ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں اب جاؤں گی۔'' وہ بیگ اور فائل سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی، ڈاکٹر ہارون کمال بھی فوراً اٹھے تھے۔

''کیسے جائیں گی آپ؟'' وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

''میں ڈرائیور کو کال کروں گی۔'' اس نے بیگ سے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' انہوں نے فراخدلانہ پیشکش کی تھی، نویلہ شش و پنج میں مبتلا کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی، وہ دو قدم آگے بڑھے اور اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

''آپ کے ڈرائیور کو آنے میں ٹائم لگے گا۔'' انہوں نے کہا، تو وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی ہوئی پارکنگ تک آ گئی، انہوں نے فرنٹ ڈور کھولا، وہ بیٹھ گئی، وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکے تھے، نویلہ گردن موڑے گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی اور ساتھ ہی انہیں ایڈریس بتا رہی تھی۔

☆☆☆

عروبہ نماز پڑھ رہی تھی، فارقلیط حسن بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے، گود میں لیپ ٹاپ لئے بیٹھا تھا، اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے متحرک تھیں، وہ گاہے بگاہے نظریں اٹھا کر عروبہ کی جانب بھی دیکھ لیتا تھا، دوپٹے کے ہالے میں اس کا چاند چہرہ دمک رہا تھا، لمبی، گھنی پلکیں، گلابی عارضوں کو چوم رہی تھیں، عاجزی سے رکوع و سجود کرتی وہ سیدھی فارقلیط حسن کے دل میں اتر رہی تھی۔

نماز پڑھ کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تو بہت دیر تک وہ دعا مانگتی رہی، فارقلیط حسن بار بار اس کی طرف دیکھتا تھا، اس نے دعا مانگ کر ہاتھ چہرے پر پھیرے اور جائے نماز تہہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، کچھ ہی دیر میں وہ بیڈ پر آ بیٹھی تھی اور فارقلیط حسن کا موبائل اٹھا کر اس میں اپنی تصویر دیکھنے لگی۔

''کیا مانگ رہی تھی تم اللہ سے؟'' اس نے موبائل کے اسکرین سے نظریں ہٹا کر فارقلیط حسن کی جانب دیکھا تھا، جس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر جمی ہوئی تھیں، وہ غالباً کوئی بہت ضروری کام کر رہا تھا، مگر عروبہ کو اب اندازہ ہوا کہ اس اس کا دھیان اس کی طرف بھی تھا۔

''آپ کو کیوں بتاؤں۔'' اس نے شگفتگی سے مسکراتے ہوئے شرارت بھرے لہجے میں کہا تو فارقلیط حسن نے لحہ بھر کو لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا، اس کی تیزی سے متحرک سفید انگلیاں رک گئیں۔

''اتنا خوبصورت، ہینڈسم اور محبت کرنے والا شوہر ہے تمہارا، لڑکی اور کیا چاہیے تمہیں؟'' وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے گویا ہوا، عروبہ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی، وہ دوبارہ کام کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''کتنی خوش فہمیاں ہیں جناب کو۔'' اس نے محبت سے فارقلیط حسن کے مہربان وجود کو دیکھا تھا، اسے پتا بھی نہ چلا تھا اور یہ اتنا پیارا سا شخص چپکے سے اس کے دل کا قفل کھول کر دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا تھا، وہ کبھی بھی فارقلیط حسن کو یہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ اس کی دیوانی ہو چکی ہے، محبت تو بہت چھوٹا لفظ ہے، وہ اس سے عشق کرنے لگی ہے۔

''کیا غلط کیا ہے، میں نے؟'' اس نے لیپ ٹاپ کو شٹ ڈاؤن کیا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور عروبہ کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔'' عروبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''دراصل میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہی تھی کہ آپ کو ہمیشہ میرا بنائے رکھے، کبھی مجھ سے دور نہ کرے، ورنہ میں بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔'' اس کی بات نے فارقلیط حسن کو اندر تک سرشار کر دیا تھا، یہ خیال اس کے لئے نہایت خوش

کن تھا، کہ وہ اسے دعاؤں میں اللہ سے مانگ رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ عروبہ۔'' فارقلیط حسن نے پرسوچ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے محتاط انداز سے کہا تو عروبہ اسے دیکھے گئی۔

''پوچھیں؟'' وہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''تم نے اپنے بابا کو معاف کر دیا؟'' اس بات پر عروبہ لمحہ بھر کو خاموش ہوگئی۔

''ہاں۔'' وہ نگاہیں جھکا گئی، چہرے کی جگمگاہٹ ماند پڑ گئی تھی۔

''اگر کبھی میں تمہارے ساتھ اتنا ہی برا کروں جتنا تمہارے بابا اور تمہاری فیملی نے کیا، تو کیا مجھے بھی معاف کر دو گی؟'' عروبہ نے تیزی سے فارقلیط حسن کی جانب دیکھا تھا۔

''نہیں فارقلیط حسن!'' وہ بے اختیاری سے بولی تھی۔

''آپ میرے ساتھ ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتے، مجھے یقین ہے۔'' اس کے پریقین لہجے پر فارقلیط حسن خاموش ہوگیا تھا، جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو کہ کیا کہے اسے کس طرح اپنی بات سمجھائے۔

''تم ایسا کچھ فرض ہی نہیں کرنا چاہتی، میں کچھ بھی برا آپ کے اور اپنے حوالے سے سوچنا ہی نہیں چاہتی۔'' اس کی بات کاٹ کر وہ تیزی سے بولی تھی، فارقلیط حسن خاموش ہوگیا تھا، اسے عروبہ کے ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے واضح دکھائی دے رہے تھے، اس نے اس بات کو بہت سیریس لے لیا تھا۔

''کیا تم اتنا اعتبار کرتی ہو مجھ پر؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

''فارقلیط!'' وہ سونے لگا تھا، جب عروبہ کی آواز سن کر فوراً اس کے پاس آیا۔

''اگر کبھی آپ نے میرے ساتھ کچھ برا کیا تو میں آپ کو معاف تو کر دوں گی۔'' فارقلیط حسن بناء پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن میں زندہ نہیں رہوں گی۔'' اس کی بات سے اسے جھرجھری آئی تھی، وہ اسے کیسے بتاتا کہ اسے کھو دینے کے وہم اسے کتنا ستاتے ہیں، اس نے پلکیں موند لی تھیں۔

''اٹھو کافی پیتے ہیں۔'' اس نے عروبہ کا شانہ ہلایا۔

''نہیں، مجھے سونا ہے۔'' اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں، فارقلیط حسن نے اس کی ناک کھینچی تھی۔

''اٹھ جاؤ لڑکی ورنہ مجھے اٹھانا آتا ہے۔'' اسے ایک دم گھبراہٹ ہونے لگی تھی، بلکہ عجیب طرح کی وحشت اسے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، وہ عروبہ کو بھی اٹھانے لگا تھا۔

''کیا ہے فارقلیط حسن!'' وہ برے برے منہ بناتی اس کے ساتھ کچن تک آئی تھی، فارقلیط حسن کافی بنا رہا تھا اور ساتھ مسلسل بول رہا تھا، جبکہ وہ پلکیں جھپک کر نیند بھگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

موسیٰ علی کمرے میں آیا تو فروا رو رہی تھی، وہ خاموشی سے اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیوں طرح فروا سے بات کرتے اور کیسے اسے سمجھائے، وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

''دیکھو فروا!'' اس نے فروا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔

''وہ جیسے بھی ہیں باپ ہیں تمہارے، تم اس

طرح بی ہیو مت کیا کرو۔" اس نے پیار سے سمجھایا تھا، کیونکہ اسے حقیقتاً فروا کا غضنفر علی سے بدتمیزی کرنا بالکل بھی اچھا نہ لگتا تھا، بارہا اسے سمجھایا تھا، مگر وہ نہ سمجھتی تھی، اب بھی موسیٰ علی نے اپنا فرض نبھایا تھا، اسے سمجھا کر وہ اس کے دل سے غضنفر علی کے لئے نفرت اور غصہ نکالنا چاہتا تھا، مگر وہ جانتا نہ تھا کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔

"میں اس ظالم اور خودغرض شخص کو اپنا باپ نہیں مانتی، آپ نہیں جانتے کہ اس نے ہم لوگوں کے ساتھ کیا کیا، اس کی زیادتیاں بہت بڑی ہیں، معاف نہیں کی جاسکتیں۔" اس نے روتے ہوئے کہا تھا، موسیٰ علی نے اس بات پر دل میں شکر ادا کیا کہ وہ اس سے ناراض نہ تھی اور یہ کہ وہ اس سے بات کرنے پر آمادہ تو تھی۔

"جب معاف کرنے کا ارادہ کرلیا جائے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ زیادتی کتنی بڑی ہے، فروا تم انہیں معاف کر دو۔" اس نے رسانیت سے اسے سمجھایا۔

"موسیٰ یہ کہنا بہت آسان اور کرنا بہت مشکل ہے، جن کی وجہ سے آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عذاب بنا ہو، انگاروں پر لوٹتے ہوئے وقت بتایا ہو، موسیٰ میں جب سوچتی ہوں نہ کہ میری امی نے اس شخص کی بے وفائی کے داغوں کو سینے میں چھپا کر کس طرح ایک بیوہ جیسی زندگی گزاری، تو میرا دل چاہتا ہے میں اسے شوٹ کر دوں۔" وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی، موسیٰ علی خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"میری ماں نے اتنا بڑا دکھ ساری زندگی تنہا جھیلا، مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ میں اس شخص سے نفرت کروں، مگر میں نے اس کی فرعونیت اپنی آنکھوں سے دیکھی، جب نویلہ کی سالگرہ پر یہ میری بہن کے دوپٹے کو اپنے قدموں تلے روند کر اسے سارے مہمانوں کے سامنے تنہا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔" اس نے بے دردی سے آنسوؤں کو رگڑا۔

"جب اس کی بیوی کو تحفظ چاہیے تھا، اس کی محبت چاہیے تھی وہ اسے نہ دے سکا اور اب جب بیٹی کو اس کا سایہ، اس کا مان چاہیے تھا اس نے منہ موڑ لیا، موسیٰ اسے مان رکھنا نہیں آتا، اسے تحفظ دینا نہیں آتا، وہ میرے ساتھ بھی وہی کرے گا جو اس نے امی اور عروبہ کے ساتھ کیا، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی، موسیٰ علی اس کے لئے پانی لے آیا تھا، اس نے گلاس فروا کے لبوں سے لگایا، وہ غٹاغٹ پورا گلاس پی گئی تھی۔

"ریلیکس فروا!" موسیٰ علی نے اس کا ہاتھ سہلایا۔

"انہیں معاف نہیں کرنا، نہ کرو، خود کو ہلکان مت کرو۔" جواب میں اس نے ہولے سے سر ہلایا تھا، رونے سے اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہوگیا تھا، اسے یاد تھا کہ جب اس کی امی زندہ تھیں وہ کتنی کانفیڈنٹ ہوا کرتی تھی، بلکہ وہ اسے منہ پھٹ کہتا تھا، ان کے جانے کے بعد وہ کتنی کمزور ہوگئی تھی، بات، بات پر رونے لگتی تھی۔

☆☆☆

نویلہ کالج چلی جاتی، غضنفر علی آفس ایسے میں صوفیہ بولائی بولائی سارے گھر میں پھرتی رہتی، نویلہ بہت بدل گئی تھی، اب وہ بہت کم بولتی تھی، گھر میں کوئی مہمان آجاتا تو اس کے سامنے کم ہی جاتی، شاپنگ، آؤٹنگ اور اسی طرح کی دوسری تمام سرگرمیاں اس نے ترک کر دی تھیں، صوفیہ اس کے لئے بے حد فکرمند رہتی تھیں، مگر کچھ کہتی نہ تھیں، وہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوگئی تھی،

جبکہ صوفیہ کو دن رات یہی فکر دامن گیر رہتی کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا، کون اس سے شادی کرے گا۔

وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں، سوچوں میں غلطاں و پیچاں، انہوں نے علیشہ کا نمبر ملایا، اس نے فوراً کال ریسیو کر لی تھی۔

''السلام علیکم ماما!'' اس نے بشاش لہجے میں سلام کیا، جواباً وہ کافی افسردہ لہجے میں بولیں۔

''علیشہ تو آج میرے پاس آ جاؤ، دل بہت گھبرا رہا ہے، تمہارے پاپا آفس گئے ہیں اور نویلہ کالج۔'' وہ یاس بھرے لہجے میں گویا ہوئیں، مگر علیشہ ان کی اداسی کو محسوس نہ کر سکی۔

''ماما آج تو آنا مشکل ہے، میں اور آنٹی ایک پارٹی میں جا رہے ہیں، میرا پارلر میں اپائنٹ منٹ ہے۔'' وہ مصروف سے انداز میں بولی تھی، وہ خاموش ہو گئیں۔

''خیریت ہے؟'' ان کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔

''میں نویلہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔'' وہ لجاجت سے بولیں۔

''سوری ماما! مجھے تو نویلہ کے معاملے سے دور ہی رہنے دیں، وہ اتنی بے وقوف ہے، مجھے اندازہ نہ تھا، وہ بس عیسیٰ کی یادوں کے سہارے زندگی گزارنا چاہتی ہے۔'' اس نے بغیر کوئی لحاظ رکھے سیدھے سبھاؤ ان کے سامنے انکار کر دیا۔

''غلطی آپ کی ہے ماما، جو آپ نے عیسیٰ کے ساتھ کیا تھا کیا اس کے بعد اس کی نویلہ سے شادی کروانا عقلمندی تھی، سوری ٹو سے ماما، ہر شخص غضنفر علی نہیں ہوتا۔'' اس کا غصے سے بھرپور انداز انہیں یہ باور کروا گیا کہ وہ کبھی بھی ان کی کسی قسم کی کوئی ہیلپ نہیں کرے گی۔

''او کے ماما! بعد میں بات کروں گی۔'' اس نے فون بند کر دیا، صوفیہ نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں، ان کے ہر انداز میں ایک تھکی تھکی کیفیت نمایاں تھی، نویلہ کا غم انہیں ذہنی توڑ پھوڑ کا شکار کر گیا تھا۔

☆☆☆

زین ندیم کو ایک مسلسل بے چینی لاحق تھی، جس کا علاج اسے ناممکن سے نظر آتا تھا، کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کس سے بات کرے، سر موسیٰ سے بات کرتے ہوئے اسے ڈر لگتا تھا اور امی سے بات کرنے کی ابھی ہمت نہ تھی، اس کا کسی کام میں دل نہ لگ رہا تھا، بے چینی ہی بے چینی تھی، بے دلی کے ساتھ آفس جاتا اور گھر میں بھی خاموش ہی رہتا، امی نے اس کی سنجیدگی اور خاموشی کی وجہ پوچھی تو وہ ٹال گیا۔

شام کو وہ گھر کا کچھ ضروری سامان لینے کے لئے مارکیٹ گیا تھا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے سر موسیٰ، ان کے بیٹے اور فروا کو ایک شاپ سے نکلتے دیکھا۔

''یہ تو باہر چلی گئی تھیں۔'' اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا، وہ لوگ پارکنگ کی جانب بڑھ رہے تھے، زین ندیم ساکت کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا، فروا فرنٹ ڈور کھول کر موسیٰ علی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

''تو کیا......'' اس کے دل نے سوال کیا۔

''نہیں...... نہیں۔'' اس نے فوراً دل کو ڈپٹ کر خاموش کروا دیا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' وہ سامان لئے بغیر واپس آ گیا، جی چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی وقت سر موسیٰ کے گھر جائے، مگر کس طرح، کیا کہے اور اگر فروا کے اور ان کے تعلق کے متعلق سوال کرے تو کس حیثیت سے، اس کا دماغ گھومنے لگا تھا۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد کی بے وفائی، اس کا دھتکارنا اور

ٹھکرانا نویلہ کو گھر اور گھر کے ماحول سے باغی کر گیا تھا، اس کے سلگتے زخموں پر ڈاکٹر ہارون کمال کا ٹھنڈا میٹھا لہجہ مرہم کا کام دے رہا تھا، نامحسوس انداز میں وہ اس کے بہت قریب آ گئے تھے، اکثر دونوں کہیں نہ کہیں ملتے، فون پر بات کرتے اور میسجز کا تو کوئی وقت ہی نہ ہوتا، نویلہ کو ڈاکٹر ہارون کمال میں کوئی دلچسپی نہ تھی، وہ تو جینے کے لئے آگے بڑھنے کے لئے اور عیسیٰ احمد کی یادوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کر رہی تھی۔

وہ دونوں اس وقت ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے، ہمیشہ کی طرح نویلہ کچھ لیٹ پہنچی تھی۔

''میں لیٹ تو نہیں ہوئی؟'' ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''زیادہ نہیں۔'' وہ بھی جواباً مسکرائے تھے۔

''مطلب لیٹ ہوئی ہوں۔'' وہ دلکشی سے مسکراتی، ڈاکٹر ہارون کمال کے دل میں اتر رہی تھی، وہ ایک سمجھدار، ڈیسنٹ اور میچور انسان تھے، نویلہ غضنفر انہیں پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی، وہ ہمیشہ لڑکیوں سے دور رہے تھے، اپنی سٹڈی اور پھر پریکٹس سے انہیں اس قدر لگاؤ تھا کہ اِدھر اُدھر دیکھنے کی کبھی فرصت ہی نہ ملی تھی۔

''مجھے تمہارا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔'' وہ بولے تو نویلہ لمحہ بھر کو انہیں دیکھے گئی، اس کے دل میں ان کے لئے کوئی جذبہ نہ تھا، کوئی ویسا احساس نہ جاگا تھا جیسا ڈاکٹر ہارون کمال اپنے دل میں اس کے لئے رکھتے تھے۔

''تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟'' انہوں نے مینیو کارڈ اٹھایا اور اس سے پوچھنے کے ساتھ ساتھ کارڈ پر نظر دوڑائی، نویلہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔

''بہت اچھی۔'' اس نے جواب دیا، ڈاکٹر ہارون کمال نے ویٹر کو بلا کر آرڈر نوٹ کروایا، ان کی نگاہوں کی خاموش محبت نویلہ سے مخفی نہ تھی، مگر وہ جان کر انجان بنی ہوئی تھی۔

''مجھے اس دن کا انتظار ہے جب تم ڈاکٹر بن کر آؤ گی اور پھر ہاسپٹل میں ہر وقت میرے ساتھ ہوا کرو گی۔'' ان کی بات پر وہ مسکرادی تھی، اس کام میں تو ابھی بہت وقت تھا، وہ کتنی لمبی پلاننگ کر رہے تھے۔

''اس کام میں ابھی بہت وقت پڑا ہے ڈاکٹر صاحب!'' اس نے جیسے انہیں یاد دلایا تھا۔

''کوئی بات نہیں، میں انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔'' وہ لاپرواہی سے بولے تھے، نویلہ کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

ریسٹورنٹ سے نکل کر وہ لوگ مارکیٹ میں آ گئے تھے، ڈاکٹر ہارون کمال نے اسے ایک قیمتی پرفیوم خرید کر دیا تھا، جسے اس نے احتیاط سے اپنے بیگ میں ڈال لیا تھا، وہ آج خاصی خوش تھی۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔'' وہ اسے ساتھ لے کر گاڑی کی جانب بڑھے۔

''تھینک یو! ڈاکٹر ہارون۔'' اس نے گھر کے سامنے اترنے سے پہلے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور ممنونیت سے کہا، جواباً وہ ہولے سے مسکرا دیے۔

''Thank you for what?'' وہ استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔

''For everything۔'' اس نے جواب دیا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، وہ گیٹ کے پاس پہنچی اور مڑ کر دیکھا، وہ ابھی تک کھڑے ہوئے تھے، وہ گیٹ پار کر گئی، ٹیرس پر کھڑی صوفیہ نے چونکتے ہوئے گہری نظروں

سے اس منظر کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

عروبہ ایکسپکٹ کر رہی تھی اور یہ خبر فارقلیط حسن سے زیادہ حسن بہزاد کو خوش کر گئی تھی، عروبہ اپنے روم میں لیٹی ہوئی تھی، فارقلیط حسن باہر نکلا تو لاؤنج میں بیٹھے حسن بہزاد اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''مبارک ہو تمہیں۔'' انہوں نے بازو پھیلا دیے تھے، فارقلیط حسن خوشگوار حیرت میں مبتلا ان سے بغل گیر ہوا تھا، وہ اس کی چوڑی پشت کو محبت سے تھپک رہے تھے، اس کے دل پر اور ضمیر پر پڑا بوجھ جیسے صدیوں بعد سر کنے لگا تھا، انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔

''تھینک یو ڈیڈی!'' اس نے ان کی طرف دیکھا اور تشکر آمیز لہجے میں کہتے ہوئے نگاہیں جھکا لیں۔

''اب خود باپ بنو گے تو میرے جذبات کو سمجھ سکو گے۔'' انہوں نے محبت بھرا شکوہ کیا۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں ڈیڈی!'' وہ نگاہیں نہ اٹھا پا رہا تھا، وہ اپنے باپ کو بے حد چاہتا تھا، وہ جانتا تھا کہ انہیں اس کی وجہ سے کتنی تکلیف پہنچی ہے۔

''بس اب بھول جاؤ پرانی باتوں کو، عروبہ کا خوب خیال رکھو، وہ کھانے پینے میں بہت لاپرواہی کرتی ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہے تھے، وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتا رہا، کافی دیر بعد جب وہ روم میں آیا عروبہ نماز پڑھ رہی تھی، وہ اس کے فارغ ہونے کا منتظر تھا۔

''عروبہ مجھے ایک بات کی بہت ٹینشن ہے۔'' وہ نماز پڑھ کر آئی تو فارقلیط حسن کچھ الجھے الجھے انداز سے بولا۔

''کیا؟'' وہ بولی۔

''عموماً لڑکیاں بچے آنے کے بعد شوہر کو بھول جاتی ہیں، تم تو ایسا نہیں کرو گی؟'' وہ فکر مندی سے بولا، عروبہ پہلے تو حیرت سے لب نیم وا کیے اسے دیکھتی رہی پھر ہنس دی۔

''فارقلیط!'' اس کے خیال میں تو فارقلیط حسن کو بہت خوش ہونا چاہیے تھا، مگر وہاں اسے ایسے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے، اب اس کی بات سن کر وہ حیران ہو گئی تھی۔

''آپ کا نمبر میرے دل اور زندگی میں ہمیشہ پہلا رہے گا۔'' اس نے اسے یقین دہانی کروائی۔

''پتا نہیں عروبہ! میں تم سے دور جانے سے ڈرتا ہوں، کوئی تمہیں مجھ سے دور نہ کر دے، یہ خوف ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔'' وہ اسے بتانے لگا، عروبہ کو اس سے ایسی بات کی امید نہ تھی۔

''آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہو گا۔'' اس نے فارقلیط حسن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''تم وعدہ کرو مجھ سے تم کبھی بھی مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہو گی، اپنے بچے کو بھی نہیں۔'' فارقلیط حسن نے اس سے وعدہ لیا تھا۔

''آئی پرامس!'' اس نے اپنا ہاتھ فارقلیط حسن کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

''ایک بات مجھے بھی کہنی تھی آپ سے۔'' اس نے اچانک یاد آنے پر کہا۔

''کہو۔'' وہ اس کی انگلی میں موجود رنگ کو کبھی اتارتا اور کبھی واپس پہنا دیتا۔

''مجھے یونیورسٹی جانا ہے، آپ مجھے منع تو نہیں کریں گے نہ؟'' اس نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''ہرگز نہیں، تم یونیورسٹی جاؤ، یا کہیں بھی،

مجھے کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے، میں تم سے یہ کبھی نہیں کہوں گا کہ تم ایک مڈل کلاس لڑکی کی طرح گھر پر رہو اور صرف میرے بچے پالو۔'' اس کے جواب پر وہ مطمئن ہوگئی تھی، ایک بوجھ تھا، جو سرک گیا تھا، ورنہ اسے یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں فارقلیط حسن اسے منع نہ کر دے اور پھر وہ کیا کرے گی۔

''تھینک یو فارقلیط!'' اس نے اس کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

''آپ اس دنیا کے سب سے اچھے ہزبینڈ ہیں۔'' وہ اس کی بات پر ہنس دیا تھا۔

''اور اس دنیا کا سب سے برا انسان ہوں۔'' وہ بولا تو عروبہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

''خبردار! آئندہ میرے ہزبینڈ کے بارے میں ایسے الفاظ بولے تو۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی، فارقلیط حسن نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''میں بہت برا ہوں، مگر تمہارے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا تھا، عروبہ اسے دیکھے گئی۔

تمہارا نام لیتا ہوں
تو سانسوں میں تقدس کی کئی پرتیں اٹھتی ہیں
جنہیں آنکھوں میں بھرتا ہوں
تو آنکھوں سے شعاعیں نور کی
باہر نکلنے کو ترستی ہیں
تمہیں سوچوں کی مٹھی میں جکڑتا ہوں
تو سارے جسم میں ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں
ابھی واضح نہیں مجھ پر
کہ میں چاہت کے کتنے مرحلے
طے کر کے اس منزل پہ پہنچا ہوں
ابھی واضح نہیں مجھ پر
کہ میری سوچ ایسی ہے
یا تیری ذات میں کوئی
شبستاں سا اجالا ہے
مگر اک بات واضح ہے
کہ تیرے لمس کی موجودگی
میرے لئے جینے کا
اکلوتا سہارا ہے
میری سوچوں کا محور ہے
میرے جینے کا حاصل ہے
اگر تجھ کو میری سوچوں سے
منع کر دیا جائے
تو!
باقی کچھ نہیں بچتا

عروبہ اس کے لہجے کی گمبھیرتا میں کھونے لگی تھی، اس نے کس قدر خوبصورتی سے شاعری کی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا اور وہ تو کرتا رہتا تھا۔

عروبہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے، فارقلیط حسن پریشان ہونے لگا۔

''کیا ہوا؟ تم رو رہی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ خوشی کے آنسو ہیں۔'' وہ مسکرانے لگی تو فارقلیط حسن بغور اس دھوپ چھاؤں کے منظر کو دیکھنے لگا۔

''تمہاری آنکھ میں آنسو نہیں آنے چاہیے، خوشی سے بھی نہیں۔'' فارقلیط حسن نے محبت سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ بھلا کب اس کی بات ٹالتی تھی۔

☆☆☆

اس نے چونکتے ہوئے اس شخص کی جانب دیکھا تھا، وہ اس کے سامنے اس کے قریب کھڑا تھا، اسے دیکھ کر اس کے زخم اور زیادہ رسنے لگے

تھے، دل کا درد اور تیزی سے بہنے لگا تھا، آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی، وہ شخص اور شدت سے یاد آنے لگا تھا، اس کی وفائیں، محبتیں، وعدے اور قسمیں اس کے آس پاس شور مچانے لگے تھے۔

''آپ یہاں اس وقت اکیلی، اس حال میں۔'' وہ بولا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی، جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''خیریت تو ہے نہ؟'' وہ پریشان ہوتا ہوا بولا۔

''پلیز مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟'' اسے سخت پریشانی لاحق ہو گئی تھی، مگر وہ مسلسل روئے جا رہی تھی، کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہ تھی۔

''چلیں آپ کو گھر ڈراپ کر دوں۔'' اس نے کہا، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میرا کوئی گھر نہیں ہے، مجھے یہیں پڑا رہنے دو، مر جانے دو۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب؟'' وہ شاکڈ تھا۔

''اس نے مجھے گھر سے نکال دیا، وہ جو مجھے زندگی کہتا تھا، بھول گیا سب باتیں، نہیں وہ جھوٹ بول رہا ہے، وہ مجھ سے نفرت نہیں کرتا، وہ مجھ سے نفرت کر ہی نہیں سکتا، میں نہیں جانتی اس نے ایسا کیوں کیا۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی، وہ حیران پریشان سا اسے دیکھ رہا تھا، اسے اس کی باتوں پر یقین نہ آ رہا تھا، بھلا ایسے کیسے ہو سکتا تھا، ان دونوں کی محبت کی تو زمانہ مثالیں دیتا تھا، پھر یوں اچانک۔

''آپ میرے ساتھ چلیں، میں اس سے بات کروں گا، آپ گاڑی میں بیٹھی رہیے گا۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

''اب کسی بات کا کوئی فائدہ نہیں، اس نے......'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی، ہونٹ کپکپا رہے تھے، آواز میں واضح لرزش تھی۔

''اس نے مجھے......طلاق دے دی ہے۔''

وہ بدقت تمام بول پائی تھی، سامنے کھڑے شخص کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر آ گرے ہوں، وہ بے یقینی کے عالم میں اس کے اجڑے، بکھرے وجود کو دیکھ رہا تھا۔

بادل زور سے گرجا تھا، ساتھ ہی بجلی چمکی تھی، بوڑھا آسمان دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا۔

اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا، آہ!

☆☆☆

بہت سوچ بچار کے بعد زین ندیم نے فروا سے بات کرنے کا ارادہ کر لیا، وہ عجلت بھرے انداز میں ناشتہ کر رہا تھا، جب امی نے اسے ٹوک دیا اور محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

''بیٹا! آرام سے کھاؤ۔''

''بس اماں! ہو گیا ناشتہ۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اندر کی جانب بڑھا، واپسی میں اس کے ہاتھ میں بائیک کی چابی تھی، اس نے بالوں میں پھنسائے ہوئے سیاہ سن گلاسز بالوں پر لگا لئے۔

''کس بات کی اتنی جلدی ہے، جو ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کیا۔'' انہوں نے اسے روکا۔

''ماں بہت ضروری کام ہے، دعا کیجئے گا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں بائیک لے کر باہر نکل گیا، وہ سیدھا آفس آیا تھا، سر موسیٰ آفس آئے ہوئے تھے، اس نے جب انہیں مصروف دیکھا تو ضروری کام کا بہانہ کر کے آفس سے نکل آیا، اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا، اسے ڈر لگ رہا تھا اور کسی حد تک وہ نروس تھا، وہ پہلے بھی تین مرتبہ ان کے گھر آیا تھا، مگر آج یہ دہلیز پار کرتے ہوئے وہ بری طرح گھبرایا تھا۔

لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھا وہ فروا کا منتظر تھا، اس کی دھڑکنیں اسے آتا دیکھ کر بے ترتیب ہو رہی تھیں، اس نے کھڑے ہو کر اسے سلام کیا تھا۔

''موسیٰ گھر پر نہیں ہیں۔'' اس کے سلام کا جواب دے کر وہ گہری سنجیدگی سے بولی تھی۔

''جی! میں جانتا ہوں، آفس سے ہی آ رہا ہوں، سر وہیں تھے۔'' وہ شائستگی سے گویا ہوا۔

''تو پھر کیوں آئے ہیں آپ؟'' اس نے دایاں ابرو چڑھا کر تیکھے پن سے پوچھا تو زین ندیم کے حوصلے پست ہونے لگے، سب الفاظ بھک سے ذہن سے اڑ گئے تھے۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' وہ نگاہیں جھکائے کھڑا تھا، جبکہ فروا نے کچھ چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

''دراصل میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔'' ہمت مجتمع کر کے اس نے کہہ دیا تھا، فروا شاکڈ تھی، اس کی حالت تو ایسی تھی جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' کچھ لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے تھے، اچانک جیسے وہ ہوش میں آئی تھی۔

''اگر میں یہ بات موسیٰ کو بتا دوں، تو معلوم ہے آپ کو آپ کا کیا حشر کریں گے وہ۔'' وہ غصے سے بولی تھی۔

''میں خود ان سے بات کرنا چاہتا ہوں، مگر اس سے پہلے آپ سے اجازت......''

''یہ غضب مت کیجیے گا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

''وہ آپ کو جان سے مار دیں گے۔'' وہ خوفزدہ دکھائی دینے لگی تھی۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ...... میں ان کی بیوی ہوں۔''

زین ندیم کو ایسا محسوس ہوا جیسے چھت اس کے سر پر آ گری ہو، وہ آنکھیں پھاڑے بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا، اس کی اندرونی شکست و ریخت اس کے چہرے سے واضح تھی، فروا نے آج پہلی مرتبہ اسے غور سے دیکھا تھا، وہ بے حد خوبصورت تھا، یقیناً کئی لڑکیوں کا آئیڈیل ہو گا، بہت سی اس پہ مرتی ہوں گی، مگر محبت کا یہ المیہ ہے کہ جسے جہاں سے چاہیے ہوتی ہے، وہاں سے نہیں ملتی، بہت قسمت کے دھنی ہوتے ہیں جنہیں یہ مل جاتی ہے، فروا کو اس پر ترس آیا تھا، کیونکہ وہ اس کا درد سمجھ سکتی تھی، اس کے دل کے کسی کونے میں عیسیٰ احمد کی محبت چپ اور بے بسی کی چادر اوڑھے آج بھی بیٹھی تھی، اس کا جی چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے۔

نا جانے گل افزاء اور غضنفر علی کی ناکام محبت پر یا عروبہ اور عیسیٰ کی دردناک محبت پر، یا اپنی عیسیٰ احمد سے یکطرفہ محبت پر، یا پھر زین ندیم کی فروا سے یکطرفہ اور ناکام محبت پر، وہ اس کے دھواں دھواں چہرے پر ایک آخری نگاہ ڈال کر پلٹ گئی تھی، زین ندیم خالی ہاتھ، خالی دل اور تہی داماں ساد ہیں کھڑا تھا۔

☆☆☆

نویلہ کالج میں اپنے مخصوص بینچ پر بیٹھی بہت تیزی سے نوٹس بنانے میں مصروف تھی، اس نے کوئی دوست نہ بنائی تھی، وہ اکیلی سارا دن گزارتی، صرف اپنی پڑھائی پر فوکس رکھتی۔

''بے شک نماز بھاری ہے، مگر ان مومنوں کے لئے ہرگز نہیں جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں۔'' ایک نہایت خوبصورت، ٹھنڈی میٹھی جھیل کی مانند پرسکون آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو لمحہ بھر کو اس کا پین رک گیا۔

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، تو وہی لوگ جنتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' وہ دوبارہ لکھنے میں مصروف ہو گئی، وہی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی، اب کی بار وہ اسے اگنور نہ کر سکی، اپنی جگہ سے اٹھی اور آواز کی سمت چل پڑی، وہ ایک بڑا کمرا تھا، جو شاید اکثر خالی ہی رہتا تھا، وہاں کوئی کلاس نہیں ہوتی تھی، وہ چلتی ہوئی اس کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی، اندر بہت سی طالبات بیٹھی تھیں، سامنے ایک لڑکی جس نے سیاہ رنگ کا عبایہ پہن رکھا تھا کھڑی ان سے باتیں کر رہی تھی، یقیناً وہ آواز اسی کی تھی، نویلہ بناء پلکیں جھپکائے اسے دیکھ اور سن رہی تھی، اس کی آواز اور اس کے الفاظ نویلہ کی روح میں اتر رہے تھے، وہ دم سادھے کھڑی تھی۔

☆☆☆

''عیسیٰ تمہیں پاکستان آنا ہوگا۔'' ماما کی کال آئی تھی اور وہ بضد تھیں کہ عیسیٰ احمد پاکستان آ کر نویلہ کو اپنے ساتھ لے کر جائے، مگر وہ مسلسل انکاری تھا۔

''ماما میں کئی بار آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ ممکن نہیں ہے۔'' اس نے حتی الامکان آواز کو نارمل رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تو پھر یہ بات ذہن نشین کر لو عیسیٰ احمد کہ میں اور تمہارے پاپا کبھی بھی وہاں نہیں آئیں گے نہ ہی تم سے بات کریں گے۔'' انہوں نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا، عیسیٰ احمد سر تھام کر رہ گیا۔

پورا دن پریشانی کے عالم میں گزرا تھا، وہ ماما اور پاپا کو ناراض نہ کرنا چاہتا تھا، مگر نویلہ کو اپنے گھر اور زندگی میں جگہ دینا بھی اس کے بس میں نہ تھا۔

''ماما! کاش آپ میری اذیت کو سمجھ سکیں، شاید اس طرح میرا درد کم ہو جائے۔'' وہ سر تھامے پریشان بیٹھا تھا، اچانک اس کے نمبر پر کال آنے لگی تھی، اس نے موبائل اٹھا کر کال ریسیو کی۔

''کیا؟'' دوسری طرف سے اسے جو خبر ملی اس نے اس کے اوسان خطا کر دیے، اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی، موبائل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔

☆☆☆

عروبہ کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا، وہ بہت ایکسائٹیڈ تھی، فارقلیط حسن آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا، ساتھ ہی مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تیار ہو گئی تم؟'' وہ کف لنکس لگاتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

''جی!'' وہ اس کے برابر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اسکارف پنوں کی مدد سے سیٹ کرنے لگی۔

''لپ اسٹک وغیرہ نہیں لگاؤ گی؟'' وہ اس کے میک اپ سے پاک چہرے کو ایک نظر دیکھ کر بولا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''لڑکی کا بناؤ سنگھار صرف اور صرف اس کے شوہر کے لئے ہوتا ہے۔'' اس نے دوپٹہ شانے پر سیٹ کیا، بلاشبہ وہ بہت باوقار اور پیاری لگ رہی تھی، مگر اس کی تیاری میں سادگی نمایاں تھی۔

''لیکن یہ شوہر لڑکی کو اجازت دے رہا ہے، لپ اسٹک لگا لو۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''شوہر صاحب کا بہت شکریہ، مگر لڑکی پھر بھی میک اپ نہیں کرے گی۔'' وہ اب اپنا بیگ اور فائل اٹھا کر اس کے ساتھ ناشتے کی میز پر آ گئی

تھی۔

''اچھے بچوں کی طرح ناشتہ کرو۔'' اسے جلدی جلدی تھوڑا سا ناشتہ کرتے دیکھ کر وہ ٹوک گیا۔

''بھوک نہیں ہے۔'' اس نے منہ بنایا۔

''یہ جوس کا گلاس ختم کرو۔'' فارقلیط حسن نے اسے گلاس تھمایا، جو کہ اس نے طوعاً کرہاً تھام لیا، فارقلیط حسن اسے خود ڈراپ کرنے گیا تھا۔

''اپنا بہت سارا خیال رکھنا، لنچ ٹائم پر کر لینا، کچھ بھی ایسا نہ کھانا جو تمہارے لئے اچھا نہیں، تھکن یا طبیعت خراب محسوس کرو تو فوراً مجھے کال کرنا، میں آ جاؤں گا۔'' محبت سے اس کا گال تھپتھپا کر فکرمندی سے بولا تو وہ مسکرا دی۔

''میں آپ کو مس کروں گی۔'' وہ اداس ہونے لگی۔

''جب دل چاہے کال کر لینا۔'' فارقلیط حسن نے کہا، وہ گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

''مجھے آپ خود لینے آیئے گا، ڈرائیور کو مت بھیجئے گا۔'' وہ ونڈو میں جھکی اسے ہدایت کر رہی تھی، اس نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

پھر لسٹ دیکھتے، کلاس ڈھونڈتے اسے کچھ وقت لگا تھا، کلاس سے فارغ ہو کر وہ یونیورسٹی کے وسیع و عریض گراؤنڈ کے نسبتاً تنہا گوشے میں جا بیٹھی اور جلدی سے موبائل فون بیگ سے نکالا، ابھی وہ فارقلیط حسن کا نمبر ملانے ہی والی تھی کہ ایک لڑکا اس کے سامنے آ رکا۔

''ہیلو چ مائے نیم از ریحان، تمہارا نام کیا ہے؟'' اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے بے تکلفی سے اس کا نام پوچھ رہا تھا، وہ حیرت کے عالم میں بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی، جو کہ شکل اور حلیے سے ہی اوباش نظر آ رہا تھا، عروبہ نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا تھا، مگر قریب قریب کوئی نہ تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

شہرِ دل کا راستہ

تحسین اختر

ساتویں قسط

بچھڑنا ہے تو خوشی سے بچھڑو محبتوں کے تمام وعدے
سوال کیسے جواب چھوڑو نبھائے کس نے بھلائے کس نے؟
کسے ملی ہیں جہاں میں خوشیاں تمہیں پشیمانی ہو گی جاناں
ملے ہیں کس کو عذاب چھوڑو جو میری مانو حساب چھوڑو
نئے سفر پر جو چل پڑے ہو
مجھے خبر ہے کہ خوش بڑے ہو
یہ کون اجڑا تمہارے پیچھے؟
یہ کس کے ٹوٹے ہیں خواب چھوڑو

گاؤں میں وہ ہی ہمیشہ جیسی رات اتری تھی، بھونکتے کتے، بولتے جھینگر، ٹمٹماتے تارے سرد ہوا، یہ گاؤں کی رات کے خاص عنوانات تھے وہ کچے کچے صحن میں اداس سی بیٹھی تھی، اس دشمن

ناولٹ



جاں کی یاد ٹوٹ کر برس رہی تھی، جو شہر میں کم مگر گاؤں میں آ کر اتنی شدت اختیار کرتی تھی کہ وہ بے بس سی ہو جاتی تھی شاید گاؤں کی ہوا میں اس کی خوشبو اسی شدت کے ساتھ رچی بسی تھی کہ وہ چاہ کر بھی اسے نہیں بھول سکتی تھی، اب تو ملاقات ہوئے بھی اک عرصہ ہوا تھا اور کبھی وہ دونوں انہی دھول اڑاتی گلیوں میں ایک ساتھ کھیل کر جوان ہوئے تھے، مگر کیا خبر تھی غم دوراں غم جاناں کو ہرا دے گا، وہ دونوں غم روزگار کی خاطر گاؤں چھوڑ دیں گے، اس نے اپنی خالی سفید ہتھیلی دیکھی تھی نہ کوئی وعدہ نہ وعید، نہ یاد، نہ تحفہ، نہ لمس نہ ساتھ، بس خالی محبت، اظہار سے خالی، دید سے خالی، نگاہ یار سے خالی، مستقبل سے خالی، جانے اب وہ کبھی ملے گا بھی یا نہیں۔

موحد کے نام کا تارا آسمان پر چمکا تھا اور حریم نے آنکھ میں آئی نمی صاف کی تھی، رات



بیت گئی تھی، درد کا چاند ڈھل گیا تھا، صبح کی ملگجی سی سپیدی نمودار کیا ہوئی گاؤں کی صبح میں آوازیں جاگ پڑی تھیں، بھینسوں کو ہانکنے کی آوازیں، مرغوں کے اذان دینے کی آوازیں، دودھ چاٹی میں بلونے کی آوازیں، دھواں اٹھنے کی لکیریں، بوڑھوں کے کھانسنے کی آوازیں وہ ہر ایک چیز کو محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر اندر کمرے میں آ گئی تھی۔

نیند تو رات درد کے ساتھ ہی بہہ گئی تھی، اندر کمرے میں وہ اپنا موبائل رکھ کر باہر آ کر نلکے پر وضو کرنے لگی تھی، کم از کم صبح کا آغاز تو اللہ کے حضور سر جھکا کر ہی کرنا چاہیے اور وہ کرنے کی کوشش پوری کرتی تھی۔

''اماں ناشتے میں بناتی ہوں۔'' وہ چولھے کے پاس آ کر بولی تھی۔

''ارے تو چھوٹے بہن بھائیوں کے کپڑے سنبھال لے میں تب تک ناشتہ بنالوں، آج اماں کو سب کو ساتھ لے کر اپنی بہن کے گھر شادی پر جانا تھا، آج مایوں تھا اور گاؤں میں تو تیل (مایوں کو کہتے ہیں) پر ہی سارا میل (خاندان) اکٹھا ہوتا تھا، اس لئے کل اور پرسوں کی طرح آج بھی اماں کی آواز رسیلی اور مٹھاس بھری تھی اور جو حریم کے کانوں کو اس قدر نامانوس لگتی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ نیم کے درخت پر اچانک ہی کوئی رس بھرا میٹھا پھل لگ جائے اس لئے اسے اماں کا یہ وقتی انداز اور مطلبی انداز ذرا کم ہی ہضم ہوتا تھا۔''

''اچھا اماں! اماں ایک بات کرنا تھی۔'' تابعداری سے کہہ کر اس نے ساتھ ہی پوچھا تھا۔

''ہاں ہاں پوچھو۔'' وہ منہ سے چولھے کی آگ کو پھونک مار کر تیز کرتے ہوئے بولی تھی۔

''وہ اگر میں نہ جاؤں شادی پہ، اصل میں مجھے اپنی طبیعت کچھ اچھی نہیں لگ رہی، اگر میں گھر پر ہی رک جاؤں۔'' وہ دل سے بھی یہی چاہتی تھی۔

''ارے نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے پھر تم اکیلی کیسے رہو گی گھر پر، چلو چلو شاباش تیاری کرو چلنے کی۔'' اماں اسے ہر صورت میں ساتھ لے جانا چاہتی تھی اس لئے حتمی انداز میں بولی تھی، وہ بے دلی سے اٹھ کر اندر آ گئی تھی، ابا چولھے کے پاس دھری چوکی پر بیٹھا چائے سڑک سڑک کر کے پی رہا تھا، اس کی بیگم اور حریم کی صلح اور یوں دوستانہ بات چیت اسے بہت مزہ دے رہی تھی اور اصلی گڑ کی چائے آج پہلے سے بھی زیادہ میٹھی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

''مما آپ سو رہی ہیں۔'' گڑیا نے مریم کے کمرے میں جھانکا تھا، وہ جاگ رہی تھی مگر آنکھوں پہ بازو رکھ کر سوتی بن گئی تھی، گڑیا دروازے میں کھڑی جواب کا انتظار کرتی رہی تھی پھر اندر آ گئی تھی۔

''مما جی!'' وہ قریب آ کر پکاری تھی، جب سے مما ہاسپٹل سے آئی تھیں، ہر وقت لیٹی رہتی تھیں یا پھر روتی رہتی تھیں، گڑیا اور سنی اپنے دل میں مما کا بدلنا اور ہر وقت اداس رہنا بہت محسوس کرتے تھے، وہ مگر جب بھی مما کے پاس آتے یا قریب ہونے کی کوشش کرتے وہ سو جاتیں یا پھر سوتی بن جاتیں، وہ مایوس ہو کر لوٹ جاتے، گڑیا نے تو ایک دن پاپا سے بھی کہہ دیا تھا۔

''مما اب پہلے جیسی نہیں رہیں، ہر وقت روتی رہتی ہیں۔''

''بیٹا وہ بیمار ہیں، ان کی طبیعت خراب ہے، وہ جب ٹھیک ہو جائیں گی تو پھر سے آپ کی پہلی والی مما بن جائیں گی۔'' منصور نے گڑیا کو سمجھایا

تھا۔
''سچ پاپا۔'' گڑیا کے چہرے پر خوشی لہرائی تھی۔
''بالکل سچ۔'' بیٹی کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا پڑے تھے۔
''چلو آؤ جب تک مما ٹھیک نہیں ہو جاتیں تب تک پاپا آپ سے کھیلتے ہیں۔'' انہوں نے سنی کو بھی اشارہ کیا تھا اور دونوں کو ایک ساتھ گود میں بٹھا لیا تھا، دونوں بچے باپ کی توجہ پا کر ایک دم کھل اٹھے تھے، منصور نے یوں بھی ماں کے بعد انہیں کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی یہی وجہ تھی کہ ان کے بچے اعتماد کی دولت سے مالا مال تھے مگر سچی بات تھی کہ جو پیار ان کے گھر میں آ کر مریم نے بچوں کو دیا تھا اس پیار کا نعم البدل کوئی اور نہیں تھا۔

ادھر مریم کا دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا، چلو بچہ گیا وہ سنبھل جاتی مگر ہمیشہ کے لئے وہ ممتا سے محروم ہو گئی تھی یہ بات اس سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی اور اس سب کا ذمہ دار وہ سنی اور گڑیا کو سمجھتی تھی، نہ وہ پانی گراتے نہ وہ پھسلتی اور نہ ہی اس کا اتنا بڑا نقصان ہوتا، کاش وہ لمحہ اس کی زندگی میں آیا ہی نہ ہوتا تو آج سب کچھ کتنا اچھا ہوتا اور کتنا مختلف، مگر جو جیسے ہونا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے، تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے، مگر یہ بات مریم نہیں سمجھ پا رہی تھی، اسے تو اپنا سب کچھ کھو دینے کا دکھ تھا جو کسی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا، اپنے بچے کے لئے اس نے کیسے کیسے خواب دیکھے تھے، کیا کچھ نہیں سوچا تھا، مگر اب کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

وہ بستر سے اٹھی تھی اور الماری کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی، الماری کے پٹ کھولتے ہی اس کی آنکھیں جو پہلے سے بھری ہوئی تھیں ایک دم برسنے لگی تھیں، الماری میں ہر وہ چیز پڑی تھی جو اس نے اور منصور نے آنے والے ننھے مہمان کے لئے خریدی تھی، وہ ایک ایک چیز کو چھو کر اپنے بچے کو محسوس کر رہی تھی اور اسی رفتار سے رو رہی تھی۔
''مریم...... مریم۔'' منصور کمرے میں آئے تھے اور اسے الماری کے سامنے روتا دیکھ کر لپک کر اس کی طرف آئے تھے اور اسے بانہوں کے حلقے میں لے لیا تھا۔
''منصور میرا بچہ۔'' وہ منصور کے کندھے سے لگی سسکنے لگی تھی۔
''مریم اب بھول بھی جاؤ، جو کچھ ہوا۔'' مریم کا دکھ کسی طرح بھی کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا، حتیٰ کہ منصور اسے سمجھا سمجھا کر اور بہلا بہلا کر بھی تھک گئے تھے۔
''کیسے بھول جاؤں، میرے پاس تو کچھ نہیں رہا۔'' وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
''کیسے کچھ نہیں رہا، دیکھو میں ہوں نا تمہارا، سنی اور گڑیا ہمارے بچے بھی تو ہمارے پاس ہیں نا۔''
''ہمارے بچے۔'' وہ خلا میں دیکھنے لگی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ میرے نہیں صرف آپ کے بچے۔
''ہاں ہمارے بچے۔'' منصور اس کی سوچوں سے بے نیاز بولا تھا۔
''مگر میرا بچہ۔'' وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، منصور دکھ سے اسے دیکھنے لگا تھا، مریم اس حادثے کے بعد سنبھل نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

موحد کا دوست موحد جیسے طبقے سے ہی تعلق رکھتا تھا اور اس کی بیوی بھی اس جیسی تھی، موحد

کے ساتھ تو وانیہ کو محبت تھی تو اس کی ہر بات اچھی لگتی تھی اس کی کوئی خامی، خامی ہی نہ لگتی تھی، مگر دوسرے لوگوں کو وہ اتنا مارجن نہیں دے سکتی تھی، اس لئے مارے باندھے اس کی بیوی کے ساتھ بیٹھی رہی تھی اور وہ وانیہ کی خوبصورتی اور پہننے اوڑھنے کو ہی حسرت سے دیکھتی رہی تھی وہ ایک عام سی مڈل کلاس عورت تھی، اس نے کب اپر کلاس کی کسی لڑکی کو اس قدر قریب سے دیکھا تھا اور وہ بھی اتنی بے تکلفی سے کہ اس کے شوہر کے دوست کی بیوی کے طور پر، اس لئے وہ جتنی دیر بھی وانیہ کے پاس بیٹھی رہی تھی اس سے متاثر ہوتی رہی تھی رشک وحسد سے اسے دیکھتی رہی تھی اور وانیہ کوفت کا شکار ہوتی رہی تھی۔

''اف شکر ہے۔'' ان کے جانے کے بعد وانیہ نے ایک گہری سانس لی تھی اور کشن منہ پر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' موحد نے کشن اس کے منہ پر سے ہٹایا تھا۔

''اف کتنا مشکل ہے ایسے لوگوں کے ساتھ گپ شپ کرنا۔''

''یار کیسے لوگوں کے ساتھ، اتنے اچھے تو ہیں وہ دونوں، دیکھو کس قدر خلوص سے ہمارے لئے کھانا بنا کر لائے ہیں، ہمارے لئے اتنا کچھ کیا ہے۔''

''ہاں تو ٹھیک ہے نا میں نے کب کچھ کہا۔'' وہ لیٹے لیٹے بولی تھی۔

''ڈیئر کچھ نہ کہو مگر یوں تو مذاق مت اڑاؤ۔''

''موحد جی میں نے کب مذاق اڑایا ان کا۔''

''چلو چھوڑ آؤ کھانا کھاتے ہیں۔'' موحد کھانے کے ڈبے اٹھا کر اس کے پاس آ گیا تھا، کھانا چونکہ ریڈی میڈ تھا اس لئے وانیہ کو پسند آ گیا تھا، موحد کے دوست نے بھی سوچا ہوگا کہ اپر کلاس کی بھابھی کے لئے یقیناً اس کی بیوی کہاں کچھ بنا پائے گی اس لئے بازار سے ہی لے لیا جائے، ان کی اس عقل مندی پر وانیہ نے شکر کا سانس لیا تھا اور رغبت سے کھانے لگی تھی۔

کھانے کے بعد موحد گرین ٹی بنانے کچن میں چلا گیا تھا اور وانیہ موبائل لے کر ممی کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی، جانے کیوں آج ممی بہت یاد آ رہی تھیں، کبھی ان سے اتنے دن دور نہیں رہی تھی جب بھی جہاں بھی جاتیں وہ دونوں ہی جایا کرتی تھیں۔

ممی کا نمبر بند جا رہا تھا، اس نے کتنی بار ہی ٹرائی کیا مگر نمبر بند ہی رہا، آخر تھک ہار کر اس نے موبائل بیڈ پر اچھال دیا تھا۔

''کیا ہوا، اداس ہو۔'' موحد گرین ٹی کے دو کپ ٹرے میں رکھے اس کے پاس آ کر رکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہوں۔''

''کس سے۔''

''ممی سے۔''

''تو بات کر لونا۔''

''بہت بار فون کیا مگر ان کا نمبر بند جا رہا ہے، جانے کیوں مجھے لگ تا ل ہے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ایسے مت سوچو، وہ ٹھیک ہوں گی، چلو چھوڑو سب باتیں یہ لو گرما گرم چائے پیو۔'' موحد نے ٹرے اس کے سامنے کھسکائی تھی اور اپنا کپ اٹھا لیا تھا۔

''گھر کے نمبر پر کال کرلو۔''

''میرا حوصلہ نہیں پڑتا۔''

''کیوں؟''

''جس طرح اس دن پپا نے ملازمین کے سامنے میری انسلٹ کی وہ مجھے نہیں بھولتی۔''
اسے اپنی انسلٹ نہیں بھولی تھی اور جس طرح وہ موحد کا ہاتھ تھام کر باپ کی عزت کو قدموں تلے روند کر گھر سے باہر نکل آئی تھی وہ اسے یاد بھی نہیں تھا اور نہ اس بات کی پرواہ تھی۔
''اوکے، چلو آؤ باہر چلتے ہیں، دیکھو اسلام آباد کا موسم کیا غضب کا ہو رہا ہے۔'' موحد نے اس کا دھیان بٹانے کی خاطر کہا تھا۔
''ہاں چلو، میں بھی اندر لیٹے لیٹے تنگ آ گئی ہوں۔'' وہ بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے بولی تھی۔

☆☆☆

وہ کوئی عجوبہ نہ تھی مگر گاؤں والوں نے اور اماں کے رشتہ داروں نے اسے عجوبہ بنا دیا تھا، سب اسے منہ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی اور سیارے کی مخلوق ہو اور راستہ بھول کر اس طرف آ نکلی ہو۔
''نی لبنی تیرے بندے کی کڑی تو رج کے سوہنی ہے۔'' لبنیٰ بیگم کی تایا زاد چچو نے اسے کہنی مارتے ہوئے کہا تھا۔
''آہو، کوئی دنیا توں انوکھی وکھری سوہنی تے نہیں۔'' لبنیٰ بیگم کو پہلے ہی آگ لگی ہوئی تھی جو بھی آتا حریم کو ہی دیکھنے بیٹھ جاتا تھا اور تو اور اس کے سارے چچرے ڈھمیرے، پھپھیوں کے بیٹے اور آگے سے ان کے بیٹے بھی حریم کے اردگرد ہی منڈلا رہے تھے، حریم اس شادی میں پہلے ہی نہیں آنا چاہتی تھی مگر اب اسے بھی آ کر مزہ آنے لگا تھا، وہ خود کو کوئی اور ہی چیز سمجھنے لگی تھی اور حقیقت بھی یہی تھی وہ ان سب میں الگ ہی الگ تھی۔
''آپ کو ڈانس آتا ہے جی۔'' مہندی کی رات جب ساری عورتیں صحن میں دریاں بچھائے ڈھولکی پیٹ رہی تھیں، دلہن کی چھوٹی بہن نے آ کر حریم سے پوچھا تھا جو اپنے اسمارٹ فون کے ساتھ مصروف تھی۔
''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے جی، آپ جھوٹ بول رہی ہیں نا، آپ کو ضرور ڈانس آتا ہے۔'' لڑکیوں کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا وہ تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔
''ارے میں جھوٹ نہیں بول رہی مجھے واقعی کوئی ڈانس وانس نہیں آتا۔''
''ہونہہ نخرے سارے، چلو آؤ، میں تمہیں ڈانس کر کے دکھاتی ہوں۔'' لبنیٰ بیگم کے ایک ماموں کی دھی جو اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتی تھی مگر جب سے یہاں آئی تھی حریم نے اس کے سارے نمبر کاٹ دیئے تھے وہ تب سے اس سے خار کھائے بیٹھی تھی، خاندان کے سارے لڑکے جو ہر شادی بیاہ میں بس اس کے ہی پیچھے ہوتے تھے آج اسے کوئی نہیں پوچھ رہا تھا کیونکہ آج سارے کے سارے حریم کے شیدائی بنے ہوئے تھے۔
''اچھا کون سے گانے پر۔'' ساری اب اشتیاق سے اس کے اردگرد اکٹھی ہو گئی تھیں۔
''ابھی بتاتی ہوں۔'' اس نے خود جا کر گانا سیٹ کیا تھا اور اپنا دوپٹہ اتار کر میدان میں آ گئی تھی۔

وے تو لونگ وے میں لاچی
تیرے پچھے آ گواچی
تیرے عشق نے ماری
کڑی کچ دی کنواری
وے میں چھپے دے پہاڑاں والی شام وے منڈیا
صندلی صندلی نیناں وچ تیرا نام وے منڈیا
اوہ میرے سونے سونے پیر
توں تے جانا رہنا شہر

بوہتاں مندگی نہ تھوڑا
لے دے جھانجھراں دا جوڑا
جھیڑاں وکدا بازاراں وچ عام وے منڈیا
صندلی صندلی نیناں وچ تیرا نام وے منڈیا

گانا زبردست تھا اور اس پر اس کا ڈانس بھی آخیر تھا، حریم حیران تھی کہ کیسے گاؤں کی لڑکیاں گھر بیٹھے ہی ایسا زبردست ڈانس سیکھ جاتی ہیں، وہ ناچ رہی تھی اور سب سانس روکے اسے دیکھ رہی تھیں، گانا ختم ہوا تو حریم نے سب سے پہلے اسے تالیاں بجا کر داد دی تھی، وہ بڑے فخر سے چلتی ہوئی حریم کے پاس سے گزر گئی تھی جیسے آج اس نے اس محفل میں ڈانس کر کے کوئی بڑا معرکہ مار لیا ہو۔

اگلے دن بارات تھی مگر صبح ہی یاشر علوی کا فون آ گیا کہ ایک ارجنٹ میٹنگ کے سلسلے میں اسے بھی دوبئی سے جلدی واپس آنا پڑا تھا اور وہ بھی شام تک شہر پہنچ جائے، وہ تو پہلے ہی یہاں سے رسے تڑوانے کے چکروں میں تھی۔

''اماں میرے دفتر سے فون آیا ہے، ایک ضروری میٹنگ ہے، مجھے ابھی جانا ہوگا۔'' اس نے اپنی ہم عمر کزنز میں گپیں مارتی لبنیٰ بیگم سے جا کر کہا تھا۔

''ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے، ابھی کچھ دیر میں بارات آنے والی ہے اور تم ایسے کیسے جا سکتی ہو۔'' لبنیٰ بیگم مشکوک طریقے سے اس کے چہرے پر کچھ کھوجتے ہوئے بولی تھیں، کیونکہ وہ کب اس شادی میں آنا چاہتی تھی۔

''اماں سمجھا کرو نا، مجبوری ہے میری باس کا ابھی فون آیا ہے، اگر میں میٹنگ میں نہیں پہنچی تو وہ اس ماہ کی تنخواہ بھی روک سکتے ہیں۔''

حریم کو پتہ تھا لبنیٰ بیگم ویسے تو مانیں گی نہیں اس لئے اس نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''اچھا، سچ کہہ رہی ہو نا۔'' تنخواہ کا سن کر لبنیٰ بیگم سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''اماں میں کیوں جھوٹ بولوں گی، جب شادی میں آ ہی گئی تھی تو پھر شادی ختم کر کے ہی مجھے جانا تھا۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے تم جاؤ پھر۔'' ابھی تک ایک لاکھ روپے کا جادو باقی تھا اس لئے لبنیٰ بیگم نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی، اس نے اپنا سامان اٹھایا تھا اور چادر اوڑھ کر گھر سے نکل آئی تھی، پہلے اسے ساتھ والے گاؤں میں اپنے گھر جانا تھا اور پھر وہاں سے شہر۔

''حریم..... حریم۔'' وہ اپنے گھر کا تالا کھول رہی تھی جب چاندنی اسے دیکھ کر بے تابی سے پکارتے ہوئے آئی تھی۔

''کیا مصیبت آ گئی ہے۔'' تالا کھل گیا تھا وہ گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے بولی تھی، چاندنی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔

''پہلے تم یہ بتاؤ تم شادی چھوڑ کر کیسے آ گئی۔''

''دفتر سے باس کا فون آ گیا تھا، مجھے ابھی شہر جانا ہے۔'' حریم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا، کوئی خبر سنی ہے تم نے۔'' چاندنی اس کے چمکتے اور خوشی سے بھرپور دہکتے چہرے کو دیکھ کر بولی تھی۔

''کیسی خبر؟'' وہ جو الماری سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی، اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی تھی۔

''وہ موحد ہے نا سنا ہے اس نے شہر میں شادی کر لی ہے۔'' موحد کے ساتھ اپنی چاہت


ہونہار
ماں کی دعا۔۔۔
نیچرل گرائپ
ہونہار

اور دل کا ناطہ حریم نے بہت چھپا کر رکھا تھا مگر چاندنی بھی اس کی رگ رگ سے واقف تھی، اس کی بچپن کی سہیلی تھی، اس لئے خاموشی سے اس کی چاہت کے بارے میں جانتی تھی مگر آج جو بات موحد کی بہن عابدہ نے اسے بتائی تھی اس نے اس کے پیروں تلے سے زمین نکال دی تھی۔

''کیا؟'' کپڑے چھوٹ کر فرش پر جا گرے تھے، حریم کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رہ گیا تھا۔

''ہاں سچ کہہ رہی ہوں۔''

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''عابدہ نے اور وہ اپنے بھائی کے بارے میں بھلا جھوٹ کیوں بولے گی، کہہ رہی تھی جس سیٹھ صاحب کے پاس وہ کام کرتا تھا اس کی بیٹی موحد سے محبت کرنے لگی تھی اور اس نے پھر موحد سے شادی کر لی، وانیہ نام ہے اس کا۔'' چاندنی ساری تفصیل ساتھ لائی تھی۔

''وانیہ!'' یہ نام حریم کے دل پر خنجر بن کر لگا تھا اور وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''حریم!'' چاندنی اس کے پاس آئی تھی اور اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا، جو محبت کل تک پوشیدہ تھی دل کے اندر تھی ساتھ پردوں میں چھپی تھی، آج وہ چاندنی کے سامنے عیاں ہو رہی تھی، حریم نے دل کھول کر چاندنی کے کندھے پر آنسو بہائے تھے۔

''اب چپ بھی کر اور کتنا روئے گی۔'' چاندنی کا دوپٹہ گیلا ہو گیا تھا اس کے آنسوؤں سے۔

''کیسے چپ کروں، ابھی تو اس محبت کو کوئی عنوان بھی نہ ملا تھا کہ یہ کھو گئی مجھ سے۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی تھی۔

''دبس یہ تمہارے نصیب میں نہیں تھی۔''

''مگر محبت تو تھی نا اور یہ اتنی جلدی کب ختم ہوتی ہے۔''

''تو پھر اس کو بتا دیتی، تم نے بھی تو اس کو دل میں چھپائے رکھا۔'' چاندنی نے ڈانٹا تھا۔

''وہ بھی تو جانتا تھا، شادی کرتے وقت ایک بار بھی اس کو میرا خیال نہیں آیا۔''

''تمہیں کیسے پتہ وہ جانتا تھا کبھی اس نے تم سے کچھ کہا۔''

''چاندنی محبت لفظوں کی محتاج تو نہیں ہوتی، بس جب میں اس کو دیکھ لیتی تھی یا وہ مجھے تو ہماری محبت کو زبان مل جاتی تھی۔''

''بی بی جس نے محبت کی اس نے اسے پالیا اور تم اس محبت کو دل میں چھپائے بیٹھی رہی اور تم سے وہ چھن گیا۔'' چاندنی نے کہا تھا اور اس کی بات پر حریم کے آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے تھے۔

☆☆☆

مریم نے اس حادثے کا اتنا اثر لیا تھا کہ ابھی تک سنبھل نہیں پائی تھی، وہ اپنے کمرے سے نکلتی تو پہروں ایک ہی نقطے پر نگاہیں مرکوز کیے جانے کیا سوچتی رہتی، گھر اور بچوں میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی اور تو اور وہ خود سے بھی اتنی لاپرواہ رہنے لگی تھی کہ اسے منصور کا بھی ہوش نہیں تھا، منصور نے اسے بہلانے، سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی تھی اور پھر تھک ہار کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

''مما مجھے نوڈلز کھانے ہیں، پلیز بنا دیں نا، ویسے ہی یمی اور کریمی جیسے آپ بناتی ہیں۔'' گڑیا اس کے پاس آئی تھی اور لاڈ سے اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولی تھی۔

''جنت کچن میں ہو گی، جاؤ وہ تمہیں نوڈلز بنا دے گی۔'' مریم نے آہستہ سے اس کے ننھے ننھے بازو اپنی گردن سے نکالے تھے اور رکھائی

سے کہا تھا۔

''مگر مما مجھے تو آپ کے ہاتھ کے بنے ہوئے نوڈلز کھانے ہیں، آنٹی ویسے نہیں بناتی جیسے آپ بناتی ہیں۔'' گڑیا ضد کرنے لگی تھی۔

''گڑیا شور مت کرو، پہلے ہی میرے سر میں درد ہو رہا ہے اور جاؤ یہاں سے، ابھی میں نوڈلز نہیں بنا سکتی۔'' گڑیا کی پیار بھری ضد پر اس نے اسے ڈانٹ دیا تھا، وہ پہلے تو حیرت سے مما کو دیکھتی رہی تھی اور پھر آنسو بھری آنکھوں سے اندر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی۔

''گڑیا کیا ہوا، کیوں رو رہی ہو۔'' سنی ہوم ورک کر رہا تھا، اسے یوں بیڈ پر الٹا لیٹا دیکھا تو اس کی سسکیوں کی آواز سن کر اس کے پاس آ کر پوچھنے لگا تھا۔

''بھائی مما گندی ہیں، انہوں نے مجھے ڈانٹا ہے۔'' اس نے سسکیوں میں بھائی کو بتایا تھا۔

''نہیں گڑیا ایسے نہیں کہتے، مما کو گندا نہیں بولتے، تم نے انہیں تنگ کیا ہوگا تبھی تو انہوں نے تمہیں ڈانٹا۔''

''میں نے انہیں کوئی تنگ نہیں کیا تھا، بس نوڈلز بنانے کا کہا تھا۔''

''ان کی طبیعت جو ٹھیک نہیں، اس لئے تمہیں منع کیا ہوگا۔'' سنی نے بڑے پن کا ثبوت دیتے ہوئے عقل مندی سے کہا تھا۔

''نہیں ان کی طبیعت ٹھیک ہے اب، پاپا کے لئے تو وہ کام کرتی ہیں، صبح ان کا ناشتہ بھی بنایا تھا۔''

''اچھا چلو چھوڑو، آؤ میں تمہارے لئے نوڈلز بناتا ہوں۔'' سنی اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن کی طرف لے گیا تھا، مگر جب جنت نے انہیں کچن میں چولھے کے پاس کھڑے دیکھا تھا تو دوڑ کر آئی تھی اور انہیں ہٹا کر خود نوڈلز بنانے لگی تھی۔

''بچے تم لوگوں نے آئندہ آگ کے پاس نہیں آنا۔'' جنت کام کرتے ہوئے انہیں سمجھانے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے آنٹی۔'' سنی نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''چلو اب کمرے میں جاؤ شاباش، میں نوڈلز بنا کر وہیں لے آتی ہوں۔''

''آؤ گڑیا۔'' سنی گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گیا تھا۔

''پاپا آج میں نے مما سے کہا کہ مجھے نوڈلز کھانے ہیں اور مجھے بنا کر دیں تو انہوں نے مجھے نوڈلز بھی بنا کر نہیں دیئے اور ڈانٹا بھی۔'' منصور گھر آئے تو گڑیا شکایتی دفتر کھول کر بیٹھ گئی۔

''اچھا مما نے آپ کو کیوں ڈانٹا، وہ تو آپ سے بہت پیار کرتی ہیں، وہ تو آپ کو کبھی نہیں ڈانٹ سکتیں۔'' منصور نے گڑیا کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں پاپا اب وہ پہلے جیسا پیار نہیں کرتیں۔''

''اوہ جانو، ایسا نہیں کہتے، وہ آپ کی ماما ہیں، آپ سے پیار نہیں کریں گی تو اور کس سے کریں گی، ہاں بس ان کی طبیعت خراب ہو گی اس لئے آپ کو ایسا کہہ دیا۔''

''پاپا اب تو ہر وقت ان کی طبیعت خراب رہتی ہے، ہمیں ایسی مما نہیں چاہیے ہمیں پہلے والی مما چاہیے۔''

گڑیا آج مریم کے رویے سے بہت ہرٹ ہوئی تھی اس لئے مچل کر کہنے لگی تھی۔

''اچھا جان، آج میں آپ کی مما کو سمجھاؤں گا پھر وہ پہلی والی مما بن جائیں گی۔''

''پرامس پاپا۔''

''بالکل پکا والا پرامس۔'' منصور نے گڑیا

کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا اور ساتھ ہی اس کے پھولے ہوئے گالوں پر پیار کیا تھا۔

''آج آپ نے گڑیا کو ڈانٹا۔'' منصور کمرے میں آئے تو مریم ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھی، منصور نے مریم کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''آپ کو کس نے بتایا۔'' مریم نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کیا تھا۔

''مجھے کس نے بتانا تھا، گڑیا کہہ رہی تھی، مما پہلے جیسی نہیں رہیں اب۔''

''اسے بتایا نہیں آپ نے مما پہلے جیسی رہ بھی کیسے سکتی ہیں، مما کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو گیا۔'' وہ تیکھے لہجے میں بولی تھی۔

''مریم یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔'' منصور مریم کے انداز دیکھ کر بولا تھا۔

''آپ لہجے کی بات کرتے ہیں، منصور میرا تو سب کچھ ہی بدل گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے تم نے اس حادثے کا اتنا اثر لیا ہے کہ تم ڈپریشن میں چلی گئی ہو، میں کسی سکائیکاٹرسٹ سے ٹائم لیتا ہوں، تمہارے ایک دو سیشن ہونا بہت ضروری ہیں۔''

''مجھے کسی سکائیکاٹرسٹ یا سیشن کی ضرورت نہیں ہے، مجھے بس اپنے بچے کی ضرورت تھی، جو اب کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔'' وہ غصہ سے کہہ واش روم میں گھس گئی تھی اور جاتے جاتے واش روم کا دروازہ اس قدر زور سے بند کیا تھا کہ منصور کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

''بیٹھے بیٹھے تو خزانہ بھی خالی ہو جاتا ہے، مجھے اب کوئی کام دھندہ شروع کرنا چاہیے۔'' موحد وانیہ کے پاس لیٹے لیٹے بولا تھا۔

''ہاں تو میں نے کب روکا ہے، جاب ڈھونڈو نا، اپنے دوست سے بات کرو، وہ کوئی انتظام کر سکتا ہے تو تمہارے لئے کچھ کر دے۔'' وانیہ نے کہا تھا۔

''ہاں میں نے کہہ رکھا ہے ایک دو لوگوں سے۔''

''مگر جاب کوئی ریزن ایبل ہو۔'' وہ بولی تھی۔

''جب ڈرائیور تھا تب بیگم صاحبہ کو پسند آ گیا تھا اور اب جب شوہر ہوں تو جاب کوئی اچھی ہو۔'' وہ ہنسا تھا۔

''ہاں تو اسی لئے نا کہ اب تمہارا اسٹیٹس میرا اسٹیٹس ہے۔''

''یار یہ ایک تم لوگ اسٹیٹس کانشش بہت ہو، ہر بات میں بس، اسٹیٹس اسٹیٹس۔''

''تم لوگ، یہ تم لوگ کس کو کہا ہے۔'' وہ تکیہ اس کی طرف اچھال کر بولی تھی۔

''ارے بابا ویسے ہی ایک بات کی ہے، تم نے تو مجھ پر حملہ ہی کر دیا ہے۔'' وہ تکیے کو بازوؤں میں دبوچ کر بولا تھا۔

''اگر ایسی بات کرو گے تو پھر ایسا ہی کروں گی۔''

''یار اسی لئے لوگ بیویوں سے ڈرتے ہیں، آج پتہ چلا ہے کہ بیویاں شوہروں پر کس قدر تشدد کرتی ہیں۔'' وہ مذاق اڑاتے ہوئے بولا تھا۔

''ابھی تم نے بیویوں کا تشدد دیکھا کہاں ہے۔''

''اچھا یعنی کہ ابھی ترکش میں اور بھی تیر باقی ہیں۔''

''ہاں بہت۔''

''چلو اب ان تیروں کو سمیٹو اور کچھ پیٹ

پو جا کے لئے لے کر آؤ، لنچ کا ٹائم نکلا جا رہا ہے، ویسے آج بیگم صاحبہ نے ان پیارے پیارے ہاتھوں سے کیا پکایا ہے۔"

"آج اسپیشل کچھ نہیں پکایا۔"

"اوہو، یار یہ عجیب وغریب شکلوں اور ناموں والے کھانے کھا کھا کر میں اکتا گیا ہوں اور میرا معدہ بھی دہائیاں دینے لگا ہے۔"

"اچھا تو پھر جناب کو کیا چاہیے۔"

"یہی کوئی بریانی، قورمہ، کباب، حلیم، زردہ، پلاؤ۔"

"مجھ سے نہیں بنتے ایسے مشکل مشکل کھانے۔" وہ منہ بگاڑ کر بولی تھی۔

"تو سیکھ لو نا یار، سیکھنے سے سب آ جاتا ہے۔"

"سیکھ لوں گی لیکن ابھی بس جو ہے وہی لینے جا رہی ہوں۔"

"چلو لے آؤ شام کو میں بریانی بناؤں گا اور تمہیں سکھاؤں گا بھی۔"

"تمہیں کھانا بنانا آتا ہے۔"

"ہاں بالکل آتا ہے، تم نے اپنے موحد کو کوئی ایسا ویسا سمجھ رکھا ہے، جناب ہرفن مولا ہوں۔"

"اچھا یہ اپنے منہ میاں مٹھو بعد میں بن لینا، میرا ہاتھ چھوڑو میں کھانا لے کر آؤں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"لیں جناب چھوڑ دیا۔" اس نے وانیہ کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا تھا، وانیہ ہنستی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی تھی۔

☆☆☆

مرنے سے بھی پہلے مر گئے تھے
جینے سے کچھ ایسے ڈر گئے تھے
رستے میں جہاں تلک دیئے تھے
سارے مرے ہم سفر گئے تھے
آنکھیں ابھی کھل نہ سکی تھیں
اور خواب مرے بکھر گئے تھے
جب تک یہ کھلا تھا اس کا وعدہ
موسم مرے بے ثمر گئے تھے
گرداب سے بچنے والوں کی سمت
ساحل سے کئی بھنور گئے تھے
اب تک وہی شہ پذیرائی
کل خواب میں اس کے گھر گئے تھے
ملتا نہ تھا واپسی کا راستہ
کیا جانئے ہم کدھر گئے تھے

اسے کچھ خبر نہ تھی کہ کیسے چاندنی کے جانے کے بعد اس نے اپنا سامان اٹھایا تھا اور بس تک کیسے پہنچی تھی، آنکھوں کے آگے اندھیرے کی چادر تنی تھی اور دل سینے میں ہی کرلاتا تھا، بس ہرے بھرے کھیتوں کو تیزی سے پیچھے چھوڑے جا رہی تھی اور وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے کچے پکے صحن میں پہنچی ہوئی تھی جہاں ایک جیسی عمر کے بچے کھیل رہے تھے ان میں حریم اور موحد بھی شامل تھے، موحد بس حریم کا ساتھی بنتا تھا اور حریم بھی موحد کے ساتھی بننا پسند کرتی تھی، وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر آنکھ مچولی کھیلتی تو موحد جہاں بھی چھپا ہوتا ہلکی سیٹی مارتا وہ اس کی مخصوص آواز کو پہچان کر اس تک پہنچ جایا کرتی تھی اور اسے سب سے پہلے ڈھونڈ نکالتی تھی، تائی کریماں کی نمو اس بات پر بہت شور مچاتی تھی کہ تم سب سے پہلے موحد کو ہی کیسے ڈھونڈ نکالتی ہو، نمو کی اس بات پر وہ دونوں ہنس پڑتے اور نمو دانت کچکچا کر رہ جاتی، آنسو آنکھوں سے بہہ کر گالوں کو بھگونے لگے تھے اس نے جلدی سے آنکھیں کھولی تھیں اور چادر کے پلو سے گیلا چہرہ صاف کیا تھا، تماشا اپنا بن گیا تھا، دل کا بن گیا تھا اب کیا ضروری تھا

کہ گاؤں والوں اور دنیا والوں کے سامنے بھی تماشا لگتا، گاؤں کی اس بس میں دو چار سواریاں تو اپنے گاؤں کی ضرور ہوتی تھیں، شہر آ گیا تھا وہ رکشہ لے کر ہاسٹل بھی جا پہنچی تھی مگر آنکھوں کا گیلا پن ختم ہی نہ ہوتا تھا، اس نے کمرے میں پہنچ کر بیگ رکھا تھا اور بیڈ پر گر کر رونے لگی تھی، ضبط کتنا بھی کرو ضبط ٹوٹ ہی جاتا ہے، بچپن کی محبت اور چاہت جو دل میں ہمیشہ بسی رہی آج کسی اور کے سپرد ہو گئی تھی ضبط کا ٹوٹنا تو بنتا ہی تھا۔

''تم روئی ہو۔'' مشائم کہیں باہر گئی ہوئی تھی، واپس آئی تو رو کھے پن سے پوچھنے لگی تھی، ویسے بھی جانے کیوں اب حریم کے ساتھ بات کرتے وقت اس کا لہجہ بدل جاتا تھا اور اس کی وجہ نہال شیخ تھا جو غیر محسوس طریقے سے ان کے درمیان آ گیا تھا، حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ نہال حریم کو چاہتا ہے مگر پھر بھی اسے اب حریم اور نہال کا ایک آفس میں کام کرنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔

''نہیں تو۔'' حریم جلدی سے واش بیسن کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی اور آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی تھی۔

''روئی ہوئی لگ رہی ہو۔''

''نہیں یار، بس سفر سے آئی ہوں نا اور تمہیں تو پتہ ہے گاؤں سے آؤ تو کتنی مٹی اور گرد آنکھوں میں جاتی ہے، شاید اس لئے تمہیں فیل ہو رہا ہے۔''

''ہوں، مگر تمہیں تو ابھی دو دن بعد آنا تھا۔''

''ہاں دو دن بعد ہی آنا تھا، بس یاسر صاحب کی کال آ گئی کہ کوئی اہم میٹنگ ہے اس لئے بھی شادی چھوڑ کر آنا پڑا۔''

''تم مجھے فون کر دیتی میں بھائی کو کہہ دیتی کہ تمہیں کم از کم شادی تو اٹینڈ کرنے دیں۔''

''ارے نہیں، شادی کون سا میرے لئے بہت اہم تھا، میں تو یوں بھی اس میں جانا نہیں چاہ رہی تھی وہ تو اماں اور ابا کا اصرار تھا تو مجھے جانا پڑا۔''

''چل پھر شکر کرو تمہاری جان چھوٹی، اچھا میں ذرا لاؤنج میں ہوں، میرا فیورٹ ڈرامہ آ رہا ہے تو دیکھنے جا رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حریم نے تو جان چھوٹنے پر شکر ادا کیا تھا، مشائم کے باہر نکلتے ہی وہ بھوکی پیاسی ہی بستر پر گر گئی تھی اور چادر سر سے پاؤں تک تان لی تھی۔

☆☆☆

سنی نے نہ کچھ کہا تھا اور نہ ہی کچھ کیا تھا بس مریم سے ایک Question پوچھنے آیا تھا جس کی اسے سمجھ نہ آ رہی تھی اور اس کا صبح ٹیسٹ تھا، بدقسمتی سے آج ٹیوٹر صاحب کو بھی کوئی کام پڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ بے چارا خود ہی ٹیسٹ کی تیاری کر رہا تھا جب ایک Question کی سمجھ نہ آئی تو مریم کے پاس آیا، مریم نے بے دلی سے کتاب پکڑ لی اور سمجھانا شروع کر دیا، سنی کو سمجھ نہ آ رہی تھی، مریم نے جھنجھلا کر اسے تھپڑ دے مارا تھا، وہ بے چارا کتاب چھوڑ کر رونے لگا تھا، اسی دوران منصور نے گھر میں قدم رکھا تھا، سنی کو روتے دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے سنی کے پاس آئے تھے۔

''بیٹا کیا ہوا، کیوں رو رہے ہو اس طرح، سنی مائی ڈیئر کیا ہوا؟'' وہ سنی کے ہاتھ ہٹا کر بے تابی سے پوچھنے لگے تھے۔

''پاپا، مما نے مارا ہے۔'' سنی کے پھول جیسے چہرے پر مریم کی انگلیوں کے واضح نشان چھپے ہوئے تھے۔

''مما نے مگر کیوں؟'' منصور نے پوچھا تھا، سنی ہچکیوں کے ساتھ روتا رہا تھا۔

''کب سے ایک Question سمجھا رہی ہوں مگر اس کو سمجھ نہیں آ رہی تھی، مجھے بھی غصہ آ گیا پھر۔'' مریم نے کہا تھا۔

''بس اتنی سی بات یہ کہ بچے کو ایک Question کی سمجھ نہیں آئی اور تم نے اس کی پٹائی شروع کر دی، مریم تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے، تم تو ایسی نہ تھی تم نے کیسے سنی کو مارا، تمہارا دل نہیں لرزا۔'' وہ سنی کو گود میں لے کر چومنے لگے تھے۔

''تو کیا میں سنی کی کچھ نہیں لگتی، اس پر میرا کوئی حق نہیں۔'' وہ اب چلانے لگی تھی۔

''بیٹا آپ اپنے کمرے میں جاؤ، میں ابھی آپ کے پاس آتا ہوں اور ہاں اب رونا نہیں، ماما آئندہ آپ کو نہیں ماریں گی، چلیں شاباش اپنے کمرے میں۔'' منصور نے پہلے سنی کو اپنے کمرے میں بھیجا تھا اور پھر مریم کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''مریم یہ کیسی بات کی تم نے، تم سنی کی ماں ہو، تمہارا حق کیوں نہیں اس پر، مگر یار بچے کو مارنے کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے، یوں بلاوجہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مار پیٹ شروع کر دو گی تو بچے تم سے متنفر ہو جائیں گے۔''

''تو کیا میں غلط کام پر انہیں روک ٹوک بھی نہیں سکتی۔''

''کیوں نہیں، تم سب کچھ کر سکتی ہو، مگر بچوں کو مارنے سے مسئلے حل تو نہیں ہوتے۔''

''میں نے کیا اسے جان سے مار دیا جو آپ نے مار مار کی رٹ لگائی ہوئی ہے، ایک تھپڑ پر آپ نے مجھے عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر لیا ہے۔'' وہ بدتمیزی سے بولی تھی۔

''میں تم سے آرام سے بات کر رہا ہوں اور یہ تم کس لہجے میں مجھ سے بول رہی ہو، تمہاری نظر میں ایک تھپڑ کی کوئی بات نہیں جبکہ میرے لئے یہی بہت ہے۔''

''میں نے کبھی آج تک اپنے بچوں کو پھول کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا۔''

''دیکھا، دیکھا منصور، اپنے بچوں کو، بات آ گئی نا اپنے بچوں کی، آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ یہ صرف آپ کے بچے ہیں، میرے نہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ، تم بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو، تمہارا واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے میں تم سے آرام سے بات کر رہا ہوں، میرا لڑائی کا کوئی موڈ نہیں مگر تم مجھے لڑائی کے لئے اکسا رہی ہو۔''

''ہاں تو آپ لڑ لیں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں، اب میں اتنی ہی بری ہو گئی ہوں نا، لڑ لیں آپ مجھ سے۔'' وہ رونے بیٹھ گئی تھی اور منصور نے سر تھام لیا تھا، مریم کا علاج اب اس کے پاس نہیں رہا تھا۔

شام ہوئی تو مریم نے ہلکا سا بیگ تیار کیا تھا اور خود بھی تیار ہو گئی تھی۔

''کہاں جا رہی ہو۔'' مریم نے الماری میں کھٹ پٹ لگا رکھی تھی، جب منصور نے کمرے میں آ کر پوچھا تھا۔

''میں کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر جا رہی ہوں۔''

''اپنے گھر۔'' منصور کو حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا تھا، کیونکہ جتنی لگاوٹ اسے اپنے گھر اور اپنے پیرنٹس سے تھی منصور سب جانتے تھے اور آج اسے اپنا گھر یاد آ گیا تھا۔

''کیوں؟''

''بس مجھے کچھ چینج چاہیے، اس لئے میں کچھ دن وہاں رہنے جا رہی ہوں۔'' اس نے

منصور کو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع نہیں دیا تھا اور بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

☆☆☆

''بھائی آپ حریم کو کسی اور آفس میں ٹرانسفر نہیں کر سکتے۔'' مشائم نے یاشر کو کال کی تھی۔

''کر سکتا ہوں، کیوں نہیں کر سکتا، مگر یہاں کیا مسئلہ ہے، کیا تمہیں حریم نے ایسا کرنے کو کہا ہے۔'' یاشر کو مشائم کے مطالبے پر خاصی حیرت ہوئی تھی۔

''نہیں اس کو تو پتہ بھی نہیں ہے، بس میں خود سے کہہ رہی ہوں۔''

''ارے بھئی کیوں، تم نے خود ہی تو ایسے یہاں اپائنٹ کروایا ہے، اب یہاں کیا مسئلہ ہے۔'' ابھی تو حریم یاشر کے لئے سونے کا انڈا دینے والی مرغی ثابت ہونا شروع ہوئی تھی کہ مشائم نے عجیب مطالبہ کر دیا تھا، وہ بہن کی بات کو تو ٹال سکتا تھا مگر اتنا پاگل نہیں تھا کہ اپنا نقصان کر بیٹھتا۔

''ہاں کروایا تھا، مگر اب میں ہی ٹرانسفر کا کہہ رہی ہوں نا۔'' وہ یاشر کو کیسے بتا دیتی کہ اس آفس میں سارا مسئلہ تو نہال کا ہے اور وہ آگ اور پانی کو ایک جگہ کیسے کر سکتی تھی۔

''اوکے دیکھوں گا، مگر یار ابھی تو فی الحال ممکن نہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر جلد ہی کوشش کیجئے گا۔'' مشائم نے کہا تھا۔

''اوکے بائے۔'' یاشر نے اسے تسلی دے دی تھی حالانکہ وہ کبھی یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

نہال نے گم صم بیٹھی حریم کو دیکھا تو اس کے پاس آ کر بولا تھا، حریم زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجانے لگی تھی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' نہال کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''کس کی۔''

''اس تکلف کی، زبردستی مسکراہٹ دکھانے کی۔'' وہ پیپر ویٹ گھمانے لگا تھا، کل سے حریم کو بھی یہ دنیا یونہی گول گول گھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اس کی بات پر اس نے زبردستی ہونٹ بھینچ لئے تھے، واقعی یہ کوشش اس کے دل کو مہنگی پڑ رہی تھی۔

''اداس اور پریشان ہو، مگر کیوں؟''

''نہیں تو، ایسی کوئی بات نہیں۔''

''کچھ تو ہے حضور۔''

''کچھ نہیں ہے۔''

''پھر میری نظر چیک کروا لاؤ کسی ڈاکٹر سے۔'' وہ بولا تھا۔

''میں کیوں کرواؤں، خود جا کر کرواؤ، میں اتنی فارغ نہیں ہوں۔'' وہ دراز سے ایک فائل نکال کر مصروف نظر آنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''یہ کوشش بھی فضول ہے۔'' نہال نے فائل کھینچ لی تھی۔

''کون سی کوشش۔'' وہ زچ آ کر بولی تھی۔

''مصروف نظر آنے کی۔''

''تمہیں کوئی کام نہیں ہے، جاؤ یہاں سے۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے تلخی سے بولی تھی۔

''اوکے چلا جاتا ہوں مگر بتا تو دو کہ پریشان کیوں ہو۔''

''پلیز جاؤ یہاں سے۔'' حریم نے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔

''جا رہا ہوں، مگر پھر آؤں گا۔'' وہ اس کے کیبن سے نکلتے ہوئے بولا تھا۔

''اور تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔'' جاتے جاتے وہ مڑ کر بولا تھا، حریم منہ موڑ کر بیٹھ گئی تھی مبادا کہ وہ پھر نہ بیٹھ جائے۔

''یہ بھی تو ہے جو ہر وقت اس دل کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اسے اپنا بنانا چاہتا ہے مگر یہ ظالم دل کے اپنے اصول اور قواعد وضوابط تھے یہ اس کے پیچھے کم ہی رہتا ہے جو اس کے لئے خوار ہوتا ہے یہ تو بس اس کا بننا چاہتا ہے جو اسے لفٹ نہیں کرواتا بھول جاتا ہے، جیسا کہ اس دل کے ساتھ موحد نے کیا تھا اس وقت تنہا بیٹھے اسے اپنے دل پر ہی بے تحاشا غصہ آئے جا رہا تھا، اتنے میں یارش نے اسے اپنے آفس میں بلوایا تھا۔'' وہ گئی تو یاشر بہت خوش تھا اور اسی خوشدلی کے ساتھ اسے ویلکم کیا تھا اور بیٹھنے کو کہا تھا۔

''آر یو او کے۔'' یاشر نے پوچھا تھا۔

''یس سر، آئی ایم فائن۔'' وہ پچھلی اداسی اور سستی جھٹک کر بولی تھی۔

''اچھا مگر لگ تو نہیں رہیں۔'' وہ گہری نظر اس پر ڈال کر بولا تھا۔

''کیا مصیبت ہے اب کیا میں درد اور غم کا چلتا پھرتا اشتہار بن گئی ہوں۔'' اس نے دل میں اپنے آپ کو ڈپٹا تھا اور ایک لمبی سانس خارج کر کے گویا اس وقت کچھ ٹینشن ختم کرنے کی کوشش کی تھی، وہ کب چاہتی تھی کہ وہ موحد نام کا جو درد سینے میں چھپائے بیٹھی ہے اس کے یوں اشتہار دنیا والوں کے سامنے لگ جائیں۔

''نہیں سر میں ٹھیک ہوں۔'' بس وہ رات ٹھیک سے سو نہیں پائی اس لئے شاید سستی سی ہے۔

''او کے او کے، اچھا حریم ابھی کچھ دیر میں امیر جنجوعہ گاڑی بھیجنے والا ہے، تمہیں اس کے ڈرائیور کے ساتھ جانا ہوگا، بس یار تمہیں تو پتہ ہے آج کل ہمارے کاروبار کے کتنے بڑے بڑے ٹینڈر اس کے پاس ہیں، ہم اس اسٹیج پر اس سے بگاڑ نہیں سکتے، اس لئے میں اسے منع نہیں کر سکا، میں اسے ہاں کر چکا ہوں اب اس کا ڈرائیور آئے تو تم اس کے ساتھ چلی جانا۔''

''اوہ تو اس لئے مجھے گاؤں سے بلوایا گیا ہے ایمرجنسی میں۔'' وہ دل میں اندازے لگانے لگی تھی۔

''چلی جاؤ گی نا۔'' اسے خاموش بیٹھا دیکھ کر یاشر نے بے صبری سے پوچھا تھا۔

''مگر سر اسے کیا کام ہے مجھ سے؟''

''بس ایسے ہی تمہارے ساتھ کچھ ٹائم گزارنا چاہتا ہے، کہہ رہا تھا مجھے حریم شہباز کی باتیں بہت بھائی ہیں، بس یار ایسے لوگوں کے نخرے بھی عجیب ہوتے ہیں اور ہمیں ساتھ چلتے ہوئے سب برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

''لیکن سر آپ تو جانتے ہیں میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔''

''ہاں ہاں میں نے اسے بتایا ہے اور تمہاری طرف کوئی بری آنکھ سے دیکھ بھی نہیں سکتا، میں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں، تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے۔''

''ٹھیک ہے سر میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے حریم کو جذباتی طور پر کچھ ایسے بلیک میل کیا تھا کہ وہ دو باتیں سن کر ہی فوراً جانے کو تیار ہو گئی تھی۔

''ویری گڈ، یہ ہوئی نا بات۔'' وہ خوش وہ گیا تھا۔

''اب میں جاؤں سر؟'' وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

''ہاں ہاں جاؤ۔''

''حریم سنو۔'' وہ دروازے کے پاس پہنچی تو

پیچھے سے یاشر نے پکارا تھا۔
''جی۔'' وہ وہیں ٹھہر گئی تھی۔
''تھینک یو حریم۔'' وہ اس کا ممنون نظر آتا تھا۔
''کس بات کا سر؟ یہ کمپنی ہمیں اتنا کچھ دیتی ہے اگر اس کے لئے ہم کچھ کریں گے تو اس میں احسان والی کوئی بات نہیں ہے۔''
''یو آر گریٹ حریم۔'' اس نے کھل کر حریم کر تعریف کی تھی۔
''ایسی کوئی بات نہیں سر۔'' وہ سر جھٹک کر باہر نکل گئی تھی، اگر اتنی ہی گریٹ ہوتی تو موحد کیوں چھوڑ دیتا، آج کی سوچ بس اسی ایک نام سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

امیر جنجوعہ نے اپنے آفس میں حریم کا پرتپاک استقبال کیا تھا، حریم کو حیرت اس بات پر تھی کہ یہ فیکٹری مالکان یہ سیٹھ ٹائپ لوگ یہ اچھے بھلے آفیسرز کو گھاس نہیں ڈالتے، ان کے ساتھ سلام تک لینا اپنی توہین سمجھتے ہیں اور یہاں ایک معمولی سیکرٹری کے استقبال کے لئے راہوں میں بچھے جا رہے ہیں فرق صاف اتنا کہ وہ مرد ہوتے ہیں اور یہ ایک عورت کو کیسا رتبہ دیتے ہیں، اس میں عزت وزت کا شاید اتنا دخل نہ ہو مگر عورت کی قربت کا عمل دخل بہت ہوتا ہے، اسے ایسے لوگوں سے بہت گھن آتی تھی جو بس عورت کو عزت اس لئے دیتے تھے کہ وہ عورت ہوتی ہے کوئی ماں بہن بیٹی بیوی کسی بھی رشتے کے بغیر بس ایک عورت۔

فقط ایک عورت!
ایک کھلونا!
دل کے بہلانے کا سامان!
عیاشی کا بہانہ!
وقت گزاری کا شاخسانہ!

اسے امیر جنجوعہ سے بھی بہت گھن آئی تھی۔
''بیٹھئے نا، کھڑی کیوں ہیں، بھئی ہم تو بڑی دیر سے آپ کی راہ میں دیدہ و دل بچھائے بیٹھے ہیں۔'' امیر جنجوعہ اپنی کرسی سے اٹھ کر اسے لے کر سائیڈ پہ بڑے صوفوں کی طرف آ گیا تھا، حریم بیٹھ گئی تھی۔
''کیسی ہیں آپ؟''
''جی فائن۔'' وہ ہاتھ میں پکڑے پرس کے اوپر لگے نگوں کو اپنے لمبے ناخنوں سے کھرچتے ہوئے بولی تھی۔
''اچھا پہلے بتایئے، چائے یا کافی۔''
''جو مرضی منگوا لیں سر!''
''ارے یہ سر ور کا تکلف چھوڑو، تم مجھے امیر صاحب کہہ سکتی ہو۔'' ساتھ ہی انہوں نے دو بلیک کافی کا آرڈر کر دیا تھا۔
''آپ نے پوچھا نہیں آپ کو کیوں بلوایا میں نے۔''
''پوچھنا چاہتی تھی، مگر پوچھا نہیں۔''
''کیوں؟'' وہ اس جواب سے محظوظ ہوا تھا۔
''اس لئے کہ آپ برا نہ مان جائیں۔''
''ہاہاہا، بہت صاف گو ہیں آپ۔''
''شاید۔''
''شاید نہیں یقیناً۔'' وہ بولی تھی، اتنے میں کافی آ گئی تھی، امیر جنجوعہ نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے کافی پیش کی تھی۔
''آج یہ حسن کچھ سوگوار سا ہے۔'' امیر جنجوعہ کی زیرک نگاہوں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ اس کے چہرے پر پہلے والی فریش نیس نہیں ہے۔
''بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔''
''اوہ، خیریت، کیا ہوا۔'' امیر اس کے لئے

یوں فکر کر رہا تھا جیسے ان کا آپس میں بہت گہرا ربط ہو۔

''چھوٹے موٹے مسئلے تو ہر انسان کے ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں۔''

''ہوں، یہ تو ہے۔'' پھر اپنی ادھر ادھر کی چھوٹی موٹی باتوں میں کب دو گھنٹے گزرے پتہ ہی نہیں چلا وہ بھی صرف امیر جنجوعہ کو، ورنہ حریم کو تو یہ دو گھنٹے دو صدیوں کے برابر لگے تھے۔

☆☆☆

''میں نے کہا تھا نا کہ مت شادی کرو اس شخص سے، مگر تب تو تمہیں ہم دشمن نظر آتے تھے تم نے ہماری ایک بات نہ مانی، اب بھگتو پھر۔''

''ہاں تو مام بھگت رہی ہوں نا۔'' وہ گھر آئی تو ماں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''اتنی جلدی دل بھر گیا تم سے۔'' انہوں نے اورنج جوس کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے طنزیہ انداز میں مریم سے کہا تھا۔

''پتہ نہیں، اس کا دل بھر گیا یا میرا۔'' مریم اس وقت اتنا حوصلہ نہیں رکھتی تھی کہ مام کی جلی کٹی سنتی اس لیئے ان کے پاس سے اٹھنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

''ڈیڈ کب تک آئیں گے۔'' مریم نے جاتے جاتے پوچھا تھا۔

''پہلے ان کے آنے جانے کا کب پتہ ہوتا ہے جواب پتہ ہوگا۔'' وہ لاپروائی سے بولی تھیں، مریم اور جل کڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''تو کیا لوگ صحیح کہتے تھے کہ مرد دوسری شادی کر تو لیتا ہے مگر پہلی بیوی اور پہلی اولاد کی محبت کبھی نہیں بولتا۔'' وہ اپنے کمرے میں کھڑکی میں کھڑی سوچ رہی تھی، اس نے کھڑکی کھولی تو بارش کی ٹھنڈی پھوار نے اس کی ہتھیلی کو گیلا کر دیا تھا، اسے خبر نہ تھی باہر موسم اتنا پیارا ہو رہا ہے اس نے کھڑکی سے نیچے جھانک کر دیکھا تو لان میں کھلے رنگ رنگ کے پھول اور ہرے بھرے پودے بارش کے قطروں کے ساتھ مستی میں مصروف تھے اور یہ منظر اتنا مبہوت کر دینے والا تھا کہ کچھ دیر کو تو اس کی بھی سانس رک گئی تھی اور منہ سے بے اختیار ''سبحان اللہ'' نکلا تھا۔

جب منصور سے اس نے شادی کی تھی تو محبت تو کی تھی، کوئی مفاد یا مطلب نہیں تھا اس شادی، اس نے اس کے بچوں کو بھی دل سے قبول کیا تھا مگر پھر جب اس ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہوا تو اسے لگا اس کے دل میں بہت کچھ بدل گیا ہے، وہ اسی بدلاؤ کا نتیجہ تھا کہ وہ آج اس وقت اس گھر میں تھی جس میں وہ کبھی دوبارہ اس طرح نہیں آنا چاہتی تھی، اس کی سوچیں اپنے دکھ میں ڈوبی ہوئی تھیں جب اس نے برستی بارش میں ایک بلیک لگژری گاڑی اپنے گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھی تھی اور پھر وہ گاڑی پورچ میں آ کر رک گئی تھی، کچھ لمحوں بعد ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا تھا اور مشہور سنگر جس کے افسانے آج کل مام کے ساتھ میڈیا میں خاصے ان تھے وہ نکلا تھا، مریم پہلے تو اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی اور پھر وہ غصہ میں بھر گئی تھی۔

''مام کو شرم نہیں آتی جس کے ساتھ آج کل وہ بدنام ہو رہی ہیں اس سے بچنے کی بجائے اسے اپنے گھر بلانے لگی ہیں۔''

''اوہ تو مام آج اسی لئے اتنی فرصت سے بیٹھی تھیں یقیناً اسی کا انتظار ہو رہا تھا۔'' مریم کے دل میں جانے کیا آیا تھا، وہ کھڑکی بند کر کے نیچے آ گئی تھی۔

''مومو! ان کو تو تم نے پہچان لیا ہوگا نا، آؤ شاباش میں تمہارا تعارف کرواؤں۔'' وہ غصے میں

بھری نیچے آئی تھی جب مام نے اس کے غصے کا کوئی بھی نوٹس لئے بغیر اسے اپنے پاس پکارا تھا۔

''ہاں ان کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں، بلکہ ان کو کون نہیں جانتا، آج کل یہ آپ کے ساتھ میڈیا میں خاصے ان میں، آپ دونوں کی اسٹوری فرنٹ پیج کی زینت بھری رہتی ہے نا۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

''اوہ ڈیئر، مرچ مصالحہ لگانا تو میڈیا کا کام ہے نا، اس کے بغیر ان کا کام کہاں چلتا ہے۔''

''اچھا اگر وہ سب مرچ مصالحہ ہے تو پھر یہ یہاں آپ سے ملنے کیوں آئے ہیں، اس لئے کہ ہم بیسٹ فرینڈ ہیں۔'' اب کے بار مام کے بجائے اس نے جواب دیا تھا۔

''بیسٹ فرینڈ، ہونہہ، دوستی ہمیشہ ہم عمر لوگوں سے ہوتی ہے جبکہ آپ کی اور مام کی عمر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''

''ارے واہ یہ تو میں پہلی بار سن رہا ہوں کہ دوستی عمر دیکھ کر کی جاتی ہے۔''

''ہاں بالکل دوستی ایسے ہی کی جاتی ہے۔'' وہ اس بات کے جواب میں بولی تھی۔

''موموتم جاؤ کمرے میں، یہ میرے مہمان ہیں اور میں نے انہیں کیسے ڈیل کرنا ہے میں جانتی ہوں۔'' عمر کے راگ نے مام کا غصہ عروج پر پہنچا دیا تھا انہوں نے موموکی طرف منہ کر کے ڈانٹنے والے لہجے میں کہا تھا، مریم تن فن کرتی اوپر سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔

''ویسے مسز علوی ایک بات ہے آپ کی بیٹی ہے بڑی خوبصورت۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا، مسز علوی لمبے لمبے سانس لے کر اپنے آپ کو نارمل کرنے لگی تھیں، مومو نے آ کر اس محفل کا سارہ مزہ کرکرا کر دیا تھا۔

''اوہ شٹ اپ۔'' مسز علوی نے پیار سے اسے چپ کروایا تھا، اس کے منہ سے موموکی تعریف نے انہیں جیلسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا پرنور مہینہ شروع ہوئے پچیس دن ہو گئے تھے یعنی آج پچیسواں روزہ تھا جب نہال کو گھر میں ایک ٹی سی ایس کے ذریعے بڑا سا پارسل ملا تھا، اس نے کھولا تو مشائم کی طرف سے قیمتی تحائف تھے، شرٹس، گھڑی، پرفیوم اور جانے کیا کیا کچھ، ساتھ وشنگ کارڈز، نہال کو ساری چیزیں دیکھ کر بہت غصہ آیا تھا۔

''جانے یہ لڑکی کس ڈھیٹ مٹی سے بنی ہے، میں جتنا اس سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتا یہ اتنا ہی میرے سر پر چڑھتی ہے۔'' نہال کو مشائم پر تپ چڑھی ہوئی تھی۔

''یار کوئی تم سے اتنا پیار کرتا ہے تمہارے پیچھے خوار ہے، دیکھو کتنے پیار سے تمہیں یہ مہنگی چیزیں بھیجی ہیں اور تم غصہ کر رہے ہو۔'' ذاکر نہال کا دوست اس وقت نہال کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جب نہال نے پارسل کھولا تھا، ذاکر ایک ایک چیز کو محبت سے اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولا تھا۔

''زیادہ بکواس نہ کرو، سب جانتا ہوں ان چیزوں کو دیکھ کر تمہاری رال ٹپکنے لگی ہے۔'' نہال نے ساری چیزیں ہاتھ مار کر اس کی رینج سے پرے کی تھیں۔

''ارے دوستی میں کیا تیرا میرا، کیوں میرا دل خراب کر رہے ہو، لوگ تو دوست کی خاطر جانے کیا کیا کرتے ہیں اور تم یہ چند چیزیں بھی چھپا رہے ہو۔'' وہ نہال کو جذباتی کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''سب جانتا ہوں تمہیں، ان چند چیزوں کی قیمت ہزاروں میں ہے اور تمہیں پتہ ہے نا کہ

تم اس برانڈ کی چیزیں مر کر بھی نہیں خرید سکتے اس لئے ایسے ڈائیلاگ بول رہے ہو، ویسے بھی میں یہ سب چیزیں واپس کروں گا۔"

"ناں ناں یار، ایسی غلطی کبھی مت کرنا، اگر تمہیں یہ سب نہیں چاہئیں تو مجھے دے دو کسی غریب کا بھلا کر دو، مگر ان کو واپس کر کے کسی کا دل مت توڑ دو۔"

"اچھا تمہیں اتنی تکلیف ہو رہی ہے تو یہ لو چیزیں اور یہ لو فون نمبر، خود رابطہ کر لو اس سے، وہ بہت خوش ہو گی کہ چلو کسی نے تو اس کی چیزیں قبول کیں۔"

"چیزیں میں لے سکتا ہوں مگر یہ نمبر نہیں، یہ تمہیں ہی مبارک ہو۔"

"بس کرو اب زیادہ بک بک نہ کرو۔" نہال نے اسے ڈپٹا تھا اور سارا سامان اٹھا کر ایک تھیلے میں ٹھونسا تھا، ذاکر منہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" صبح آفس میں اس نے ایک تھیلا حریم کے سامنے پٹخا تھا۔

"یہ اپنی دوست کو واپس کر دینا اور اسی سے پوچھنا یہ کیا ہے۔"

"مشائم کو؟"

"ہاں اور کس کو۔"

"مگر یہ سب کیا ہے؟"

"خود کھول کر دیکھ لو، اس میں کوئی سانپ تو نہیں جو اتنا ڈر رہی ہو۔" نہال کا موڈ کل سے جو خراب ہوا تھا ابھی تک صحیح نہیں ہو سکا تھا، حریم نے تھیلے میں جھانکا تھا تو مردانہ چیزیں دیکھ کر سب سمجھ گئی تھی۔

"مشائم نے تمہیں بھیجی ہیں۔"

"نہیں میرے والد صاحب کو بھیجی ہیں۔" وہ لوہے کے چنے چبا رہا تھا۔

"اچھا پھر تو بہت خوشی کی بات ہے۔" اس کے پاس ایسا جادو بھی آ گیا کہ شہر خموشاں کے اندر سوئے لوگوں کو اس نے چیزیں بھیجنی شروع کر دیں، یہ سروس کب شروع ہوئی اور کہاں سے۔

"زیادہ مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں، بس تم یہ چیزیں اسے واپس کر دینا۔"

"یہ پکڑو اپنی چیزیں، میں نہیں واپس کروں گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ پہلے ہی وہ میرے لئے اپنے دل میں غلط فہمیاں پالے بیٹھی ہے تم خود واپس کر دینا مجھے اپنے اور اس کے جھگڑے میں انوالو مت کرو۔" حریم نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں خود واپس کر دوں گا، مجھے ویسے بھی تمہارا احسان لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ مجھ سے کیوں خار کھائے بیٹھے ہو۔" وہ اس کے لہجے پر غور کرتے ہوئے بولی تھی۔

"کل یاشر صاحب کا ڈرائیور تمہیں کہاں چھوڑ کر آیا تھا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا تھا۔

"امیر جنجوعہ کے آفس۔" وہ جانتی تھی وہ نہال سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتی، اس نے ساری تفتیش کر کے ہی اس سے پوچھا ہو گا۔

"کیوں؟ یہ پوچھ سکتا ہوں کہ نہیں۔"

"تمہیں پتہ ہے نا، وہ ہماری کمپنی کے لئے کتنا فائدہ مند ثابت ہو رہا ہے اس لئے یاشر صاحب نے کہا تھا اسے کچھ پوائنٹس ڈسکس کرنے ہیں تو انہوں نے مجھے بھیج دیا۔"

"اوہ پوائنٹس ڈسکس کرنے، یہ کوئی بزنس کی دنیا میں نئی اصلاح ہے، امیر جنجوعہ تو بڑا گھاگ بندہ ہے ایسے کون سے پوائنٹس تھے جو اسے تمہارے بغیر سمجھ نہ آ رہے تھے اور اگر ایسی

بات بھی تھی تو یاشر صاحب کو خود جانا چاہیے تھا یا کسی میل اسٹاف کو بھیج دیتے، تمہارا جانا ضروری تھا کیا۔'' اسے جتنا غصہ یاشر صاحب پر تھا اس سے زیادہ حریم پر آرہا تھا کہ کیسے وہ یاشر صاحب کی انگلیوں پر ناچ رہی تھی۔

''تم ایسے ہی ایموشنل ہو رہے ہو نہال، جاب کی کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں، جس طرح تم مجبور ہو، میں مجبور ہوں اور ہم مجبوری کے تحت یہ جاب کررہے ہیں، تو اس میں کام تو کرنا پڑتا ہے نا، اب باس کو منہ پھاڑ کرناں تو نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان سے بگاڑ سکتے ہیں۔''

''مجھے زیادہ لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے، لگتا ہے یاشر صاحب نے تمہاری کچھ زیادہ ہی برین واشنگ کر دی ہے، ویسے بھی مجبوری جاب کی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر غلط کام بھی کیا جائے۔''

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟'' وہ زچ آکر بولی تھی۔

''اتنی بھولی مت بنو، میں بس یہ چاہتا ہوں کہ ان مالکوں کی خاطر اپنے آپ کو اتنا مت گرانا کہ دوبارہ اپنی ہی نظروں میں اٹھ نہ سکو، کیونکہ یہ کسی کے سگے نہیں ہوتے انہیں بس پیسے سے پیار ہوتا ہے پیسے سے اور بس۔'' وہ کہہ کر اور تھیلا اٹھا کر چلتا بنا تھا، حریم اس کے ایک ایک لفظ کو دھرانی اور سوچتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

موحد کتنے دنوں سے جوتیاں چٹخا رہا تھا مگر اچھی نوکری مل کے نہ دے رہی تھی۔

''اب تو میں سوچتا ہوں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرلوں۔'' وہ ابھی بھی باہر سے تھکا ہارا آیا تھا اور آتے ہی وانیہ کے پاس گرتے ہوئے بولا تھا، یہ تو شکر کہ وانیہ نے اسے نئی موٹر سائیکل دلا دی تھی اس لئے آنے جانے میں کچھ آسانی ہوئی تھی، ورنہ اسلام آباد میں ٹیکسیوں کے کرائے ہی اتنے تھے کہ وہ کب تک افورڈ کرتے۔

''ہوں، خیال تو اچھا ہے، مگر پہلے یہ سوچنا پڑے گا کہ کون سا کاروبار ہو اور پھر یہ کہ اس کے لئے کتنا سرمایہ چاہیے۔'' وانیہ سے بھی کب موحد کو یوں پریشان پھرتے دیکھا جاتا تھا، اس لئے اس کے خیال سے متفق ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''یونس بتا رہا تھا کہ ایک پلازے میں دکان کرائے پر لے کر گارمنٹس کا کام شروع کرلوں، وہ کافی عرصہ ایک دکان پر سیلز مین رہا ہے اور اسے گارمنٹس کے کام کا کافی تجربہ ہے۔''

''ٹھیک ہے، مجھے تو اب چیزوں اور باتوں کا اتنا تجربہ نہیں ہے کہ کوئی مشورہ دے سکوں، جو بھی کرنا ہے تمہیں خود ہی کرنا ہے۔''

''اچھا تو پھر میں کل ہی لوکیشن دیکھنے جاتا ہوں۔'' اسے اپنے سر سے ایک بوجھ ہٹتا محسوس ہوا تھا، ورنہ نوکری کے لئے جتنے دھکے وہ کھا چکا تھا، اب اس کا دل ہی نوکری کے نام سے اچاٹ ہوگیا تھا۔

''کھانا لاؤں۔'' وہ بولی تھی۔

''کیا بنایا ہے۔''

''پلاؤ۔''

''لے آؤ پھر، اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔'' وہ اپنی پسند کے کھانے کا نام سن کر بولا تھا، بھوک تو جیسے چمک اٹھی تھی۔

وانیہ ڈش میں پہلے برتن رکھ لائی تھی اور بیڈ پر سلیقے سے رکھنے کے بعد کھانا لینے چلی گئی تھی۔

(جاری ہے)

بندھن

قمروش شہک



اعیان سکندر شاہانہ چال چلتا، بلوریں آنکھوں میں مغرورانہ چمک لئے ہال میں کتنی ہی لڑکیوں کے دلوں پر بجلی گراتا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا، مگر اعیان سکندر کو بھلا ان لڑکیوں کے دھڑکتے دل سے کیا سروکار، ان لڑکیوں کی آنکھوں میں خود کے لئے پسندیدگی سے اسے کوئی مطلب نہیں تھا، وہ تو ایک غلط نگاہ بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا، کسی پر کیونکہ اس کی ہر سوچ کا مرکز اس کی آنکھوں کا محور صرف اور صرف ایک ہی ہستی تھی اس کی بچپن کی چاہت اس کی دیوانگی اس کے شعور کا عشق اس کے دل کی دھڑکتی ہر ایک دھڑکن اس کی ہر ہر نس میں بہتے لہو میں اس کی روانگی اس کی آتی جاتی سانسوں میں مہکتی اس کی خوشبو رچی بسی ہے، تو پھر کیسے اس چہرے اس وجود کے آگے کوئی اور چہرہ چھا سکتا تھا۔

''السلام علیکم، شادی مبارک ہو بہت بہت۔'' اعیان سکندر نے اسٹیج پر آ کر دولہا بنے اپنے بیسٹ فرینڈ سمیر کو خوشدلی سے گلے لگایا تھا۔

''خیر مبارک، دیر کر دی مہربان آتے آتے۔'' سمیر ہولے سے مسکرا دیا۔

''تم تو جانتے ہو میری مصروفیات۔''

''جی بالکل کیوں نہیں اس جہاں کی آدھی ذمے داری جو اپنے کندھوں پر اٹھا رکھی ہیں۔''

''جب جانتے ہو تو تمہیں نہیں لگتا شکوہ گلہ کرنا بے معنی ہے۔'' اعیان سکندر نے سمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''غلطی ہو گئی جاہ پناہ اپنے اس خادم پر رحم کریں اور معاف کر دیجئے۔'' سمیر نے کورنش بجا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''سخت بہت برے لگ رہے ہو اگر چاہتے نہیں ہو کہ تمہاری وائف کے سامنے تمہاری

مکمل ناول



عزت افزائی نہ کی جائے تو جا کر واپس بیٹھ جاؤ۔'' سمیر کے اس طرح جھکنے پر کچھ لوگوں کی نگاہیں ان پر اٹھی تھیں اور ان آنکھوں میں لکھے سوالات وہ باآسانی پڑھ سکتا تھا۔

''اوہ...... سوری۔'' سمیر کو بھی اس چیز کا احساس ہوا تو خفیف سا اٹھا۔

''کبھی بھی موقع و محل مت دیکھنا، ہمت ہو گی بھابھی کی جو پوری زندگی اس جوکر کو برداشت کریں گی۔''

''سمیر!'' اتنے میں کسی نے آواز دی تھی سمیر نے پیچھے پلٹ کر دیکھ کر اس کی ساس نے پکارا تھا۔

''جاؤ اگر بھابھی کو خوش رکھنا ہے تو بھابھی کے می کے پہلے اچھے داماد بنو۔'' اعیان سکندر نے دھیمے سے سرگوشی کرتے ہوئے اس کو چھیڑا۔

''تمہیں بہت تجربہ ہے، بہرحال جانا نہیں میں بس ابھی آتا ہوں۔''

''اوکے مگر سب سے پہلے اس کو رکھو۔'' اعیان سکندر نے اپنے بلیک ڈنر کوٹ سے سوئزرلینڈ کے دو ٹکٹ نکال کر اس کو تھمائے۔

''یہ کیا ہے اعیان! اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''ہنی مون ٹکٹ تم دونوں کے لئے انجوائے کرنا۔''

''تھینکس۔'' سمیر نے اعیان سکندر کو تشکرانہ نظروں سے دیکھا، اسی دوران اعیان سکندر کا فون بجنے لگا تھا۔

''تم جاؤ میں ابھی یہیں ہوں۔'' اعیان سکندر نے فون ریسیو کیا اور کان سے لگاتا اسٹیج سے نیچے اترنے لگا کہ نگاہ یکدم سامنے سائرہ اور سفیان راؤ پر پڑی جو ایک چیئر پر بیٹھے تھے۔

''سفیان انکل!''

''اچھا سنو میں تمہیں بعد میں کال بیک کرتا ہوں۔'' اعیان سکندر نے فون آف کیا اور سفیان راؤ کی جانب بڑھ گیا۔

''سفیان انکل!'' سفیان راؤ سائرہ سے کسی موضوع کو لے کر بات چیت کر رہے تھے، اعیان سکندر کے پکارنے پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔

''جی۔''

''آئی تھنک آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔'' سفیان راؤ اپنی چیئر سے کھڑے ہو گئے نگاہوں میں شناسائی کی رنگ تو ابھرے تھے مگر تسلی نہیں تھی، اعیان سکندر سر کو جھکائے ہولے سے مسکرا دیا۔

''آپ مشکل میں مت پڑیے میں ہی بتا دیتا ہوں میں اعیان سکندر خان، انصر خان کا بیٹا۔''

''اوہ...... اعیان بیٹا۔'' سفیان راؤ کی تو جیسے خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ملا، آنکھوں اور چہرے سے خوشی کے واضح رنگ جھلکنے لگے تھے، وہ بالکل بے تکلف ہو کر سکندر اعیان سے بغلگیر ہوئے تھ اعیان سکندر کو انہوں نے اسی طرح اپنے سے لگایا تھا جیسے بچپن میں لگایا کرتے تھے، مگر بچپن کے اس اعیان سکندر اور آج کے اس اعیان سکندر میں زمین و آسمان کا فرق آ گیا تھا، پہلے اعیان سکندر ان کے وجود میں چھپ جایا کرتا تھا آج سفیان راؤ، اعیان سکندر کے چوڑے شانوں میں چھپ کر رہ گئے تھے، جس کا احساس اس سفیان راؤ کو شدت سے ہوا تھا۔

''ماشاء اللہ، سائرہ ہمارے اعیان بیٹے اب بڑے ہو گئے ہیں۔'' سفیان راؤ نے سائرہ کو دیکھا جو اس دوران کھڑی ہو کر خود بھی انہی کے پاس چلی آئی تھیں۔

''جی سفیان! ماشاء اللہ سے اعیان آپ

کے قد سے بھی اوپر ہیں اور مزید پیارے بھی ہو گئے ہیں۔'' سائرہ نے ستائش بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''ارے اعیان بیٹا راحیلہ بھابھی اور انصر کہاں ہیں؟'' سفیان راؤ نے متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑائی تھیں، راحیلہ اور انصر خان کے ذکر پر اعیان سکندر کے چہرے پر درد کا سایہ سا لہرا گیا تھا، جو سائرہ اور سفیان راؤ کی زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔

''مام۔'' اسی اثناء میں وہاں روبی بھی چلی آئی تھی، اعیان سکندر کی نظر اس سمت اٹھی تھی۔

''جی روبی خیریت۔'' سائرہ نے روبی کے جھلملاتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''مام گھر چلئے بوریت ہو رہی ہے اب۔'' اس خوبصورت چہرے پر بے زاریت طاف ظاہر تھی۔

''ٹھیک ہے چلتے ہیں پہلے اپنے بچپن کے بیسٹ فرینڈ سے تو مل لو۔'' سائرہ نے نرمی سے کہتے ہوئے، اعیان سکندر کو ملائمت بھری نگاہوں سے دیکھا، روبی نے اعیان سکندر کو دیکھا تو آنکھوں میں ہی نہیں چہرے پر بھی جو بے زاریت تھی وہ خوشی اور جھلملاتے رنگوں میں تبدیل ہو گئی۔

''اعیان سکندر!'' روبی تیزی سے اس کے قریب آئی تھی بیچ میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں تھا، بچپن کا ساتھ تھا بچپن کی گہری دوستی تھی وہ دونوں دو جسم ایک قالب تھے، دن بھر کی ایک ایک بات چاہے وہ کوئی بھی شرارت ہو ایک دوسرے کو بتائے بنا نہیں رہ سکتے تھے۔

''آئی کانٹ بلیو اعیان، تقین کرو تمہارے جانے کے بعد میں نے کبھی کوئی دوست نہیں بنایا، ہر ہر قدم پر اپنی ہر کامیابی ہر خوشی ہر غم پر تمہاری بہت کمی محسوس ہوئی ہے۔'' فرط جذبات سے روبی کی پلکیں بھیگ گئیں۔

سفیان راؤ اور سائرہ نے ایک دوسرے کو دیکھا، سفیان راؤ نے ایک گہرا سانس کھینچا اور اعیان سکندر کے چوڑے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ آج کل کہاں رہتے ہیں ایڈریس دیں ہم کل ہی آپ کے گھر آئیں گے۔''

''نو ڈیڈو، مجھے ابھی اعیان سے بہت ساری باتیں شیئر کرنی ہیں بہت کچھ بتانا ہے ہم ابھی کہیں نہیں جا رہے۔'' روبی نے اعیان سکندر کا بے تکلفی سے ہاتھ تھام لیا تھا، اعیان سکندر نے اپنی چوڑی ہتھیلی میں دبا اس کا مرمریں نازک سا ہاتھ دیکھا تھا۔

''روبی بیٹا تھوڑا سا اور صبر صبح کی تو بات ہے، پھر ہم سب چلیں گے اعیان کے گھر، ہمیں بھی کل کا شدت سے انتظار ہے۔'' راحیلہ بھابھی سے اور انصر بھائی سے ملنا ہے بہت سی غلط فہمیاں دور کرنی ہیں۔

گزرتے بیتے دنوں کی بہت سی اذیت بھری پرچھائیاں تھیں ان لوگوں کے چہروں پر، روبی خاموش ہو گئی پھر کچھ سوچتے ہوئے سائرہ کو دیکھنے لگی۔

''چلیں ٹھیک ہے جیسا آپ چاہیں، او کے اعیان جہاں اتنا ٹائم ویٹ کیا ہے ایک رات اور صبح۔'' روبی نے خوبصورت سی مسکراہٹ اس پر اچھالی تھی۔

وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت اتنی ہی پیاری ہے جتنی بچپن میں تھی اس کے دل کی بار بی ڈول نازک سی، میدے جیسی رنگت پر بڑی بڑی خوبصورت جھیل سی آنکھیں، کھڑی ستوان ناک، شنگرفی ہونٹ بلاشبہ وہ اس کی سوچ سے زیادہ خوبصورت تھی، ویسا ہی بے تکلف و بے جھجک ہو

کر اس کے گلے سے لگنا اس سے ہر بات شیئر کرنا اس کو اہمیت دینا اس کی فکر و پرواہ کرنا یہ محبت ہی تو ہے بلکہ شاید محبت سے بھی بہت آگے۔

ہاں محبت سے بھی آگے ہے، اعیان سکندر کی بے قراری اس کی بے تابی اس کا جذبہ و احساس محبت سے بھی بہت آگے ہیں، یہ تو عشق کی بات ہے جنون کی کہانی ہے، جس نے شعور سنبھالتے ہی جنم لے لی تھی، اعیان سکندر کا دل اس کی ایک ایک دھڑکن روبی کے نام کی ہی تو مالا جپتی تھی، اس کی سانسوں کی ڈور ایک اسی کے نام سے تو بندھی تھی، ان بلوریں آنکھوں میں صرف اور صرف روبی کا خوبصورت چہرہ اس کا نازک اندام سراپا ہی تو رچا بسا تھا، اس کا پورا وجود روبی کے احساس سے ہی تو مہکتا تھا، پھر کیوں نہ یہ عشق و جنون کی کہانی بنے، کیوں نہ محبت و چاہت کی انمول داستان رقم ہو۔

☆☆☆

رات کے تیسرے پہر اعیان سکندر کسی دیوانے کی طرح اپنے بیڈ روم کی ونڈو کے پاس کھڑا سیاہ چادر پر جھلملاتے ستاروں کے بیچ چودھویں کے پورے چاند کو یک ٹک دیکھ رہا تھا جس کی روشنی ہر شے پر بکھری پڑی تھی، جس کی روشنی اس کے بیڈ روم کی ہر شے سے ہوتی ہوئی اس کے بے قرار و بے تاب وجود پر تھی، جس کی روشنی کی لپیٹ میں اس کا دل تھا اور ان سے بھی بڑھ کر ایک چہرہ ایک سراپا پورے طمطراق سے نمودار تھا اور وہ تھا روبی کا چہرہ اس کا سراپا، اس کا احساس۔

دس سال بعد ایک بار پھر ملے ہیں اور ان دس سالوں میں اعیان سکندر نے صرف اور صرف روبی کو سوچا، پل پل اس کو چاہا، لمحہ لمحہ اس کو اپنے آس پاس محسوس کیا، اس کی محبت کی خوشبو کے حصار میں قید رہا، تو پھر کیسے وہ اپنی محبت میں خیانت کا روادار ہو سکتا تھا۔

مگر اب وقت آ چکا تھا، جدائی کو ختم کرنے دوریوں کو نزدیکیوں میں تبدیل کا وقت آ چکا تھا، روبی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی میں شامل کرنے کا پل واپس آ گیا تھا، محبت و چاہت عشق و جنون کے اس رشتے پر مزید مضبوطی کی مہر ثبت کرنی تھی، اپنا پیارا اپنا دل اپنا سب کچھ روبی کے حوالے کرنا تھا اور اس کو زندگی کی آخری سانس تک اپنانا تھا۔

ان بلوریں آنکھوں میں خوبصورت سی چمک تھی جو چودھویں کے چاند کی روشنی میں مزید دوگنی ہو گئی تھی، ان عنابی لبوں پر مسکراہٹ کی ایک کہانی رقم تھی۔

''بہت جلد تم میرے ساتھ میرے پاس ہو گی روبی، پھر میں تمہیں اپنی بے قراری میں گزرے ایک ایک پل کی داستان سناؤں گا دس سال کی اس جدائی نے تمہارے اس دیوانے کو کتنا تڑپایا ہے وہ سب روبرو بیٹھ کر بتاؤں گا۔''

نیند ان بلوریں آنکھوں سے کوسوں دور تھی، بیڈ پر جانے کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، وہ اس رات لمحہ لمحہ پل پل صرف روبی کو سوچنا چاہتا تھا، خیالوں میں اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا تھا، اس وقت وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

''منیجر اصفہانی کی ہیر پھیر، غبن، چالاکی و ہوشیاری بے ایمانی شیئر میں گھپلا اس کی جھوٹی کہانی کی وجہ سے ہی النصر خان اور تمہارے بیچ غلط فہمی، برائی اور دراڑ جیسی مکروہ چیزوں نے جنم لینا شروع کر دیا تھا جس کی وجہ سے تم دونوں دوست الگ ہو گئے تم دونوں دوستوں میں جدائی

آ گئی تھی، دوریاں پیدا ہو گئی تھیں۔'' شہزاد شاہ نے ایک گہرا سانس لیا اور سفیان راؤ کو دیکھا جس کے چہرے پر زمانے بھر کی پشیمانی و شرمندگی نے گھیرا ڈال رکھا تھا، جبکہ سائرہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے، پچھتاوے کے، اپنی بہن جیسی پیاری دوست راحیلہ کو کھونے کے۔

''مگر جب منیجر اصفہانی کی اصلیت اس کا اصلی چہرہ سامنے آ گیا تو بہت دیر ہو چکی تھی بے شک پورے بزنس کا دیوالیہ نکل چکا تھا مگر بزنس سے زیادہ نقصان جو اس کو پہنچا تھا وہ تھا تم دونوں کی بیچ کی غلط فہمیاں، دوریاں، منیجر اصفہانی نے بڑی چالاکی سے پہلے تم دونوں کا مشترکہ بزنس الگ کیا پھر تم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا، وہ اپنے پلان میں کامیاب ہو چکا تھا، سارا پیسہ سمیٹ کر وہ ملک سے بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ بروقت انصر خان کو سب پتہ چل گیا تھا، پولیس کی مدد سے انصر خان نے اصفہانی کو پکڑوا دیا تھا، انصر خان اور راحیلہ کو سچائی کے بارے میں سب علم ہوا تو انہوں نے ہی سوچا تمہارے پاس آئیں گے ساتھ بیٹھ کر اس مسئلے کو حل کریں گے معافی تلافی کریں گے، پہلے جیسے رشتے استوار کریں گے پہلے کی طرح ملیں جلیں گے، لنچ تمہارے گھر تو ڈنر انصر خان کے گھر، مگر کیسے معلوم تھا کہ آنے والے لمحوں نے کیا کہانی لکھ ڈالی ہے قسمت کون سا کھیل ان کے ساتھ کھیلنے کو تیار بیٹھی ہے، کاتب تقدیر ان کے نصیب پر جو سوچ چکی تھی، وہی ہونا تھا کسی کی پکار نے چیخنے رونے کسی معصوم بچے کی معصومیت اس کے بلکنے سسکنے اس بچے کی فریاد نے انصر خان اور راحیلہ کو منوں مٹی تلے جانے سے نہیں روکا تھا۔'' شہزاد شاہ کی بوڑھی آنکھوں میں انصر خان اور راحیلہ کے کفن میں لپٹے وجود سامنے آ گئے، ان کی بوڑھی آنکھوں میں اپنی اکلوتی بیٹی داماد کی جدائی کے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر بکھرتے چلے گئے۔

''اس ایکسیڈنٹ نے سب کچھ ختم کر دیا تھا، اس شہر اس بستی میں میرا دل ہی نہیں لگا اس لئے اپنے نواسے اعیان سکندر کو لے کر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاکستان سے باہر چلا گیا، دس سال وہاں گزارنے کے بعد دل اب واپس آنے کو ہمکنے لگا تھا کہ یہاں میری بیٹی و داماد کی خوبصورت یادیں ہیں باتیں ہیں، اسی لئے چھ ماہ پہلے میں یہاں اعیان سکندر کے ساتھ شفٹ ہوا ہوں۔'' شہزادہ شاہ نے اپنے برابر میں بیٹھے اعیان سکندر کو چاہ بھری نظروں سے بغور دیکھا تھا، شہزاد شاہ کے اس طرح سے دیکھنے پر اعیان سکندر نے اپنا کسرتی بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے ان کے سفید بالوں کا بوسہ لیا تھا۔

''انکل پچھتانا تو ہمارے مقدر میں بھی لکھا جا چکا ہے میں تو اس بھرم میں اس آسرے میں جی رہا تھا کہ ایک نہ ایک دن میرا بھائی جیسا دوست انصر خان مجھے ملے گا میں اس سے اپنے کیے کی معافی تلافی کروں گا اس کے پیروں میں گر کر اپنی دوستی کی بھیک مانگوں گا، مگر وہ تو زندگی بھر کی ایسی جدائی دے گیا جس کا خلا کوئی ختم نہیں کر سکتا ہے، وہ تو مجھے زندگی بھر کی سزا دے گیا یہ قرض یہ اذیت و کرب صدا کے لئے آخری سانس تک رہے گا۔'' سفیان راؤ کے لب و لہجے سے درد کی کرچیاں صاف ظاہر تھیں ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

''ہمیں معاف کر دیجئے شہزاد انکل، ہم نے بہت بڑی غلطی کر دی ہم نے آنے میں بہت دیر کر دی۔'' سائرہ نے اپنی آنکھوں سے بہتے اشکوں کو ٹشو پیپر سے صاف کیا۔

''نہیں سائرہ بیٹا آپ ملال مت کریں اس

میں کسی کی کوئی غلطی نہیں ہے کاتب تقدیر میں یہ سب بہت پہلے لکھا جا چکا تھا، مگر یہ جدائی کا دکھ تو ایسا ہے جو مرتے دم تک نہیں جائے گا۔'' شہزاد شاہ نے بھیگے لب و لہجے میں کہا تھا۔

''خیر باتیں تو بہت ہیں ابھی کھانے کا ٹائم ہو چلا ہے۔'' شہزاد شاہ نے ایک گہرا سانس کھینچا تھا۔

''بیٹا اعیان کھانا تیار ہے۔'' انہوں نے اپنے برابر میں پژمردہ سے اعیان سکندر کو دیکھا۔

''جی نانا جان میں لگواتا ہوں۔'' اعیان کھڑا ہو گیا تھا۔

''نانا جان میں لگواتی ہوں۔'' اعیان سکندر کے ساتھ روبی بھی کھڑی ہو گئی تھی، اعیان سکندر نے روبی کے اس بے تکلف انداز کو سراہا تھا، اسے بہت اچھا لگا تھا اس کا اپنائیت بھرا انداز محسوس ہی نہیں ہوا جیسے وہ یہاں اس گھر میں پہلی بار آئی تو اتنے سالوں کے بعد۔

سب نے بہت خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا تھا، اعیان سکندر نے بالخصوص روبی کے لئے ساری ڈشز اس کی پسند کی بنوائی تھیں۔

☆☆☆

روبی نے اس کو شام کی چائے پر بلایا تھا آج اعیان سکندر نے اسپیشل تیاری کی تھی آج وہ اپنے دل کی بات اس سے کہے گا آج وہ اس کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی دعوت دے گا اس کو اپنی دیوانگی اپنی چاہت و محبت کی داستان سنائے گا اس کے فراق میں گزرے پل پل کی رام کہانی اس کے گوش گزار کرے گا، اس کو بتائے گا کہ وہ اس کو پھر سے پا کے کس قدر خوش ہے دل بس جھومنے ناچنے گانے کا چاہ رہا ہے، بس جلد از جلد یہ دوریاں نزدیکیوں میں بدل جائیں، یہ ساعتیں ختم ہو جائیں یہ ٹائم ختم ہو جائے، پھر بس میں اور روبی ہوں گے تیسرا کوئی وجود نہیں ہو گا اور یقیناً روبی کو جب یہ پتا چلے گا کہ اعیان سکندر اس کی محبت میں پاگل ہے دیوانہ ہے تو وہ اپنی قسمت پر رشک کرے گی خود پر فخر کرے گی، انتظار کی گھڑیاں بس ختم ہی ہونے والی تھیں۔

اعیان سکندر کے عنابی لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ تھی ان بلوریں آنکھوں میں جیت کا نشہ آب و تاب سے جگمگا رہا تھا، اعیان سکندر نے اپنی ہینڈ واچ دیکھی جہاں گھڑی کے ہندسے ساڑھے چھ بجا رہے تھے، اس نے باہر دوڑتے نظاروں پر نگاہ ڈال دی تھی کہ نظر سامنے پڑی تھی۔

''ڈرائیور گاڑی روکو۔'' اعیان سکندر نے فوراً سے بیشتر کہا۔

''یہ تو مس اولیش لگ رہی ہیں۔''

براؤن کلر کی شیشوں اور دھاگوں سے مزین بڑی سی چادر میں مقید یقیناً وہ اولیش ہی تھی، اس کے چہرے سے ہی نہیں اس کے سراپے سے بھی صاف ظاہر تھا کہ وہ اس وقت بہت گھبرائی ہوئی پریشان ہے، جیسے کسی مصیبت میں ہو، اعیان سکندر کی پرسوچ نگاہیں اولیش کے سادھے چہرے پر ٹک گئی تھیں، ڈرائیور نے گاڑی اولیش کے ہی پاس لا کر روک دی تھی، اولیش تو ویسے ہی گھبرائی ہوئی تھی گاڑی کے یکدم سے اس کے پاس رکنے سے وہ مزید سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''مس اولیش!'' اعیان سکندر نے مرر کو نیچے اتارا تھا، اولیش نے جھک کر دیکھا، اعیان سکندر کو سلام کیا جس کا اس نے دھیرے سے جواب دیا تھا۔

''سب خیریت تو ہے آپ مجھے بہت پریشان لگ رہی ہیں۔'' اعیان سکندر کی زیرک

نگاہیں لمحوں میں اولیش کی پریشانی بھانپ گئی تھیں، وہ یقیناً کسی بڑی بات کو لے کر اس قدر سہمی ہوئی ہے اب سبب کیا ہے وہی بتائے گی۔

''جی...... وہ...... سر...... وہ۔'' گھبراہٹ کے مارے اس کی زبان بھی لڑکھڑا کے رہ گئی تھی، ہرنی آنکھوں میں نمی زینت بنی ہوئی تھی، سوکھے گلابی ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرتی وہ اندر کے خلفشار کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی، اعیان سکندر نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔

''آیئے اندر بیٹھئے۔'' اولیش نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اعیان سکندر پر اس کی پریشانی آشکار ہو، اعیان سکندر نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔

''مس اولیش پلیز اندر آکر بیٹھ جائیں۔'' اعیان سکندر کے لب و لہجے میں اس بار سختی نمایاں تھی، اولیش اپنی انگلیوں کو آپس میں مروڑتی مرنے نہ مرنے کے مصداق بالآخر اندر آ بیٹھی۔

''اب بنا کسی جھجک کے مجھے اپنی پریشانی بتایئے یوں بیچ سڑک پر اتنی گھبرائی ہوئی کیوں کھڑی تھیں۔'' اعیان سکندر نے دوٹوک انداز میں اس سے بات کی تھی۔

''اعیان سر!...... دراصل...... وہ...... بات یہ ہے کہ۔'' اپنی اور اعیان سکندر کی حیثیت اسے کچھ بولنے نہیں دے رہی تھی اعیان سکندر اگر آسمان تھا تو وہ زمین تھی بھلا اس کا اعیان سکندر سے کیا تھا مقابلہ یہی بڑی بات تھی کہ وہ اس وقت گاڑی میں اس کے ساتھ اس کے برابر میں بیٹھی ہے۔

''آپ ٹو دی پوائنٹ بات کریں گی۔'' اعیان سکندر اس کے گھبرانے سے جھنجھلا کے رہ گیا تھا۔

''سر! دراصل میری پھپھو ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔'' اولیش، اعیان سکندر کے سنجیدہ انداز سے ڈر کے رہ گئی اس کا دل سکڑ نے سمٹنے لگا تھا۔

''اوہ...... یہ تو تکلیف دہ بات ہے، مگر ابھی تک میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ سڑک پر یوں پریشان اور گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔''

''میری پھپھو اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہیں ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن، انجکشن وغیرہ منگوائے تھے اور...... پے منٹ بھی کرنی تھی ایک لاکھ وہی میں گھر سے لے کر آئی تھی اور...... میڈیکل سے میڈیسن لے کر جا رہی تھی کہ......'' اولیس کی ہرنی آنکھوں سے جھرنے بہنے لگے، اب وہ کیا کہے یہ آنسو کیوں ہیں اسے اپنی احساس کمتری کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''مس اولیش خدارا ایک تو رونا بند کریں دوسرا یہ ٹکڑوں میں بولنا ختم کریں۔'' اعیان سکندر اولیش کے بچپنے سے چڑ گیا تھا۔

''جی وہ بائیک پر دولڑکے تیزی سے آئے اور میرا بیگ چھین کر لے گئے۔''

سدرہ پھپھو ہی اس پوری دنیا میں اس کا واحد سہارا تھیں اس کا سب کچھ، آج ان کا میجر آپریشن تھا اور اس حادثے نے اس کو ادھ موا کر دیا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا آخر کرے تو کیا کرے۔

''اف۔'' اعیان سکندر کا دل شدت سے چاہا کہ اپنا سر کہیں دے مارے یا سامنے بیٹھی اس بےوقوف لڑکی کا۔

''رحیم ٹائم بہت کم ہے جلدی سے ہسپتال گاڑی لے چلو۔'' اعیان سکندر نے ڈرائیور کو جلدی سے حکم دیا تھا۔

اور ادھے گھنٹے کی کاروائی کے بعد ساری صورت حال اعیان سکندر نے اپنے قابو میں کر لی

تھی۔

''تھینک یو سر!'' اویش جتنا شکر ادا کرتی اعیان سکندر کا کم تھا، اگر وہ فرشتہ بن کر اس سے نہیں ٹکراتے تو جانے کیا ہوتا، آگے کی سوچ سے اس کے پورے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی تھی۔

''شکر ادا کریں اس پروردگار کا میری کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی کوئی اوقات۔''

''جی۔'' اویش نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔

''او کے اب مجھے چلنا چاہیے۔'' کہہ کر اعیان سکندر ہسپتال کی بلڈنگ سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

''اور سناؤ برخوردار کل کیا بات ہوئی روبی بیٹی سے۔'' شہزاد شاہ نے توس پر مکھن لگا کر اعیان سکندر کو تھمایا اور پوچھا۔

''نہیں نانا جان کل میری روبی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔'' اورنج جوس کا ایک گھونٹ لے کر اس نے گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''کیوں؟'' انہوں نے حیران بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''بیٹا میں چاہتا ہوں جلد از جلد تمہاری شادی روبی سے ہو جائے وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئے اس گھر کی ویرانی اور سناٹے سے اب وحشت سی ہونے لگی ہے۔''

''نانا جان انشاء اللہ بہت جلد آپ کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔''

روبی کا تصور ایک دم سے آنکھوں کی پتلیوں پر جھلملانے لگا تھا اس کے خیال سے عنابی لبوں پر دلکش سی مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا تھا، شہزاد شاہ نے یہ بہار جیسا منظر بغور دیکھا تھا اور دل ہی دل میں بہت سی دعائیں اس کے لئے کی تھیں۔

''میری جان یہ میری خواہش تو بعد میں تمہاری خواہش پہلے ہے۔'' شہزاد شاہ ہولے سے مسکرا دیئے تھے۔

''تمہاری بے تابی و بے قراری کو دیکھتے ہوئے تو میرا دل کر رہا ہے ابھی جاؤں اور سادگی سے نکاح کر کے یہاں لے آؤں۔'' شہزاد شاہ نے پرمزاح انداز میں اس کو چھیڑا تھا، اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا وہ اس وقت روبی کو ہی سوچ رہا ہے۔

''نانا جان آپ بھی نا۔'' اعیان سکندر جھینپ سا گیا تھا۔

''کیا خیال ہے آج سنڈے ہے سائرہ اور سفیان کو ڈنر پر بلا لیں؟''

''اس سے اچھی تو کوئی بات ہو بھی نہیں سکتی۔'' اعیان سکندر نے تیزی سے کہا۔

اسی اثناء میں شہزاد شاہ کا فون بج اٹھا تو انہوں نے فون سکرین دیکھی اور موبائل کی جھلملاتی سکرین اعیان سکندر کے آگے کر کے آنکھوں میں مسکرا دیئے تھے، اعیان سکندر نے ہلکا سا سر خم کر کے کال ریسیو کرنے کا اشارہ دیا تھا، شہزاد شاہ نے کال ریسیو کی۔

''ماشاءاللہ ابھی تم لوگوں کا ہی ذکر کیا جا رہا تھا۔''

''شہزاد انکل آج رات کا ڈنر آپ ہمارے ساتھ کریں گے ہماری اس چھوٹی سی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ہمارے گھر کو رونق بخشتے ہوئے ہمیں اپنی میزبانی کا شرف ادا کرنے کا موقع دیجئے۔''

شہزاد شاہ، سفیان راؤ کی اس لمبی تمہید پر قہقہہ لگا کر ہنس دیئے، اعیان سکندر بھی ہلکے سے مسکرا دیا تھا کیونکہ اس پار سے آتی سفیان راؤ کی

آواز وہ خود بھی با آسانی سن سکتا تھا۔
''اب تم نے اتنی لمبی چوڑی بات کی ہے تو ہم ضرور آپ کے گھر کو رونق بخشیں گے۔''
''بڑی بڑی مہربانی آپ کی، ہم تہہ دل سے مشکور ہیں کہ آپ نے اس خاکسار کو عزت بخشی۔''
''او کے شام تک آ رہے ہیں مگر کچھ خاص تواضع ہونی چاہیے کیونکہ ہم کسی خاص مقصد سے تمہارے گھر تم سے تمہاری کوئی قیمتی شے مانگنے آ رہے ہیں۔'' شہزاد شاہ نے اعیان سکندر کا چہرہ دیکھا تھا۔
''بے فکر رہیے آپ کو مانگنے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی آپ بنا مانگے وہ ہماری قیمتی شے ہماری بنا اجازت جب چاہے لے جا سکتے ہیں۔'' سفیان راؤ، شہزاد شاہ کا اشارہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے، یہی تو ان کی دلی آرزو و دلی خواہش ہے۔
''تو ٹھیک ہے ویٹ کرنا ہماری آمد کا، ہم لوگ شام پانچ بجے تک آتے ہیں۔'' کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔
''کیا کہا شہزاد انکل نے۔'' سائرہ نے بے تابی سے پوچھا تھا۔
''وہ لوگ آ رہے ہیں اور کہا ہے کہ کچھ مانگنے بھی آ رہے ہیں۔'' سفیان راؤ نے پرسوچ لب و لہجے میں کہتے ہوئے سائرہ کا بے تاب چہرہ دیکھا تھا۔
''آپ کو کیا لگتا ہے۔''
''جو تم سوچ رہی ہو ویسا ہی ہے، شہزاد انکل روبی کو اعیان کے لئے مانگنے کی بات کر رہے تھے۔''
''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔''
''بالکل، اچھا یہ بتاؤ روبی کہاں ہے؟''
''سو رہی ہے۔''
''او کے ڈنر بہت اچھا سا تیار ہونا چاہیے۔''
''جی بہتر۔'' سائرہ کی آنکھوں میں روبی کا شاندار مستقبل نظر آ رہا تھا، وہ، وہ دیکھ رہی تھیں جو روبی نہیں دیکھ سکتی تھی، اعیان سکندر جیسا ڈشنگ ہینڈسم خوبصورتی میں یکتا ہر لحاظ سے پرفیکٹ وہ کسی بھی لڑکی کی خوبصورت آنکھوں کا خواب ہو سکتا ہے، مگر سائرہ اس خوبصورت خواب کو روبی کی آنکھوں میں مقید کرے گی اعیان سکندر کسی حسین تعبیر کی طرح روبی کی زندگی میں شامل ہو گا، سائرہ کی ہر سوچ کے دھاگے اعیان سکندر اور روبی سے بندھے ہوئے تھے، وہ روبی کے بیڈ روم کی جانب چل دیں تاکہ اس کو اعیان سکندر کے لئے قائل کریں راضی کریں۔

☆☆☆

اعیان سکندر، سفیان راؤ کی جانب سے دی گئی دعوت سے جانے سے پہلے روبی کے لئے کوئی پیارا سا گفٹ لے کر جانا چاہتا تھا، آج ان دونوں کا رشتہ پکا ہو جائے گا تو اس دن کو ہمیشہ کے لئے دل کی آنکھ میں قید کر دینا چاہتا تھا، وہ آج اس قدر خوش تھا ایسا محسوس ہوا وہ ہواؤں میں اڑ رہا ہے زمین پر تو اس کے قدم ہی نہیں ٹھہر رہے تھے، یہ محبت کا احساس بھی کتنا دلکش ہوتا ہے محبوب کا ساتھ اس کو دنیا کا خوش قسمت انسان بنا دیتا ہے کہ قسمت کو بھی خود پر رشک آنے لگتا ہے، روبی کے تصور نے ہی اعیان سکندر کی شخصیت کو اتنا نکھار سنوار دیا تھا جب نگاہوں کے سامنے آئے گی تو، تو وہ خوشی کے مارے جانے کیا کر بیٹھے گا، اس کی دلی مراد بر آنے والی تھی، بہت جلد وہ اس کے گھر سمیت اس کے دل کو تصور کو خواب و خیالوں کو بھی آباد کرنے والی تھی، اس کی خوشبو سے اس کا انگ انگ مہکنے والا تھا، پل بھر کی

یہ انتظار کی گھڑیاں اور اس کے ضبط کتنا امتحان لیں گی۔

اعیان سکندر نے ایک مہنگی وقیمتی خوبصورت سی گفٹ شاپ کی پاس اپنی گاڑی روک دی تھی، گاڑی سے اتر کر وہ گفٹ شاپ کے اندر آ گیا، جہاں نہایت ہی بیش قیمت کے مہنگے گفٹس رکھے تھے، اعیان سکندر نے گفٹس پر بس ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی، سب کے سب تھے تو ایک سے بڑھ کر ایک لاجواب، مگر اسے روبی کے معیار کا کوئی نہیں لگا جو اس کی محبت کے شایان شان ہوتا، وہ آگے کے کیبن کی طرف بڑھا جہاں گولڈ کی جیولری رکھی ہوئی تھی، ان سب میں سے اعیان سکندر کی نگاہ اس گولڈ کی جھمکیوں پر ٹھہر سی گئی تھی۔

''یہ دکھائیں۔'' شاپ کیپر نے وہ ریڈ مخملی بکس نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا تھا، اعیان سکندر نے وہ بکس اٹھالیا تھا، گولڈ کی جھمکیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں، اس کا ڈیزائن اس قدر نفیس تھا جیسے بنانے والے نے نہایت فرصت سے بنایا ہو، اعیان سکندر کے تصور میں چھب سے روبی کا خوبصورت چہرہ جھلملانے لگا اس کے کانوں میں یہ آویزے بہت دلکش لگیں گے اعیان سکندر کی بلوریں آنکھوں میں روبی کا عکس ابھرنے لگا تھا اس کے لبوں کی تراش میں انوکھی سی مسکراہٹ کھلی تھی، اس کے احساس سے ہی اس کے خواب و تعبیر مہکنے لگے تھے، اس کے دل میں دھڑکتی بے شمار دھڑکنیں اس کی راگ الاپنے لگی تھی۔

''سر پسند نہیں آیا تو کچھ اور دکھاؤں۔'' شاپ کیپر نے مودب لب و لہجے میں التجائیہ نظروں سے اعیان سکندر کو دیکھا تھا جس کی شاندار پرسنلٹی کے آگے کوئی بھی مرعوب ہو سکتا تھا، اعیان سکندر نے شاپ کیپر کو دیکھا۔

''نہیں اسی کو پیک کر دیں۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ بکس اس نے واپس کاؤنٹر پر رکھ دیا تھا۔

پیمنٹ کر کے وہ مسرور سا شاپ سے باہر نکلا تھا، روبی کے تصور نے اس کو پور پور مہکا سا دیا تھا، وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا تھا کہ نظر یونہی سامنے اٹھی تھیں اور جیسے اس قیامت خیز نظر نے اس کی نگاہوں کو ہی نہیں اس کے پورے وجود کو بھی پتھرا دیا تھا، وہ جو سامنے شیشے کی دیوار کے اس پار جس کو دیکھ رہا تھا وہ کوئی اور نہیں روبی تھی اور اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی بیٹھا تھا، دنیا و مافیا سے بالکل بے خبر انجان ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے محویت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، اعیان سکندر کی بلوریں آنکھوں میں سچے خوابوں اور ان کی حسین تعبیر کی عمارت دھڑ دھڑا کر کے گرتی چلی جا رہی تھی اس کے دل کی ان گنت دھڑکنیں کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر ہر طرف بکھرتی جا رہی تھیں جس سے اس کا پورا وجود لہولہان زخمی ہوتا جا رہا تھا، روبی اور اس لڑکے کو اس طرح ایک دوسرے کو محبت سے دیکھتے اور ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھامے دیکھ کر کوئی اندھا بھی کہہ سکتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہیں اور عشق کی آخری حد تک وہ پہنچ چکے ہے پیچھے پلٹ کر دیکھنا جن کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔

اعیان سکندر کو رقابت کی گرم ہواؤں نے اس قدر جھلسا دیا تھا کہ بھولے سے بھی اگر کوئی اس کی لپیٹ میں آ گیا تو وہ خاکستر ہو جائے گا جل کے راکھ ہو جائے گا، بھسم ہو جائے گا، محبت و چاہت کے اس سفر میں شاید سب سے اذیت اور دردناک منظر یہی ہوتا ہے جب اس کا پیارا اس کا محبوب کسی اور کے عشق میں گرفتار ہوتا ہے جس کی نگاہیں اپنے پیار کا طواف کرتی ہیں، جس کی

ہر آتی جاتی سانسوں میں کوئی اور خوشبو بن کر مہکتا ہے جس کے دل کی دھڑکنوں پر کوئی اور حکمران ہوتا ہے، اعیان سکندر کی طلب کا کشکول تو خالی رہ گیا، اس کی زندگی صحرا کی ریت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل چکی تھی۔

وہ تصور کی گہرائیوں میں جانے کب تک محو سفر تھا کہ اس کا فون جو کب سے بج رہا تھا، نے اس کی سوچ کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

اعیان سکندر نے اپنی کوٹ کی جیب سے فون نکالا فون اسکرین پر اسی جاناں جاں دشمن جاں کا نام جھلملا رہا تھا، اعیان سکندر نے نہایت چونک کر سامنے دیکھا، وہاں کا منظر بدل چکا تھا، روبی ہاتھ کے اشارے سے اس کو بلا رہی تھی، اس نے بہت مشکل سے اپنے ٹوٹے بکھرے اعصاب پر قابو کیا تھا، اپنے اندر کے چیختے برپا ہوتے طوفان پر بند باندھا تھا، اپنی بلوریں آنکھوں میں ریزہ ریزہ ہوتے خوابوں کی کرچیوں کو سمیٹا تھا اور اس دلربا سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

''حمزہ ان سے ملو یہ ہیں میرے بچپن کے بیسٹ فرینڈ اعیان سکندر!'' روبی نے نہایت خوش ہو کر اس شخص سے اعیان سکندر کا تعارف کروایا تھا۔

''ہائے۔'' حمزہ علی نے نہایت ہی خوشی بھرے انداز میں اعیان سکندر کی جانب اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا تھا، جیسے اعیان سکندر نے بہت عام انداز میں تھاما تھا، جتنی گرمجوشی حمزہ علی میں تھی اس سے کہیں زیادہ بے زاری اعیان سکندر میں پنہاں تھی، جسے حمزہ علی اپنی خوشی کے باعث دیکھ نہیں سکا تھا۔

''اعیان سکندر اور یہ ہیں حمزہ علی، جس کوچنگ میں میں پڑھتی ہوں یہ وہاں پڑھاتے ہیں، اعیان میں اور حمزہ ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے ہیں ایک دوسرے کو بے تحاشا پیار کرتے ہیں، میں حمزہ کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' روبی کے چہرے سے پھوٹتی خوشی اس کی چمک سے اعیان سکندر باخوبی اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کی زندگی میں حمزہ علی کا کیا مقام ہے، حمزہ علی کا یوں دلچسپ نظروں سے روبی کو دیکھنا، اعیان سکندر کوئی کم عقل انسان تو نہیں کہ روبی اور حمزہ علی کی نظروں سے پھوٹتی چھلکتی محبت کو نہیں دیکھ سکتا ان کے چہروں پر قوس وقزح کے رنگوں کی بہار نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہیں۔

''بہت ذکر کرتی ہیں روبی آپ کا، اس قدر تعریفیں کہ اعیان ایسے ہیں اعیان ویسے ہیں، یقین کریں مجھے آپ سے ملنے کا شدت سے اشتیاق تھا۔'' حمزہ علی کے چہرے پر حقیقی کی چمک اور خوشی تھی۔

''تھینکس۔'' اعیان سکندر اس کے علاوہ کچھ بول ہی نہیں سکا تھا، تو بالآخر اس کی محبت کی عمر اتنی ہی تھی، اس کی چاہت کا سفر یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے، اس کے عشق وجنون کی کوئی منزل نہیں ہے اور جس خار دار راہ پر وہ برہنہ پا چلا تھا اب تک وہ تو صرف اور صرف یکطرفہ تھا، اکیلا تنہا چلا تھا وہ اس راہ پر۔

''اعیان!'' روبی نے دھیرے سے پکارا تھا، اعیان سکندر نے بمشکل زخمی زخمی نگاہیں اس کی طرف اٹھائی تھیں۔

''صبح مام نے بتایا تھا کہ آج رات کے ڈنر پر تم اور نانا جان آرہے ہیں کسی خاص مقصد کے لئے۔'' روبی نے لفظوں کو سنبھال سنبھال کے بولنا شروع کیا تھا۔

''اعیان تم جانتے ہو ہم بچپن سے ہی آپس

میں کلوز فرینڈز ہیں، کچھ سالوں کا گیپ آ گیا تھا، کچھ غلط فہمیوں کے باعث، مگر خیر اب وہ سب ٹھیک ہو گیا، ہم ایک بار پھر سے ملے ہیں، مگر اعیان میں نے تمہیں ہمیشہ سے اپنا بہت اچھا فرینڈ ہی سمجھا اور جانا ہے، ہمارے گھر والے زبردستی ہمیں جس رشتے میں باندھنا چاہتے ہیں وہ پائیدار اور مضبوط نہیں ہوگا، میں تمہیں یا تم مجھے وہ خوشی کبھی نہیں دے سکتے۔''

''تم کیا چاہتی ہو مجھ سے۔'' اعیان سکندر کے لئے آگے کچھ بھی سننا برداشت سے باہر تھا اس لئے اس نے روبی کی بات کاٹتے ہوئے دو ٹوک انداز میں بات کرنے کی ٹھانی۔

''مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے۔''

''کس طرح کی۔''

''میں نے مام ڈیڈ کو حمزہ کے لئے بہت قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہمارے رشتے کے لئے نہیں مان رہے، وہ سمجھتے ہیں حمزہ مجھے دولت و پرآسائش بھری لائف نہیں دے سکتے۔''

''اوں۔'' اعیان سکندر نے صرف ''اوں'' پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''رات کے ڈنر پر ملتے ہیں۔'' اعیان سکندر پرسوچ لب و لہجے میں کہتا ہوا چیئر سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''تو کیا میں سمجھ لوں تم میری ہیلپ کرو گے۔'' اعیان سکندر کے ساتھ ہی حمزہ علی اور روبی بھی کھڑے ہو گئے تھے، اعیان سکندر نے روبی کے التجائیہ انداز کو بغور محسوس کیا تھا۔

''اللہ حافظ۔'' اور پھر اعیان سکندر وہاں ٹھہرا نہیں ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا، ایسا جواری جس نے اپنا سب کچھ گنوانے کے ساتھ اپنی زندگی بھی گنوا دی تھی، اس کے دل کا کشکول خالی تھا، جس میں چند سکے بھی نہیں تھے کہ اس کی زندگی ہی ان یادوں کے سکون سے ساتھ گزر جائے، حمزہ علی نے جاتے ہوئے اعیان سکندر کی چوڑی پشت بغور دیکھی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے اعیان سکندر ساتھ دیں گے۔''

''مجھے یقین ہے وہ میری خواہش رد نہیں کرے گا۔'' روبی نے پریقین لب و لہجے میں کہتے ہوئے حمزہ علی کو دیکھنے لگی تھی۔

☆☆☆

''ماشاء اللہ ہر ڈش نہایت ہی عمدہ اور لاجواب بنی ہے۔'' شہزاد شاہ نے مسکراتے ہوئے ذرا بھی کنجوسی سے کام نہ لیتے ہوئے کھلے دل سے تعریفی کلمات ادا کیے تھے۔

''میں نے تو سیر ہو کر کھانا کھایا ہے۔''

''شہزاد انکل یہ سارا کھانا روبی نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے جب میں نے روبی کو بتایا کہ آپ اور اعیان کو ہم نے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے تو یہ دوپہر سے جو کچن میں گھسی ہے آپ کے آنے سے پہلے ہی کچن سے باہر آئی ہے۔'' سائرہ نے اپنی طرف سے روبی کی سلیقہ مندی اور سگھڑاپے کی تعریف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

سائرہ کی بات پر وہیں پاس میں بیٹھی روبی نے گڑبڑا کے پہلے اپنے بالکل سامنے بیٹھے اعیان سکندر کو دیکھا، پھر پہلو بدل کر رہ گئی جب کہ اس کے برعکس اعیان سکندر کے عنابی لبوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی، جیسے اعیان سکندر نے بڑی مہارت سے چھپایا تھا۔

باتوں کا سلسلہ جو نکلا تو وقت گزرنے کا اندازہ ہی نہیں ہوا، ہر موضوع گفتگو پر بحث و مباحثہ ہوا تھا، چاہے وہ معاشرے کے بگڑتے

سنورتے حالات ہو، سیاست ہو یا بزنس کے چڑھتے اترتے شیئرز کے ریڈز، گو کہ ان گرم و ٹھنڈے ماحول میں گھڑی کے چھوٹے ہند سے نے ساڑھے بارہ بجے کا وقت بجا دیا تھا۔

سائرہ اندر ہی اندر بے چین، بے قرار تھیں، دنیا و جہاں کی ایک ایک بات پر بحث و مباحثہ ہو گیا تھا مگر جو بات کرنے کی تھی وہ شہزاد شاہ نے ابھی تک نہیں کی اصل میں جس مقصد اور جس سلسلے کے لئے شاید وہ لوگ یہاں انوئٹ تھے اس کا اشارتاً بھی کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

''چلیں بھئی سفیان اب ہمیں اجازت دیں یہ ڈنر اور ہماری موضوع گفتگو نے بہت اچھا ٹائم گزارا ہے جو ہمیشہ یاد گار رہے گا۔'' شہزاد شاہ نے صاف گوئی سے کہا تھا۔

''بجا فرمایا آپ نے شہزاد انکل ماحول اتنا اچھا اور خوشگوار رہا کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' سفیان راؤ نے پرتپاک لب و لہجے میں کہا تھا، شہزاد شاہ اور اعیان سکندر کھڑے ہو گئے تھے۔

ان سب کے دوران اعیان سکندر نے مکمل طور پر روبی کو نظر انداز کر دیا تھا اور یہی چیز سائرہ نے گہرائی سے نوٹس کی تھی، پہلے دن اعیان سکندر کے چہرے اور آنکھوں میں جو خوشی اور چمک روبی کے لئے دیکھی تھی وہ اس پل بالکل مفقود تھی ہاں سنجیدگی کی ایک تاریخ رقم تھی اور یہی حال روبی کا بھی تھا جو جوش و خروش اس کے اندر کوٹ کوٹ کے بھرا تھا وہاں اب سب کچھ خالی خالی تھا، سائرہ نے دونوں کو جانچتی نظروں سے پرکھا تھا۔

''کہیں روبی نے اعیان کو حمزہ علی کے بارے میں کچھ بتا تو نہیں دیا۔'' سائرہ کی سوچ میں شک کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے تھے اور اگر ان کے شک کو یقین کی زبان مل گئی تو وہ روبی کی اچھی طرح کلاس لیں گی۔

''تمہیں لگتا ہے یہ جو ابھی کچھ دیر تم نے کیا ہے وہ ٹھیک ہے۔'' شہزاد شاہ نے نہایت گہرائی سے اعیان سکندر کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

''کیا فرق پڑتا ہے نانا جان! میرے کچھ صحیح یا غلط کرنے سے۔'' اس کے چہرے پر ہی نہیں لب و لہجے پر بھی تاریکی کا عنصر صاف نمایاں تھا۔

''رہ لو گے روبی کے بغیر۔'' ایک اور گہرا سوال جو اعیان سکندر کو مشکل میں ڈال گیا تھا اس کے لبوں پر بے بسی بھری مسکراہٹ ابھری تھی جس میں کانچ کی کرچیاں دور دور تک بکھرتی چلی گئی تھیں اور وہ جانتا تھا ان ریزہ ریزہ بکھرے کانچ سے اس کو تا عمر بھر زخم زخم ہونا ہے، لہولہان ہونا ہے۔

''یہ تو دل کا روگ ہے نانا جان، جان لے کر جائے گا یا پھر جان دے کر جائے گا۔'' پھیکی سی مسکراہٹ لئے اس نے نہایت کرب سے اذیت سے شہزاد شاہ کو دیکھا تھا۔

''خدا نہ کرے بیٹا۔'' شہزاد شاہ کا دل دہل اٹھا، روم روم کانپ اٹھا۔

''بیٹی داماد کی جوان موت دیکھنے کے بعد کیا چاہتے ہو یہ بوڑھی آنکھیں اب تمہیں برباد اجڑتا ہوا دیکھیں۔'' ان ضعیف اور بوڑھی آنکھوں میں نمی سی بھرنے لگی تھی، اعیان سکندر کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری نانا جان میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

''میری جان آپ کے احساسات و محسوسات روبی کے لئے جو جذبات جو محبت و

چاہت جو عشق ہے وہ میری زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے، مگر اس حقیقت کو بھی تسلیم کرلو اب کہ روبی تمہاری قسمت میں تمہاری تقدیر میں نہیں ہے، روبی کی منزل اس کی ہر راہ حمزہ علی کی سمت جاتی ہے۔''

اپنی دانست میں وہ اعیان سکندر کو آگے کی اس سچائی سے آگاہ کر رہے تھے جسے وہ جتنی جلدی ہو قبول کرے اتنا ہی اس کے لئے اس کی آگے آنے والی زندگی کے لئے بہتر ہوگا۔

اعیان سکندر کو اپنے اندر بہت کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی اندر اس قدر حبس اور گھٹن بھر گئی تھی جس سے اس کا اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا تھا، اس نے بے اختیار ہی اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی، یکدم سے گھبراہٹ سی طاری ہونے لگی تھی۔

''آر یو آل رائٹ۔''

''جی۔'' بس جی کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا، شہزاد شاہ کی پریشانی کے باعث اسے خود کو کنٹرول میں رکھنا ہوگا۔

''لو پانی پیو۔'' انہوں نے ڈش بورڈ پر رکھی منرل واٹر کا کیپ کھول کر اعیان سکندر کی طرف بڑھائی تھی جسے اعیان سکندر نے بغیر کسی تردد کے تھام لیا تھا، پانی کے چند گھونٹ پی کر بوتل واپس کر دی تھی، گاڑی کو سڑک پر لاتے ہوئے اچانک اعیان سکندر کی نگاہ سامنے اٹھی تھی، جہاں اولیش نظر آ رہی تھی، اعیان سکندر نے گاڑی اولیش کے پاس روک دی تھی۔

''کیا میں جان سکتا ہوں مس اولیش آپ رات کے ڈیڑھ بجے اس سنسان سڑک پر کیا کر رہی ہیں وہ بھی اکیلی۔'' اعیان سکندر کے ماتھے پر لاتعداد ناگواریت کی شکنیں ابھرنے لگی تھیں، اولیش اعیان سکندر کو دیکھ کر بوکھلا کے رہ گئی تھی، ہمیشہ تقدیر اس کے سامنے کیوں لا کھڑا کرتی ہے، جن سے وہ اپنی مشکلات چھپانا چاہتی ہے۔

''اینی ویز فی الحال تو آپ گاڑی میں بیٹھیے۔'' گمبھیر و سنجیدہ انداز نے اولیش کو اندر ہی اندر سہما دیا تھا، لڑکھڑاتے قدموں سے اولیش بیک سیٹ پر بیٹھی تھی بیک مرر سے شہزاد شاہ نہایت محویت مگر دلچسپ نظروں سے اس پیاری سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

اعیان سکندر نے اپنے کھنچے کھنچے اعصاب سمیت گاڑی کو آگے بڑھالی تھی، گاڑی سیدھی اعیان ولا ہی رکی تھی، وہ اولیش کو اپنے گھر ہی لے آیا تھا، کیونکہ وہ اولیش سے بھی پوچھ چکا تھا کہ اس کی پھپھو ابھی آئی سی یو میں ہیں۔

''جب تک آپ کی پھپھو صحت تاب ہو کر گھر نہیں چلی جاتیں آپ یہیں قیام کریں گی۔'' سنجیدگی کی بھرپور نظر وہ اس کے گھبرائے سہمے چہرے پر ڈالتا اپنے روم کی جانب بڑھتا گیا تھا، اعیان سکندر کے بارعب انداز اور متاثر کن شخصیت کے سامنے تو وہ ویسے بھی خود کو بہت چھوٹا سا کمزور سا محسوس کرتی تھی، گلابی لبوں کو اپنے چمکتے موتیوں جیسے دانتوں سے کچلتی وہ وہیں کی وہیں تھم سی گئی تھی، اعیان سکندر تو اپنا حکم اس پر لاگو کر کے کب کا جا چکا تھا، وہ شش و پنج میں وہیں کھڑی رہی، اس سے انجانے گھر اور انجانے لوگوں میں وہ خود کو بالکل آن فٹ محسوس کر رہی تھی، شہزاد شاہ نے بغور اولیش کو دیکھا تھا، ان کی زیرک نگاہیں بہت کچھ نا صرف دیکھ چکی تھیں بلکہ آگے تک کا بہت کچھ سوچ بھی چکی تھیں۔

اولیش کے کھڑے کھڑے ٹانگیں شل ہوگئی تھیں خنکی اور ٹھنڈ اس کے اندر گھسی جا رہی تھی مگر اتنی ہمت اور طاقت نہیں خود میں پا رہی تھیں کہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکے، حکم دینے والا تو اس کو حکم دے کر اپنے بیڈ روم میں جا چکا تھا، شاید

اس کا فرض یہیں تک تھا، بے بسی ہی بے بسی تھی ان ہرنی آنکھوں سے چند موتی ٹوٹ کر رخسار پر پھسلتے چلے گئے تھے اپنی کم مائیگی کا احساس شدت سے جاگا تھا، اس کی سوچ کا گھیرا جانے اور کتنا وسیع تو ہوتا کہ کسی کا پرشفقت نرم و ملائم ہاتھ اس کے سر پر آٹھہرا تھا، اویش نے نہایت ضبط سے شہزاد شاہ کو دیکھا تھا۔

''نوری!''

''جی سرکار!'' ملازمہ جو ان لوگوں کے آنے پر اپنے کوارٹر میں جانے والی تھی، شہزاد شاہ کے حکم پر دوڑی چلی آئی۔

''اویش بیٹی کے لئے بیڈ روم کھلواؤ اور ان کو وہاں چھوڑ دو۔''

''جی بہتر سرکار۔''

''آیئے بی بی جی۔'' نوری نے اویش کو عزت و احترام سے پکارا۔

''جاؤ بیٹی رات بہت ہوگئی ہے بہت تھکی ہوئی بھی لگ رہی ہو ریسٹ کرو، صبح بات کرتے ہیں۔'' شرینی لب و لہجے سمیت ملائمت بھری نظروں سے انہوں نے اویش کو دیکھا تھا، اویش نے سر کو ہلکے سے جنبش دی اور نوری کے ساتھ چل دی تھی۔

صبح کوئی نو بجے اویش کی آنکھ کھلی تھی، وہ بیڈ سے نیچے اتری، اتنے میں نوری چلی آئی۔

''سلام بی بی جی۔''

''وعلیکم السلام!'' اویش نے دھیرے سے جواب دیا تھا۔

''میں آپ کو پہلے بھی تین بار دیکھ کے جا چکی ہوں، بڑے سرکار آپ کے بارے میں دو مرتبہ پوچھ چکے ہیں بلکہ انہوں نے تو ناشتہ بھی نہیں کیا ہے۔''

''اور اعیان سر۔'' ڈرتے ڈرتے زبان لڑکھڑائی تھی۔

''جی وہ تو آج صبح ہی آفس چلے گئے ہیں اور حکم دے کے گئے ہیں کو آپ کو آفس نہیں بھیجا جائے آج۔'' لفظ بہ لفظ نوری نے اویش کو بتا دیا تھا۔

''اچھا۔'' وہ سوچتی ہوئی نوری کو دیکھنے لگی تھی۔

''آپ یوں کریں فریش ہولیں میں جب تک آپ کا یہیں انتظار کر لیتی ہوں۔'' وہ سر کو ہلکا سا خم کرتی نوری کے اشارے پر روم میں بنے واش روم کی جانب بڑھ گئی، کچھ ہی دیر بعد اویش نوری کے ہمراہ ڈائننگ ٹیبل پر آ رکی تھی، جہاں شہزاد شاہ پہلے سے براجمان نیوز پیپر پڑھ رہے تھے۔

''السلام علیکم!''

''ارے اویش بیٹی آ گئی تم جیتی رہو خوش رہو، چلو آؤ بیٹھو۔'' شہزاد شاہ نے اخبار کو لپیٹ کر سائیڈ میں رکھا اور مسکراتی نظروں سے اویش کو صبح بخیر کہا، اویش چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔

''نوری جاؤ اور ناشتہ لے آؤ۔''

''جی سرکار۔''

''سر...... وہ...... مجھے...... آپ سے کچھ ...... کہنا تھا۔'' بہت محتاط مگر ناپ تول کر لفظوں کو ترتیب دے رہی تھی کیونکہ سامنے جو شخصیت براجمان ہیں وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں اعیان سکندر کے نانا جان ہیں اگر کچھ الٹا سیدھا منہ سے نکل گیا تو پشمانی جو ہوگی سو ہوگی کہیں اعیان سکندر سے اس کی خلاصی نہ ہو جائے۔

جبکہ مقابل بیٹھے شہزاد شاہ اس کے دل و دماغ میں چلتی جنگ سے واقف تھا، اس وقت وہ خود کو ایک معمولی ایمپلائے اور شہزاد شاہ کو ایک بارعب اور سخت گیر قسم کا باس تصور کر رہی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ تم مجھے سر نہیں بلکہ اعیان کی طرح نانا جان بلا سکتی ہو اور دوسرا تم بلا جھجک بلا تکلف مجھ سے ہر بات کر سکتی ہو۔'' اپنی بارعب شخصیت کے برعکس ان کا لہجہ خاصا نفیس اور شائستہ تھا، اویش نے بمشکل نظر اٹھا کر شہزاد شاہ کو دیکھا جو اپنی آنکھوں میں نرم سا تاثر لئے اسے ہی دیکھ رہے تھے، ان کے اس ملائمت بھرے انداز نے اویش کے اندر تھوڑا سا اعتماد سا پیدا ہوا تھا، اس دوران نوری گرما گرم ناشتہ بھی لے آئی تھی۔

''چلو پہلے ناشتہ کرتے ہیں پھر کوئی اور بات۔'' شہزاد شاہ نے ساری باتوں کو ایک طرف رکھ کے اس کے آگے آملیٹ اور ڈبل روٹی رکھی تھی۔

☆☆☆

''کیا ہم کہیں مل سکتے ہیں سفیان انکل۔'' اعیان سکندر نے فون پر سفیان راؤ سے سلام و دعا کرنے کے بعد اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''کیوں نہیں مائی چائلڈ، ضرور آپ یوں کریں یہاں میرے گھر آجائیں، آج میں آفس جلد آف کر دوں گا۔'' سفیان راؤ خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں کے سمندر غوطہ زن ہونے لگے تھے، ہو سکتا ہے جو بات کل وہ نہیں کر سکا آج اس کو انجام دینے آرہا ہو۔

''فائن میں آدھے گھنٹے میں آپ کے گھر پہنچ جاؤں گا۔'' اعیان سکندر نے فون آف کر دیا تھا، ان بلوریں آنکھوں میں اپنی محبت و عشق کی مردہ لاشیں آج اپنی آخری آرام گاہ تک دفن ہو جائیں گی، مگر دل کے کسی کونے میں کسی درد اور اذیت کی صورت میں زندہ سلامت رہیں گی جیسے وہ ہر روز دن کے کسی ایک پہر تھپک تھپک کر سلائے گا، اس نے ایک سرد سانس اپنے اندر اتارا تا کہ اندر کی کچھ گھٹن کم ہو سکے۔

اعیان سکندر اپنے وعدے کے مطابق ٹھیک آدھے گھنٹے بعد سفیان راؤ کے ڈرائینگ روم میں نرم دہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے شاہانہ انداز میں براجمان تھا، سامنے صوفے پر سفیان راؤ اور سائرہ بیٹھے اس کو نہایت حیران کن نظروں سے دیکھ رہے تھے، ان کی ساری خوش فہمیاں خوش گمانیاں ملیا میٹ ہو گئی تھیں، اپنی بیٹی کے لئے جس بزنس ٹائیکون کا انتخاب وہ خود میں کر چکے تھے وہ سب پانی ہوا، ان کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔

''بیٹا اعیان روبی تو بے وقوف نادان ہے مگر آپ تو سمجھ دار عقل مند ہیں زیرک سوچ اور گہری نگاہیں رکھتے ہیں پھر ایسی بات کیسے سوچ لی آپ نے۔'' سائرہ نے عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت سمجھ داری سے اعیان سکندر کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''سائرہ آنٹی روبی کو پورا حق ہے کہ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کرے اپنی زندگی اپنی پسند سے گزارے اور میں آپ کی بات مان بھی لیتا اگر حمزہ علی سے ملا نہ ہوتا۔''

''حمزہ علی ایک معمولی سا پروفیسر اور کوچنگ کا ٹیوٹر ہے وہ بھلا روبی کو کیا خوشی دے سکتا ہے، روبی کی کیا خواہشات پوری کر سکتا، روبی جو سونے کا چمچہ لے کر منہ میں پیدا ہوئی ہے تو کیا وہ حمزہ علی کے ہمراہ غریبی مفلسی، ان کے مسئلوں مسائل کو فیس کر پائے گی۔'' سفیان راؤ کے لہجے میں حمزہ علی کے لئے تلخی ناگواری کے کتنے ہی رنگ نمایاں تھے ان کے انداز میں حمزہ علی کے لئے جو تضحیک و تحقیر تھی اپنے بیڈ روم کے دروازے کی اوٹ میں چھپی روبی نے اسے اندر شدت سے محسوس کیا تھا اس کے چہرے پر تاریکی ہی تاریکی تھی، حمزہ علی کے تصور کو بھی بھول جانا

بھی سوہان روح تھا، جاں گسل تھا، اگر حمزہ علی اس کو نہیں ملا وہ خود کو ہمیشہ کے لئے ختم کر لے گی۔

''سفیان انکل محبت کو دولت کے ترازو میں نہیں تولتے، حمزہ علی میں وہ سارے گنس ہیں جو ایک کامیاب ترین انسان میں ہونا چاہیے، چلیں کچھ ٹائم کے لئے مان لیں کہ میں روبی سے شادی کر لیتا ہوں۔'' یہ بات سن کر روبی پوری جان سے کانپ کے رہ گئی اس کے اندر مایوسیاں ڈیرا ڈالنے لگی تھیں، کہیں وہ محبت کی بازی ہار تو نہیں جائے گی۔

سفیان راؤ اور سائرہ اعیان سکندر کی اس آخری بات پر لاشعوری طور پر خوش بھی ہوئے مگر یہ خوشی چند پل کی ہی ثابت ہوئی۔

''اس کے بعد کیا ہوگا کیونکہ روبی تو میرے ساتھ زندگی گزارنے پر نہ تو خوش رہے گی اور نہ ہی مطمئن رہ پائے گی، بھلے ہی وہ میری اور میں اس کا بیسٹ فرینڈ ہی کیوں نہ ہوں میں اس کے قدموں میں زمانے بھر کی خوشیاں لا کر رکھ دوں مگر ان خوشیوں کا کیا فائدہ جب کوئی انہیں قبول ہی نہ کرے، سفیان انکل حمزہ علی کوئی معمولی انسان نہیں اور نہ ہی کوئی غریب شخص ہے کامیابی اس کے قدم قدم میں ہے محنت اور جدوجہد اس کو اس مقام پر لے جائے گی جہاں آپ اپنے داماد اپنی بیٹی کے شوہر کے لئے تصور کرتے ہیں، میں گارنٹی دیتا ہوں حمزہ علی کی اور اگر آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں یہاں بیٹھا بلاوجہ بات کر رہا ہوں تو میں آپ کو واضح طور پر بتا دوں کہ حمزہ علی کی انکوائری اس کی چھان بین میں نے خود کروائی ہے اس لئے آپ بے فکر ہو کر آنکھیں بند کر کے حمزہ علی کو ایکسپٹ کریں۔'' سائرہ نے بغور اعیان سکندر کو دیکھا تھا بچپن سے وہ انہیں بہت پیارا تھا بہت عزیز اور جب روبی کے حوالے سے سوچنے لگیں تو اس محنت اور شفقت میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔

''اعیان سکندر ایک ہیرا انسان ہے جس کی قدر روبی نہ کر سکی، میں سمجھ سکتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں سائرہ آنٹی!'' اعیان سکندر نے سائرہ کو خود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سائرہ کے قدموں میں جا بیٹھا۔

''آپ میں اور ماما میں، میں نے کبھی کوئی فرق نہیں کیا ہمیشہ ایک سا درجہ دیا ہے۔''

''میری جان ہم نے بھی تو تمہیں اپنا بیٹا ہی مانا ہے۔'' سائرہ نے نرمی سے اس کے سجے سنورے بالوں میں انگلیاں پھیری تھیں۔

''جانتا ہوں۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا، اس کی باتوں نے سفیان راؤ اور سائرہ کو قائل کر دیا تھا، ان کی نیم رضامندی صاف ظاہر تھی، جس پر اعیان سکندر اپنی محبت کے آگے سرخرو رہا فتح یاب ٹھہرا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد وہاں سے اجازت لے کر نکل گیا تھا، اعیان سکندر پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کی سمت بڑھا ابھی گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا۔

''اعیان!'' پیچھے سے چہکتی مسکراتی ہی آواز وہ یقیناً روبی کی تھی، اعیان سکندر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا، روبی تیزی سے چلتی ہوئی اعیان سکندر کے گلے کا ہار بنی تھی، وہی بے تکلفی وہی انداز جو اعیان سکندر کے لئے اس کا خاصا رہا ہے۔

''میں جانتی تھی میری ہر پرابلم کی طرح یہ پرابلم بھی تم حل کر دو گے یقیناً یہ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔'' وہ اس سے الگ ہوئی تھی، اعیان سکندر نے بغور اس کا کھلکھلاتا چہرہ دیکھا تھا

جہاں قوس وقزح کے رنگ کی بہار تھی اور وہ یہی تو چاہتا تھا روبی کے چہرے پر سچی اور دائمی خوشی دیکھنا ہی تو اس کا مقصد تھا اپنے دل کی محبت اجڑ گئی، ویران سناٹے نے تمام عمر بھر کے لئے قیام کرلیا تو کیا ہوا اپنی محبت کو تو اس کی محبت سے ملا دیا، اسے اب کچھ نہیں چاہیے تھا، اپنے چہرے کی تاریکیوں کو بہت پیچھے دھکیلتے ہوئے عنابی لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ سجائے وہ روبی کے چہرے کی چمکتی دمکتی روشنیوں کو دیکھنے لگا تھا۔

''تم خوش ہو۔''

''بہت زیادہ، ایسا محسوس ہو رہا ہے دونوں جہان کو خوشیاں میری جھولی میں سما گئی ہوں، حمزہ کا ساتھ میرے لئے ہر خوشی سے بڑھ کر ہے اور اس میں تم نے جو میری ہیلپ کی ہے میں اور حمزہ زندگی کی آخری سانس تک تمہارے مشکور رہیں گے، بہت جلد موم ڈیڈ کو بھی ریلائز ہو جائے گا کہ ان کی بیٹی کا فیصلہ ان کی بیٹی کی چوائس بری نہیں ہے۔''

''اوں۔'' اعیان سکندر نے صرف اوں کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا، اسی اثناء میں روبی کا فون بجنے لگا تھا، روبی نے فون کی چمکتی سکرین دیکھی۔

''لو حمزہ کا فون آ گیا، اعیان میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔'' روبی فون کو آن کرتی دوسری جانب چل دی۔

☆☆☆

وہ تھکا ماندہ گھر آ گیا تھا جیسے کتنی لمبی مسافت کا سفر طے کر کے آیا ہو، پاؤں چلتے چلتے شل ہو گئے تھے وجود زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا آج محبت کی بازی وہ ہمیشہ کے لئے ہار گیا تھا اپنے کاسہ دل میں ناکام محبت اور زخمی یادوں کے انبار بھر کے کسی کا کشکول محبت سے بھر آیا تھا، اپنے دل میں غموں کو اور کسی کے دل کو خوشیوں سے آباد کر آیا تھا۔

''اب جب اپنے دل کو برباد کر ہی لیا ہے اور کسی کو اپنی خوشیاں اور محبت دان کر آئے ہو تو اس اجڑی محبت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفنا دو کبھی نہ کھودنے کے لئے۔'' شہزاد شاہ کی سنجیدہ اور گمبھیر آواز پر اعیان سکندر کی گہری سوچ کا تسلسل ٹوٹا تھا، اس نے نگاہ اٹھا کے سامنے دیکھا جہاں شہزاد شاہ جانے کب کے آ کر آرام دہ صوفے پر ایزی ہو کر براجمان ہو گئے تھے اور نہایت گہرائی سے اس کا جائزہ لے رہے تھے اعیان سکندر اس قدر منہمک رہا اپنی سوچوں میں کیا ان کے آنے کی خبر بھی نہیں ہو سکی۔

شہزاد شاہ کی صاف گوئی پر اعیان سکندر نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

''زندگی نہ ہی تو کسی ایک کے جانے سے رکتی ہے اور نہ ہی تھمتی ہے، پیچھے پلٹ کر دیکھو گے تو سوائے زخموں اور غموں کے علاوہ کچھ نہیں پاؤ گے اور ان ٹوٹے بکھرے خوابوں کی کرچیاں جو ریزہ ریزہ ہو کر تمہیں صرف لہولہان کریں گی تمہارے ہر ہر عضو کو تکلیف درد اور اذیت سے ہمکنار کریں گی، اس لئے تاریکی میں سے باہر نکلو آگے بڑھو زندگی آگے بھی تمہیں بہت کچھ نوازنا چاہتی ہے، اسے ہاتھ بڑھا کر وصول کرو، تم کسی کی خوشیوں کا سبب بنو، خوشیاں اور راحتیں خود بخود تم پر نچھاور ہوتی رہیں گی۔'' شہزاد شاہ کی ان گہری باتوں کو اعیان سکندر نے بغور نہ سنا تھا اور ایک سرد سانس اس ماحول کی سرد فضا میں لی تھی۔

''تپتے ہوئے صحرا کی تپتی ریت اور کڑکتی جھلسا دینے والی دھوپ میں خود کو مت جھلساؤ، وہاں سے نکلو اور ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں آ کر پرسکون سانس لو، اور یہ دل سے تسلیم کر لو کیا جو تمہارا

نصیب تھا ہی نہیں اس پر ماتم کیا کرنا، کاتب تقدیر کا یہی فیصلہ تھا، تم سمجھ رہے ہو نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

''جی نانا جان!'' اس نے ہلکے سے کہا تھا۔

''مجھے یقین ہے میرا بیٹا بہت بہادر ہے ہمت والا ہے، کوئی بھی کام ہو تھوڑا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔'' شہزاد شاہ نے چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے کہا۔

''جی نانا جان!'' اعیان سکندر نے پھر سے وہی انداز اپنایا تھا۔

''اب کیا نانا جان! نانا جان ہی کرتے رہو گے یا رات کا ڈنر بھی کریں گے صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے تمہارے انتظار میں بھوکا بیٹھا ہوں۔''

''اوہ...... آئی ایم سوری۔'' اعیان سکندر شرمندگیوں کے اتھاہ گہرائیوں میں گرتا چلا گیا تھا، بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے اپنے غم و دکھوں میں اپنے عزیز از جان جو اس کی اتنی فکر کرتے ہیں پرواہ کرتے ہیں، اس کو چاہتے ہیں کیسے وہ یہ کوتاہی کر گیا کہ لمحے بھر کے لئے بھی ان کو ان کی محبت کو فراموش کر بیٹھا، یہ غلطی کیسے سرزدہ ہو گئی اس سے، اپنے دکھوں کی نفی کرتے ہوئے اس نے مسکراتے ہوئے ان کو دیکھا مگر شہزاد شاہ جانتے تھے کہ زبردستی کی یہ مسکراہٹ صرف ان کے لئے لبوں پر آئی ہے۔

''چلیں آج باہر کسی اچھے سے ہوٹل میں آپ کی پسند کا کھانا کھاتے ہیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس کی۔'' شہزاد شاہ نے فوراً ٹوک دیا تھا، اعیان سکندر خفت کا شکار ہوا، کہیں وہ ناراض تو نہیں ہو گئے۔

''فکر مت کرو میں ناراض نہیں ہوں، بات دراصل یہ ہے کہ آج اولیش بیٹی نے رات کا ڈنر تیار کیا ہے۔'' شہزاد شاہ ہلکے سے ہنستے ہوئے بولے تھے۔

''نانا جان وہ گیسٹ ہے ہمارے گھر آپ نے مس اولیش کو کیوں زحمت دی ملازم کہاں تھے۔'' اعیان سکندر کو پسند نہیں آیا تھا۔

''سر کھانا تیار ہو گیا ہے اور ٹیبل پر بھی لگوا دیا ہے۔'' گھبرائی اور سہمی سی آواز پر دونوں نے دیکھا تھا، پھر اعیان سکندر اور شہزاد شاہ نے ایک دوسرے کو دیکھا، شہزاد شاہ تو صرف کندے اچکا کے رہ گئے اور اعیان سکندر انہیں دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکا تھا۔

☆☆☆

صبح ناشتے کی ٹیبل پر اعیان سکندر کا پسندیدہ ناشتہ کچوری اور آلو کا پراٹھا بنا رکھا تھا، گرم گرم کچوری اور آلو کے پراٹھے کی اشتہار انگیز خوشبو سے اس کی بھوک چمک اٹھی تھی، ویسے تو وہ ہر روز آفس سوائے ایک کپ چائے اور سلائس کے کچھ نہیں لیتا تھا وہ بھی شہزاد شاہ کی زبردستی اور صحت و تندرستی کے لمبے لیکچر پر۔

اعیان سکندر نے سیر ہو کر ناشتہ کیا تھا۔

''آج ناشتہ بہت مزے کا بنا ہے نانا جان اس لئے کھا بھی لیا۔'' اعیان سکندر نے تعریفی کلمات ادا کرنے میں رتی بھر بھی کنجوس سے کام نہیں لیا تھا۔

''وہ تو مجھے نظر آ رہا ہے کہ آج میرے شہزادے بیٹے نے بنا میرے لیکچر کے پیٹ بھر کے ناشتہ کیا ہے۔'' انہوں نے دلچسپ نگاہوں سے اپنے گھبرو خوبصورت شخصیت کے حامل نواسے کو دیکھا تھا، اعیان سکندر ہولے سے مسکرا دیا۔

''اگر آج آفس جانے کا موڈ نہیں تو کیا کچھ گپ شپ ہو سکتی ہے۔'' شہزاد شاہ نے چائے کا خالی کپ سائیڈ میں رکھا اور بغور اعیان سکندر کو

دیکھا تھا جس نے ٹریک ٹراؤزر پر ریڈ ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

''کیوں نہیں یہ بندہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔'' اس نے ہلکے سے سر خم کر کے خوشدلی سے کہا تھا، دونوں مسکراتے ہوئے ہال میں آ گئے تھے۔

''اعیان!'' شہزاد شاہ نے آرام دہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے اعیان سکندر کو پکارا۔

''جی کہیے۔'' اعیان سکندر نے ٹی وی کا ریموٹ ٹیبل سے اٹھالیا انداز کافی مصروف زدہ تھا۔

''تمہیں کسی کی ناموجودگی کی کمی کا احساس نہیں ہو رہا۔'' شہزاد شاہ نے بہت عام لہجے میں کہا تھا، اعیان سکندر نے پرسوچ نظروں سے شہزاد شاہ کو دیکھا تھا۔

''اوہ۔'' اس کو شدت سے اویش کی کمی کا احساس ہوا تھا، وہی تو لایا تھا اس کو یہاں۔

''چلو شکر یاد آ گیا، اب آگے بڑھتے ہیں۔'' شہزاد شاہ کے لب و لہجے اور طرز انداز میں کچھ تو پراسرار تھا جو اعیان سکندر فی الحال سمجھ نہیں سکا تھا۔

''یہ بتاؤ اویش کسی لگتی ہے تمہیں۔''

''بے وقوف سی مگر بہت سادہ پلس ذہین اور محنتی۔'' اعیان سکندر نے سچائی کہنے میں ذرا بھی تحمل نہیں کیا۔

''تو یہ بے وقوف سی لڑکی تمہارے آفس میں تمہاری اسسٹنٹ کی پوسٹ پر کیا کر رہی ہے۔'' شہزاد شاہ نے اعیان سکندر کا صرف ایک جملہ بے وقوف ہی پکڑا تھا۔

''تسلی کر لیں میں نے محنتی اور ذہین بھی کہا ہے۔''

''واضح کرو، اگر بے وقوف ہے، تو تم نے اپنے آفس میں جاب کیسے دی۔''

''خیریت نانا جان آج مس اویش کے بارے میں تفصیل کیوں لی جا رہی ہے۔'' اعیان سکندر کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

''وہ بھی پتہ چل جائے گا مگر مجھے میرے پہلے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔''

''کوئی خاص وجہ نہیں اسسٹنٹ کی جاب کے لئے اس دن کافی لڑکیاں آئی تھیں، مس اویش آخری لڑکی تھی تھوڑی بے وقوف مگر ذہین اور محنتی لگی تھیں اس لئے یہ جاب ان کو دے دی۔''

''واضح ابھی بھی نہیں کیا۔'' شہزاد شاہ پر مزاح انداز میں حظ اٹھا رہے تھے۔

''چلو خیر میں بتاتا ہوں دراصل بات کچھ یوں ہے کہ وہ انیس لڑکیاں اس جاب سے زیادہ آپ کی ڈیشنگ، پرسنلٹی میں انٹرسٹ تھیں جو کہ آپ کو منظور نہیں تھا۔''

''تو آپ وجہ جانتے ہیں۔'' شہزاد شاہ نے ایک لمبی آہ بھری۔

''مگر اب کوئی وجہ تمہاری زندگی کا حصہ نہیں اس لئے اپنے اس نانا جان کی درخواست کو منظور کرتے ہوئے اویش کو عمر بھر کے لئے اپنی زندگی میں جاب دے دو۔'' انہوں نے صاف گوئی سے اپنے دل کی بات اعیان سکندر کے گوش گزار کر دی تھی۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں نانا جان، یہ کیسے ممکن ہے۔'' اعیان سکندر کے چہرے پر حیرانگیوں کے ہر رنگ آ جا رہے تھے، دل کی دھچکا بھی لگا تھا۔

''کیوں اس میں ناممکن والی کیا بات ہے۔'' الٹا سوال داغا تھا۔

''آپ جانتے ہیں نانا جان۔'' اعیان

سکندر کا چہرہ یکدم سے تاریک ہوا تھا۔

''تو اس کا مطلب تم اپنے کل میں جینا چاہتے ہو۔'' شہزاد شاہ نے بغور اس کا تاریکی چہرہ دیکھا تھا۔

''نہیں نانا جان مگر اک دم سے مجھ سے میرا کل بھی نہیں چھوٹے گا جس میں، میں نے زندگی جی ہے، جس میں میں نے سانس لی ہے اس کی محبت کی خوشبو میرے کل میں رچی بسی ہے جس سے دامن چھڑانا ابھی میرے بس میں نہیں ہے۔''

''اپنی زندگی میں اویش کو خوش آمدید کہو، مجھے یقین ہے اس کی محبت تمہیں تمہارے آج میں جینا سیکھا دے گی، کھلی فضاؤں میں پھر سے سانس لینے لگو گے، صرف تمہارے ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے۔'' اعیان سکندر نے چونک کر شہزاد شاہ کو دیکھا تھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو۔'' شہزاد شاہ نے مسکراتی نظروں سے اس کو دیکھا تھا۔

''یہاں مس اویش کا کیا ذکر، آپ بار بار یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں کہ میں۔'' اعیان سکندر نے جان کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''تمہیں اعتراض کس بات پر ہے اپنی نئی زندگی شروع کرنے پر یا اپنی زندگی میں اویش کو شامل کرنے پر۔''

''آپ کے اراد ہے مجھے خطرناک کیوں لگ رہے ہیں۔''

''بہر کیف تم جو بھی سمجھو مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مجھے اویش بیٹی بہت پسند آئی ہے بالکل بے ضرر سی معصوم سی بچی ہے۔''

''اور آپ چاہتے ہیں کہ اس معصوم اور بے ضرر سی لڑکی کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو۔''

''خدا نے کرے کیا اول فول بول رہے ہو۔'' شہزاد شاہ صاف الفظوں میں بہت کچھ جتا گئے تھے بلکہ بہت کچھ سمجھا بھی گئے تھے۔

''مگر نانا جان اس سچائی سے میں کیسے منہ موڑوں کہ، میرے ہاتھ خالی ہیں میرا دل ہر جذبے ہر احساس سے خالی ہے، آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کا حصے دار مس اویش کو بنالوں تو یہ بھی تو انصاف کریں کہ جب میرے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ نہیں تو کیا زیادتی ہو گی، اس بندھن کو زبردستی باندھ کے آپ کسی کے ساتھ کیوں نا انصافی کر رہے ہیں نانا جان۔''

''کسی نہیں......اویش۔'' شہزاد شاہ نے فوراً ٹوکا تھا۔

''اور یہ وقت اور حالات بتائیں گے کہ اویش کا وجود تمہاری نا ملنے والی محبت کی پرچھائی پر کتنا حاوی ہوتی ہے۔''

اعیان سکندر کی نیم رضامندی تھی یا وہ شہزاد شاہ کو تسلی دینا چاہتا تھا، بہر حال جو بھی تھا شہزاد شاہ کو اس اونٹ کو کروٹ بٹھانا ہی تھا، ابھی لوہا گرم تھا تو وار بھی کاری ہوگا ورنہ محبت کا یہ روگ عشق کا درد اسے خوشیوں بھری زندگی نہیں جینے دے گا، جو شہزاد شاہ کو کسی صورت منظور نہیں تھا۔

''اویش کی پھپھو آج ڈسچارج ہو جائیں گی ڈرائیور کے ہمراہ انہیں میں نے یہیں بلوا لیا ہے۔'' شہزاد شاہ نے اعیان سکندر کو گہری سوچ میں غلطاں دیکھ کر کہا تھا۔

''میں نے ٹھیک کیا نا۔'' انہوں نے تھوڑا جھک کر پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ ہلکا سا چونک کر رہ گیا۔

''جیسا آپ بہتر سمجھیں۔'' اور پھر ایل ای ڈی کی اسکرین پر نگاہ ڈالی تھی، شہزاد شاہ کے لبوں پر شریری مسکراہٹ رینگی تھی۔

☆☆☆

شہزاد شاہ آہستگی سے چلتے ہوئے سدرہ کے روم کے دروازے کے پاس آ رکے تھے، دروازہ کھلا ہوا تھا اندر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا، سدرہ، اولیش سے دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہی تھیں یا شاید سمجھا رہی تھیں اور شہزاد شاہ اچھی طرح جانتے تھے کہ سدرہ اس کو کیا کہہ رہی ہیں کس بات کے لئے راضی کر رہی ہیں جس کی وہ بار بار نفی کر رہی تھی، شہزاد شاہ نے دھیرے سے دستک دی تھی، دونوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکا تھا، بلکہ ان کی عقیدت عزت و احترام میں سدرہ اور اولیش کھڑی ہو گئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' سدرہ نے سر پر دوپٹے کو درست کیا۔

''انکل اگر کوئی کام تھا تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔''

''جیتی رہو خوش رہو۔'' انہوں نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے نرمی سے سدرہ کو دیکھا تھا، جس میں انہیں اپنی بیٹی راحیلہ کی جھلک نظر آتی ہے۔

''آپ اندر آیئے۔'' سدرہ آگے بڑھیں، تو شہزاد شاہ نے دھیرے سے ان کے سر پر شفقت ہاتھ دھر دیا تھا اور آگے بڑھے۔

''کیا بات ہے ہماری اولیش بیٹی کے چہرے پر یہ جھنجھلاہٹ سی کیسی ہے؟'' شہزاد شاہ نے اولیش کا چہرہ دیکھتے ہوئے حلیمی لہجے میں کہا تھا۔

''جج...... جی۔'' اولیش گڑبڑا کے رہ گئی اور ہلکے سے چونکتے ہوئے پہلے شہزاد شاہ کو دیکھا پھر سدرہ کو جو اسے ہی بغور دیکھ رہی تھیں۔

''کوئی پریشانی لاحق ہے تو بیٹا ہم سے کہیے ہم کس مرض کی دوا ہیں۔'' انہوں نے ملائمت بھرے لب و لہجے میں کہتے ہوئے اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''نن...... نہیں...... نانا جان...... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس کی گھبراہٹ چھپانے سے بھی نہیں چھپ رہی تھی اور یہ گھبراہٹ اور لفظوں کی لڑکھڑاہٹ کیوں ہے وہ سمجھ گئے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے مان لیتے ہیں اب جاؤ اور تین کپ اچھی سی اسٹرونگ سی چائے بنا کے لے آؤ۔'' شہزاد شاہ جو بات کرنے آئے تھے سدرہ نے فی الحال اولیش کے سامنے غیر مناسب ہے اس لئے اولیش کو چائے لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔

''اور سنایئے سدرہ بیٹی یہاں کسی چیز کی تکلیف یا کوئی پریشانی تو نہیں ہے، اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ضرور بتایئے گا کسی بھی تکلف میں مت پڑھیے گا بلا جھجک مجھ سے یا اعیان سے کہیے گا۔'' شہزاد شاہ ایک سنگل صوفے پر ہولے سے براجمان ہو گئے تھے۔

''ارے بالکل بھی نہیں انکل آپ نے پہلے ہی ہمارے لئے اتنا کچھ کر دیا ہے اتنے احسانات ہیں ہم پر آپ کے، اس طرح کہہ کر آپ مجھے اور شرمندہ مت کیجئے۔'' سدرہ کے چہرے پر شرمندگیوں کا سایہ لہرانے لگا تھا۔

''اب تو آپ مجھے یہ بات کہہ کر شرمندہ اور نادم کر رہی ہیں، آپ میں مجھے اپنی بیٹی راحیلہ کا عکس نظر آتا ہے۔'' شہزاد شاہ کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی جس میں اپنی بیٹی راحیلہ کی چھپی سی ابھری تھی۔

''یہ تو آپ کا بڑا پن ہے انکل جو آپ نے مجھے یہ مقام دیا ہے۔'' سدرہ تہہ دل سے ان کی نوازشوں کی شکر گزار تھیں، اپنے رب کے آگے سربسجود تھیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے کسی فرشتے کی طرح بروقت مدد نہ کرتے تو کیا ہوتا ان کا اور اولیش کا کہاں جاتیں وہ دونوں مالک مکان نے بھی ان لوگوں کو نکال دیا تھا۔

''جو ہوتا ہے سب اچھے کے لئے ہی ہوتا ہے، اس میں اللہ رب العزت کی کوئی نہ کوئی مصلحت چھپی ہوتی ہے کوئی نہ کوئی راز پنہاں ہوتا ہے جیسے جاننے کے لئے ہماری نہ تو کوئی اوقات ہے اور نہ ہی کوئی حیثیت، اس لئے آگے کا یا کسی بات کی گہرائی جاننے کی کوشش میں کفر یا شرک میں کیوں پڑیں، یہ ہمارا تمہارا انہیں کا تب تقدیر کا فیصلہ ہے۔'' انہوں نے بہت سہولت اور نرم و ملائمت بھرے لب و لہجے میں سدرہ کو سمجھایا تھا۔

''جی انکل!'' سدرہ نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر کو ہلکے سے اثبات میں ہلا دیا تھا، کچھ توقف کے بعد شہزاد شاہ اپنے اصل مدعے کی جانب آئے تھے۔

''اب مجھے یہ بتایئے اولیش سے بات کی، کیا کہتی ہے وہ۔'' سدرہ خاموش رہیں اور یہ خاموشی کا راج جب تک رہا جب تک شہزاد شاہ نے ہلکے سے کھنکھارا نہیں تھا، وہ ہنوز بغور سدرہ کو ہی دیکھ رہے تھے، سدرہ کے چہرے کی سوچتی لکیروں سے واضح ظاہر تھا کہ وہ بہت کچھ بولنے کے لئے لفظوں کو ترتیب دے رہی تھیں۔

''سدرہ بیٹی جو بھی بات ہے اولیش بیٹی کا جو بھی فیصلہ ہے آپ بنا کسی جھجک کے مجھے بتا سکتی ہیں پھر جو بھی ہوگا مل کر اس کا حل نکالیں گے۔'' اتنا تو وہ سمجھ گئے تھے کہ کچھ اچھا رسپانس نہیں ہے۔

''اصل میں انکل بات دراصل یہ ہے کہ......اولیش نے انکار کر دیا ہے۔''

''اوں......کوئی خاص وجہ۔''

''وہ کہتی ہے کہ آپ لوگوں کے ویسے ہی ہم پر بہت احسانات ہیں مشکل وقت میں آپ نے ہماری مدد کی ہے ہمیں رہنے کے لئے اس وقت ٹھکانہ دیا اس وقت جگہ، چھت دی جب ہمارا سایہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔''

''تو بیٹا یہ تو آپ کے اپنے تعریفی کلمات ہیں۔'' شہزاد شاہ دھیرے سے مسکرا دیئے، سدرہ خفت ذرہ انداز میں سر جھکا گئیں۔

''خیر یہ چھوڑ دیں آپ یہ کوئی اہم ایشو نہیں ہے، یہ بتایئے اعیان سے شادی کے بارے میں کیا کہتی ہیں۔''

''انکل یہاں بھی مایوسی کا سامنا کرنے پڑے گا، کیونکہ اولیش نے صاف لفظوں میں میرے کچھ بھی سمجھانے اسے پہلے انکار کر دیا ہے۔'' سدرہ نے صاف گوئی سے کہا تھا، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''اوں۔'' شہزاد شاہ نے پرسوچ انداز میں بہت لمبا اوں کھینچا تھا۔

''ویسے اعیان سے شادی نہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔''

''ہائی اسٹینڈر۔''

''کیا۔'' شہزاد شاہ نے نہایت تعجب سے سدرہ کو دیکھا تھا۔

''جی انکل، وہ کہتی ہے مجھ میں اور اعیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے ہمارا کوئی میل نہیں بلکہ......'' سدرہ خاموش ہو گئیں۔

''بلکہ......'' شہزاد شاہ ان کے رکنے پر فوراً کہا۔

''بلکہ کیا سدرہ بیٹی۔''

''اولیش کہتی ہے یہاں سے کہیں اور چلیں وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی، ابھی کچھ دیر پہلے ہماری اسی موضوع پر بحث چل رہی تھی، وہ یہاں سے جانا چاہتی ہے۔''

''تو مطلب معاملہ بہت گمبھیر اور پیچیدہ ہے۔'' شہزاد شاہ نے ایک لمبی سانس بھری تھی۔

''آپ کیا چاہتی ہیں۔'' انہوں نے سدرہ

کی اداسی کو دیکھتے ہوئے ان کی رائے لینا ضروری سمجھا۔

''انکل سدرہ کو میں نے ماں، باپ بن کے پالا پوسا ہے، جتنا ہو سکا میں نے اس کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی ہے اس کو اچھی تعلیم دلوائی، جب اس کی اچھی جگہ جاب لگ گئی تو اس نے مجھے بہت آرام دیا ہے، اب حالات جس نہج پر پہنچ گئے ہیں میری بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، میری خواہش یہی ہے کہ اولیش کی بہت اچھی جگہ شادی ہو جائے، میں اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہوں سکون و آرام سے اس دنیا سے جانا چاہتی ہوں۔''

''ابھی یہ دنیا سے جانے والے کی باتیں مت کرو، ہمیں مل کر اولیش اور اعیان کا مسئلہ حل کرنا ہے اور میں نے سوچا ہے اولیش کو اعیان سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا، آپ کا کیا خیال ہے سدرہ بیٹی۔''

''یہ لیجئے چائے۔'' اسی وقت اولیش بھی ٹرالی گھسیٹتی اندر لے آئی تھی، جس میں چائے کے ساتھ کچھ لوازمات بھی تھے، شہزاد شاہ نے مسکراتی نظروں سے اولیش کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

کھلے دروازے پر ہولے سے دستک ہوئی تھی، اولیش جو سدرہ کے کپڑوں کو تہہ کر رہی تھی، دھیرے سے ہوئی دستک پر پلٹ کر دیکھا تو آنے والے نوار دار کو دیکھ کر گھبراہٹ کے مارے ہاتھ میں پکڑا سدرہ کا دوپٹہ بیڈ پر گر گیا تھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔'' اعیان سکندر نے اجازت لینا ضروری سمجھا تھا۔

''ارے سر آیئے نا۔'' اولیش کے گھبراہٹ کے مارے ہاتھ پیر پھولنے لگے تھے، طریقے اور سلیقے سے اوڑھے ہوئے دوپٹے کو وہ بلاوجہ صحیح کرنے لگی تھی، دہکتے عارض پر ان سیاہ گھنیری پلکوں کی لرزش کو اعیان سکندر بغور دیکھ رہا تھا، ہمیشہ سے یہی ہوتا تھا جب وہ اعیان سکندر کے سامنے آتی وہ گھبرا جاتی تھی اس کا اعتماد ٹوٹ کر بکھرنے لگتا تھا، مگر پھر بھی دل پر بمشکل قابو کیے، وہ پوری ایمانداری سے اپنی جاب کی جانب متوجہ ہوتی تھی۔

''تم کیوں نہیں گئیں، نانا جان اور سدرہ پھپھو کے ساتھ روبی کی شادی میں۔'' بہت مطمئن انداز میں اعیان سکندر نے اس سے سوال کیا تھا۔

''جی...... وہ...... میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''اور یہ دل کیوں نہیں چاہ رہ تھا اس پر بھی ذرا روشنی ڈال دیجئے۔'' اعیان سکندر کی ریلیکس مگر مسکراتی آواز پر اولیش نے نہایت چونک کر سیاہ گھنیری لرزتی پلکوں کی باڑ دہکتے عارض سے اوپر اٹھا کے اس کو دیکھا تھا۔

بیشک وہ ایک متاثر کن شخصیت کا حامل تھا اس کا ٹھہرا ہوا انداز اور ٹھہری ہوئی گفتگو سے وہ ہمیشہ ہی خود سے خائف رہتی تھی خود کو احساس کمتری میں مبتلا پاتی تھی۔

''اوکے ریلیکس۔'' اعیان سکندر اس کی بے حال ہوتی کیفیت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ اس کی جان مشکل میں پڑ گئی ہے اس لئے اس پر رحم کھاتے ہوئے اس کو مشکل سے آزاد کیا تھا۔

''ادھر آؤ تم۔''

اعیان سکندر نے فرینکلی انداز میں کہتے ہوئے نرمی سے اس کی کپکپاتی کلائی تھامی اور اس کو لیتا ہوا بیڈ پر آہستگی سے خود بھی بیٹھا اور اس کو بھی اپنے برابر میں ہی بٹھا لیا تھا، سہمی سمٹی ہوئی اولیش، جس کے سادھے حسن پر اعیان سکندر نے کبھی غور ہی نہیں کیا اور ایک اولیش ہی کیا اس نے

تو کبھی کسی اور بھی لڑکی کو نظر اٹھا کو نہیں دیکھا اور دیکھتا بھی کیسے ہر جگہ ہر طرف تو روبی کا عکس اسی کا سراپا چھایا ہوا تھا، مگر وہ حالات وقت لمحے پل سب کچھ بدل گیا تھا، روبی کے عکس پر اس کے سراپے پر ایک دھندسی چھا گئی تھی اس کی یادوں پر باتوں پر اوس سی گرنے لگی تھی، ہر منظر دھندلا سا ہونے لگا تھا، محبت کا وہ بندھن کمزور پڑ گیا تھا، بیشک اس کا پیارا اس کا عشق اس کا جنون بہت مضبوط تھا، مگر ان سب کے بیچ کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے جو سب کچھ اس کی ہتھیلی سے ریت کی طرح پھسلتا چلا گیا اور وہ سوائے دیکھنے کے کچھ نہ کر سکا، مگر اب اس کو ماننا پڑے گا یقین کرنا پڑے گا کہ گزرا وقت ٹھہرا، وہ وقت جس میں وہ اب تک جی رہا تھا، سانس لے رہا تھا۔

اپنوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی زندگی آگے بڑھانے پڑھے گی اور نانا جان کی جو فرمائش ان کی جو خواہش ہے چند لمحوں کے لئے اس کا پورا وجود پتھرا ضرور گیا تھا مگر بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور بھی کر گیا تھا، یہ تو اس کے دل کا درد ہے اس کے دل کا روگ ہے پھر اپنے ساتھ ساتھ نانا جان کو اذیت اور تکلیف سے کیوں دو چار کرے، اور یہی وجہ تھی کہ اس نے اولیش سے شادی کرنے کی حامی بھر لی تھی۔

اور نتیجہ یہ نکلا کہ اولیش نے صاف انکار کر دیا، مگر اولیش کے انکار پر اعیان سکندر کو ذرا بھی غصہ نہیں آیا، مگر شہزاد شاہ کو فکر ضرور ہوئی تھی، وہ اولیش کے لئے بہت بچی تھے اس کو اعیان سکندر کے حوالے سے اس گھر میں دیکھنے لگے تھے۔

تبھی اس نے خود اولیش سے بات کرنے کا سوچا اور آج اس کے سامنے تھا۔

''اولیش!'' اعیان سکندر نے ہولے سے پکارا تھا۔

''جی۔'' اولیش نے آہستگی سے کہا۔

''آپ مجھ سے شادی کریں گی۔'' سنجیدہ لب و لہجے میں کوئی التجا نہیں تھی گزارش نہیں تھی، مگر بہت کچھ خاص ضرور تھا، جس پر اولیش ہلکے سے بوکھلا کے اس کو دیکھنے لگی تھی۔

''میں۔'' اس سے بولا نہیں جا رہا تھا، گھبراہٹ اس کے ہر ہر عضو سے ٹپک رہی تھی۔

''آگے بولو۔'' اس نے اعیان سکندر کے اس طرح دیکھنے پر فوراً نگاہیں جھکا لیں۔

''میں نے......سدرہ پھپھو کو جواب دے دیا ہے۔''

''مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' اعیان سکندر کی نظر مستقل اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، بے شک ان بلوریں آنکھوں میں کوئی شوخی کوئی جذبہ نہیں تھا۔

اولیش نے دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا کہ اب کچھ بھی ہو اسے ہی ڈائریکٹ بات کرنی پڑے گی یہ کام مشکل ضرور تھا مگر اس مشکل راہ پر قدم رکھنے ہی پڑیں گے۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہیں۔'' نگاہیں جھکائے سر کو ہلکا سا خم دیئے اس کے گلابی ہونٹ حرکت کرنے لگے تھے۔

''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے تو بتاؤ ذرا، میں بھی سنوں۔'' مسکراتا لب و لہجہ مطمئن انداز، اولیش چند لمحے کے لئے کنفیوژ ہوئی تھی بس۔

''آپ یہ شادی نانا جان کی خواہش پر کر رہے ہیں جس میں آپ کی اپنی ایک فیصد بھی مرضی شامل نہیں ہے کیونکہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ اپنی محبت جو روبی میم سے ہے اسی میں ہی جینا چاہتے ہیں۔'' انداز محتاط سا تھا مگر لہجہ صاف گو اور جو صاف گوئی میں کہا گیا، اس نے

اعیان سکندر کو بہت متاثر کیا تھا۔
''میں تو سمجھتا تھا تم بہت سادہ سی لڑکی ہو مگر تم تو بہت گہری ہو۔'' اب وہ اس کی تعریف کر رہا تھا یا طنز، اویش سمجھ نہیں سکی تھی، مگر اس کی سوچ تک اعیان سکندر ضرور رسائی حاصل کر گیا تھا۔
''میں تم پر طنز نہیں کر رہا یہ مت سمجھنا، بلکہ میں حقیقت بیان کر رہا ہوں اور تہہ دل سے تمہاری تعریف کر رہا ہوں۔'' اویش کی شکایتی نظروں میں اعیان سکندر نے اپنی بلوریں آنکھیں گاڑھ دیں، جہاں وہ بغور اپنا جھلملاتا عکس دیکھ رہا تھا، اویش نے اس کے بغور دیکھنے پر واپس اپنی نگاہیں دہکتے عارض پر جھکا لیں۔
اعیان سکندر نے اس کی ٹھوڑی پر اپنی انگشت شہادت رکھی اور ہلکے سے اس کا جھکا چہرہ اوپر کو اٹھایا تھا۔
''روبی میرا کل تھی، یہ سچ ہے بچپن سے وہ میری محبت میری پرچھائی رہی ہے، میں نے اس کو ٹوٹ کر چاہا ہے، اس کے پیار کا رنگ مجھ پر گہرا ہے، مگر جتنا یہ پیار سچا اور گہرا تھا رشتے کا یہ بندھن اتنا ہی کمزور ثابت ہوا، جیسے سمندر کی ایک سرسراتی بڑی سے لہر نے بکھیر کے رکھ دیا اور سب کچھ اپنے اندر ہی سمیٹ لیا، میں تو بس۔''
آج پہلی بار اویش اس کو بولتا ہوا سن رہی تھیں، اس کی متاثر کن شخصیت میں کس قدر وقار تھا، ایک کامیاب بزنس ٹائیکون ایک مکمل انسان دل کے رشتے میں کس قدر نامکمل تھا، ادھورا تھا۔
''مگر تم میرا آج اور مستقبل ہو، میرے سارے شب و روز کی ہمسفر میرے پل پل لمحہ لمحہ کی ساتھی، میرا سب کچھ تمہارا ہوگا، مگر یہ دل جس پر آج بھی روبی کی چھایا ہے اس کی یادوں کی پرچھائی ہے، اس کو وقت لگے گا، تمہارے دل تک آنے تک اور مجھے خود سے زیادہ تم پر بھروسہ اور یقین ہے کہ ہمارے اس بندھن کو تم سمجھو گی ٹائم دو گی اور اپنی محبت سے مجھے سمیٹ لو گی۔''
اعیان سکندر نے ایک بار پھر اس کی مرمریں کلائی تھام کر اس کی نازک ہتھیلی اپنی چھوڑی ہتھیلی میں قید کر لی۔
''بولو سنبھالو گی مجھے میرے اس بکھرے دل کو اور اگر کہیں میرے قدم ڈگمگا گئے۔'' اویش کے دل کا خوفزدہ ڈر زبان پر آ گیا، تبھی اس کی بات کاٹ کر بولی تھی۔
''تو میں وعدہ کرتا ہوں میں تمہارے ڈگمگانے سے پہلے تمہیں اپنی بانہوں میں سمیٹ لوں گا۔'' اس کے شوخی سے کہنے پر وہ حیا سے گلنار ہوگئی تھی اس کی چوڑی ہتھیلی میں قید اویش کی نازک ہتھیلی کسمسا کے رہ گئی۔
شرمانے کا یہ نکھرا نکھرا منظر اعیان سکندر کو بہت آسودہ کر گیا تھا۔
''وہ اعیان سکندر کی زندگی اس کے وجود کا حصہ بنے گی، اگر قسمت نے یہ لکھ ہی دیا ہے کہ وہ اعیان سکندر کے ہر خوشی و غم دکھ و سکھ کی ساتھی بنے تو وہ ضرور اپنی زندگی کو یہ موقع دے گی اور اپنے پیار کے چاہت کے رنگ میں وہ اعیان سکندر کو پور پور بھگو دے گی اس بننے والے نئے بندھن کو دل سے قبول کرے گی۔''
''اب جلدی سے ریڈی ہو جاؤ ہم روبی کی شادی میں چل رہے ہیں، میں باہر گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔'' دلکش سی مسکراہٹ کے حصار میں اس کو لئے وہ کھڑا ہو گیا۔
''جی بہتر۔'' اس کے گلابی ہونٹوں پر پرسکون سی مسکراہٹ نے گھر کر لیا تھا اور وہ مسکرا کر نئی زندگی کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار تھی۔

☆☆☆

گنگناتی آئی عید

فصیحہ آصف



''کتنی محبت کرتی ہیں بجیا مجھ سے، میں کتنا خوش قسمت ہوں۔'' بجیا نے جب اس کا ماتھا چوم کر اس کی بلائیں لیں تو حماد کے اندر سے بے ساختہ صدائیں ابھریں، آج وہ دسویں جماعت کے امتحان میں اول آیا تھا۔

''چلو اب ہاتھ منہ دھو کر آ جاؤ، آج پتہ ہے میں نے تمہاری پسند کا مینو بنایا ہے، بریانی کوفتے والی، پالک گوشت اور ٹرائفل۔''

''واہ بجیا واہ۔'' حماد جھوم کر بولا اور انہیں پیار کر کے اپنے کمرے میں آ گیا، فریش ہو کر آیا تو بجیا، راضی بھائی، ثوبیہ اور مدثر کھانے کی میز پر موجود تھے، وہ سب کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔

''واہ چھوٹے ماموں، تم نے تو کمال کر دیا آج۔'' ثوبیہ اس سے ڈیڑھ سال بڑی تھی، دونوں کی دوستی بھی خوب تھی۔

''ارے ہاں بھئی مبارک ہو۔'' رضی بھائی نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔

''اب کیا کرو گے کل سے۔'' وہ اپنے خصوص رعب دار لہجے میں نوالہ چباتے ہوئے بولے تو بجیا بھی نا سمجھی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''جی...... ابھی کچھ سوچا نہیں، بس ایف ایس سی میں داخلہ لوں گا، ڈاکٹر بنوں گا۔'' حماد نے سر جھکا کر کہا تو رضی بھیا کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ اتر آئی۔

''پتہ ہے ڈاکٹر بننے کے لئے کتنی رقم درکار ہوتی ہے؟'' ان کے لہجے میں طنز تھا۔

''جی۔'' حماد کے انداز میں بھی مایوسی تھی۔

''ٹھیک ہے فی الحال تم کل سے دکان پر آیا کرو، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔'' انہوں نے کسٹرڈ کا بھرا ہوا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا، تو حماد نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہاں ہاں تھوڑی دیر کے لئے آ جایا کرے گا، جب تک نتیجہ نہیں آتا۔'' اب کے بجیا نے اس کی مشکل کسی حد تک حل کر دی، حماد بے دلی سے تھوڑا سا میٹھا چکھ کر اٹھ گیا، منہ ہی کڑوا سا ہو گیا تھا، ثوبیہ کی سہیلی کا فون آ گیا تھا، مدثر اکیڈمی جانے کی تیاری کرنے لگا، بجیا رحمت بوا کے ساتھ کچن سمیٹنے لگیں، حماد اپنے کمرے میں آ گیا۔

آج شام کو اسے ایک جگہ جانا تھا، کمپیوٹر اور شارٹ کورسز کا پتہ کرنے، اس کے دوست عرفان نے بتایا تھا، کپڑے استری کر کے وہ بستر پر آ گیا، آرام کی غرض سے، ماضی کے کچھ اوراق ذہن کی دیواروں سے ٹکرانے لگے۔

اسے یاد تھا جب وہ آٹھ نو سال کا تھا تو ابو یتیم کر گئے، اماں جو پہلے ہی بیمار رہتی تھیں، سال بعد ہی ان کے پاس چلی گئیں، حماد سے بڑی بس بجیا تھیں جن کی شادی اماں نے سولہ سال کی عمر میں ہی کر دی تھی، وہ حماد سے دس گیارہ سال بڑی تھیں، بجیا کے بعد کئی بہن بھائی آئے مگر زندگی بس انہی دو کو ملی، بجیا کے اس وقت دو بچے تھے آٹھ سالہ مدثر اور دس سالہ ثوبیہ، یوں بجیا نے اماں کے بعد حماد کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور تین مرلہ مکان کرائے پہ چڑھا دیا، حماد اور جاتا بھی کہاں، بجیا کے گھر آ کر وہ بہت عرصے تک بے قرار رہا، نیا ماحول، نیا سکول، بہت عرصے بعد کہیں جا کر سیٹ ہوا۔

رضوان بھیا خاصے غصے والے رعب دار انسان تھے، حماد سہما سہما سا رہتا، رضی بھیا کی بڑے بازار میں بڑی ساری کپڑوں کی دکان تھی، خوب چلتی تھی، گھر میں کوئی تنگی نہ تھی، کرایہ آتا رہتا، سو حماد کی اچھی گزر بسر ہونے لگی بجیا اس کا خیال رکھتیں، یوں زندگی ایک ڈھب پر چل نکلی۔

ثوبیہ اس سے سال ڈیڑھ ہی بڑی تھی، حماد کے ساتھ اس کی خوب بنتی، مگر اپنے سے چند ماہ

چھوٹے مدثر سے نہ بنی، کیونکہ وہ ایک ضدی اور اکھڑ مزاج، وقت گزرتا رہا، تعلیمی مدارج طے کرتے وہ بچپنے کی حدود سے نکل کر نوجوانی کی سرحد پر قدم رکھ چکے، بڑا ہونے پر مدثر کے مزاج میں اور سختی اور رعونت بڑھ گئی تھی، جبکہ حماد وہی مرنجاں رنج اور خاموش طبع انسان تھا، مدثر کے پاس بائیک تھی، جبکہ حماد ابھی تک سائیکل لئے گھومتا تھا۔

اس نے دبے دبے انداز میں بجیا سے کہا بھی مگر ہنوز ''دہلی دور است'' والا معاملہ تھا، مدثر اسے اپنی بائیک نہ دیتا تھا، دے بھی دیتا تو سو سو باتیں سناتا، حماد دل مسوس کر رہ جاتا، اسے اچھے وقت کا انتظار تھا، خود سے امیدیں بھی وابستہ تھیں۔

ثوبیہ بی اے میں تھی، اس کی بات اپنی پھپھو کے بیٹے فیاض سے طے تھی اور امتحانات کے بعد اس کی شادی متوقع تھی، کیونکہ اس کی پھپھو بیمار رہتی تھیں، سو انہوں نے جلد شادی کا کہہ رکھا تھا۔

ایف اے میں ایسے نمبروں کے بعد اس کے سیکنڈ ہینڈ بائیک دلا دی گئی، اس کے برعکس مدثر پڑھائی میں صفر ہی رہا، دو بار ایف اے میں سپلی آنے کے بعد کہیں جا کر بی اے میں داخلہ ملا۔

اس دوران حماد مختلف کورس کرتا رہا، دکان پر بھی جاتا، کرایہ آ رہا تھا جو حماد کی تعلیم پر خرچ ہو رہا تھا، وقت گزر رہا تھا، کہ اسی دوران ثوبیہ کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا۔

☆☆☆

''جاؤ ناں، دیر ہو رہی ہے لے آؤ یہ سامان۔'' بجیا کب سے مدثر کے سر ہو رہی تھیں، مگر وہ اپنے نئے موبائل میں مصروف تھا، ماں کی بات سنی ان سنی کرتا۔

''کیا ہے، حماد کو بھیج دیں، بیٹھا ہو گا اپنے کمرے میں۔'' مدثر نے تلخی سے اکھڑ پن سے جواب دیا۔

''وہ صبح مارکیٹ گیا تھا، اب ذرا لیٹا ہے، تم جاؤ پھپھو آنے والی ہیں تمہاری، بیکری کون سی دور ہے۔'' وہ اسے رقم تھماتے ہوئے بولیں۔

''ہاں ہاں کرلیں زیادہ لاڈ اسی سے۔'' مدثر نے بدتمیزی کی حد کر دی، بجیا کو اس کے لہجے اور انداز پر سخت غصہ آیا، مگر کیا کرتیں، مدثر تن فن کرتا بائیک اڑاتا باہر نکل گیا۔

پھر وہ اکثر و بیشتر حماد کو نشانہ بنانے لگا جیسے وہ زر خرید غلام ہو، اس کی پڑھائی متاثر ہوتی رہتی، ضروری ٹیسٹ کے دوران ثوبیہ کی شادی آ گئی، بازاروں کے چکر، باہر کے سامان، مدثر تو جیسے کسی کی سنتا ہی نہ تھا، ہر جو چیز حماد لے کر آتا بجیا کو تسلی ہو جاتی۔

مدثر ایم بی اے کر رہا تھا، مگر رجحان پڑھائی کی طرف ہٹتا گیا، فضول دوستوں کی محبت نے، ماں باپ کے پیار، بے جا فرمائشوں کے انبار میں دبتا گیا، جو اس کے بگاڑ کا سبب بننے لگیں، اب تو بات بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔

ثوبیہ کی شادی پر حماد نے ماموں سے زیادہ بھائی بن کر کام کیا، اسے ثوبیہ سے پیار بھی بہت تھا اور مدثر فطرتاً ست الوجود انسان تھا، اب تو رضی بھائی کی ڈانٹ کا اس پر اثر نہ ہوتا تھا، وہ اس قدر خودسر ہو گیا تھا کہ رضی کو بھی اس کی فکر ہونے لگی تھی۔

''آپ اسے اپنے ساتھ دکان پر لے جایا کریں، پڑھائی سے تو یہ گیا۔'' بجیا کی آواز میں آزردگی محسوس کر کے رضی سوچ میں پڑ گئے۔

دو سمسٹر میں فیل ہو چکا تھا اور آگے بھی کوئی

روشن مستقبل نہ تھا، باپ کے کہنے پر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔

''میں نوکری کروں گا، مجھ سے نہیں اٹھایا جاتا یہ گز اور ناپ تول، یہ میرا کام نہیں۔'' رضی اسے دیکھ کر رہ گئے۔

خوبرو، اونچا لمبا، مگر ضدی اور کسی حد تک تمیز کا دامن چھوڑتا لہجہ، تب ان کو لگا کہ پانی سر سے کافی اونچا ہو چکا ہے، ان کا فشار خون بلند ہونے لگا۔

''حماد کو لے جایا کریں، اسے سوٹ کرتی ہے یہ دکان۔'' اس کا لہجہ طنزیہ تھا، بجیا کا لہو کھول اٹھا۔

''وہ تم سے لاکھ درجے پڑھائی میں بہتر ہے، محنت کرتا ہے، شاندار نتیجہ لاتا ہے۔'' رضی دونوں کی گفتگو سن رہے تھے یکدم غصے سے کھڑے ہو کر بولے۔

''کل سے تم نے دکان پر آنا ہے، میری طبیعت ٹھیک نہیں اب خراب رہتی ہے، نوکری تمہیں ملنی نہیں، جو کہنا تھا میں نے کہہ دیا بس۔'' رضی کا دوٹوک انداز بجیا کے ساتھ ساتھ مدثر کو بھی حیران کر گیا، وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

☆☆☆

ثوبیہ دو جڑواں بیٹوں کی ماں بن گئی تھی، گھرانے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، حماد کو ایم ایس سی اکنامکس میں آسانی سے داخلہ مل گیا۔

مدثر چارو ناچار دکان پر بیٹھنے لگا، کچھ عرصے میں دل لگ گیا، لگانا ہی تھا، رضی کے طمطراق اور رعب میں دھیما پن آ گیا، وہ خاصے بیمار بھی رہنے لگے تھے، اب تو بجیا بھی خاصی چڑ چڑی رہنے لگی تھیں، جوڑوں کے درد نے بے حال کر رکھا تھا۔

''میں مدثر کی شادی کر دیتی ہوں۔'' رات انہوں نے رضی سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہاں دیکھو کوئی اچھا گھر۔''

مگر اس کی نوبت نہ آئی، مدثر نے اپنی پسند ان کے سامنے رکھ دی، دوست کی بہن راضیہ، بجیا رو دینے کو تھیں۔

''آپ جا کر تو دیکھیں، مجھے راضیہ پسند ہے، اسی سے شادی کروں گا بس۔'' اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا، بجیا کا دل بجھ کر رہ گیا۔

''ہاں امی جا کر دیکھتے ہیں، کون سا پہلی بار جانے پر رشتہ طے ہو جائے گا۔'' ثوبیہ نے ڈھارس بندھائی۔

یوں چند دن بعد دونوں ماں بیٹی ان کے گھر چل دیں، متوسط طبقہ مگر انتہائی ماڈرن لوگ، ایف اے کیا تھا راضیہ، درمیانی صورت مگر خوب گوری رنگت، یہیں پر مدثر کا دل پھسل گیا تھا، اپنی اداؤں سے وہ اسے گھیر ہو چکی تھی۔

چارو ناچار رشتہ طے کرنا پڑا، اولاد کے آگے مجبور ہوتی ماں اور کر بھی کیا سکتی تھی، مدثر سے اچھے کی توقع عبث تھی۔

☆☆☆

مدثر کی شادی ہو گئی، خوب ہلا گلا رہا، چند ماہ گزرے، حماد کا ایم ایس سی مکمل ہو گیا اور دو ماہ بعد ہی اسے ایک بہت اچھی ملٹی نیشنل کمپنی میں نوکری مل گئی، مدثر کا خون کھول سا اٹھا، سبھی اس کی قابلیت کے معترف تھے، راضیہ نے کچھ عرصے بعد ہی پر پرزے نکالنے شروع کر دیے، سارا دن کمرے میں بند رہتی، مدثر کے آنے پر تیار ہو کر بیٹھ جاتی، تب دونوں سیر سپاٹے کو نکل جاتے، بجیا نے سمجھایا تو الٹا مدثر ان کے گلے پڑ گیا۔

''امی ہماری نئی نئی شادی ہوئی ہے، پھر گھ

میں ملازم کس لئے ہیں۔'' مدثر کے اکھڑ لہجے پر تیار ہوئی راضیہ کے چہرے پر شوہر کی سپورٹ سے تحفظ آمیز سکون ابھر آیا۔

بجیا نے حیرانی سے دونوں کو جاتا دیکھا، لگتا تھا یہاں وہ بازی ہار گئی ہیں، اب ان کا دماغ تیزی سے کچھ اور سوچ رہا تھا، اسی سلسلے میں انہوں نے تگ و دو شروع کر دی اور اپنی سہیلیوں کے سامنے مسئلہ رکھ دیا۔

ان کی سہیلی شگفتہ نے گویا چٹکیوں میں ان کا مسئلہ حل کر دیا۔

''بہت اچھی لڑکی ہے، جاننے والے ہیں میرے، گھریلو کام کاج میں طاق ہے، بی اے تک پڑھی ہے، سیدھی سادھی ہے، بھابھی اور تقدیر کے وار سہہ سہہ کر کندن بن چکی ہے۔''

شگفتہ کے طویل بیان پر بجیا کے دل کی کلی کھل گئی، وہ ایسی ہی لڑکی کی تلاش چاہتی تھیں، یہ ان کی خوش بختی کہ بیٹھے بٹھائے نیا جوتے گھسائے مسئلہ حل ہوتا نظر آ رہا تھا، ثوبیہ کو کال ملائی تو اس نے بھی خوب کہا۔

''امی ماموں سے پوچھ تو لیں، وہ کیسی لڑکی پسند کرتے ہیں؟''

''واہ، بیٹا خوب کہی تم نے، میں نے اسے پالا پوسا، میرا اتنا بھی حق نہیں کہ اپنی پسند کی بھابھی لا سکوں، تم اپنے مشورے رکھو اپنے پاس، بات پکی ہونے سے پہلے بتا دوں گی اسے۔''

''تم پرسوں آنے کی تیاری کرو۔'' بجیا اپنے ازلی رعب سے اسے قائل کرنے کے بعد اگلا لائحہ عمل ترتیب دینے لگیں۔

☆☆☆

تنگ گلیوں والا محلہ تھا، گھر نسبتاً اچھے تھے، شگفتہ بھی ان کے ہمراہ تھی، جب وہ ٹیکسی سے اتریں تو بجیا نے اردگرد کا جائزہ لیا۔

شگفتہ ان کو اطلاع دے چکی تھی، سو گھر صاف ستھرا، یہ الگ بات کہ اس صفائی، ستھرائی میں سو فیصد ہاتھ ناظمہ کا تھا، ورنہ بچے جس طرح گند اور پھیلاو پھیلائے رکھتے تھے، ناظمہ کی بھابھی الٹا اسی کو ڈانٹتی تھی، ناظمہ کی بھابھی زاہدہ خاصے تپاک سے ملیں، دیکھنے میں ہی خاصی تیز و طرار خاتون لگتی تھیں، بجیا تو لمحوں میں بندے کو پہچان جاتی تھیں، جب ناظمہ خورد و نوش کا سامان لئے ان کے سامنے آئی تو مانو بجیا کے من کی مراد پوری ہو گئی، لمبی جھکی جھکی پلکوں والی صاف رنگت، قدرے دبو سی لڑکی، سادگی کا مرقع، وہ سلام کر کے ان کے سامنے خاموش بیٹھ گئی، شگفتہ ہی زاہدہ سے مختلف باتیں کر رہی تھیں۔

حسین سی آواز میں ناظمہ بھی ان کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی، پچھلے سال اس نے بی اے کیا تھا، گھریلو کاموں میں اس کا کوئی ثانی نہیں، اس نے جو رول اور کباب چائے کے ساتھ بنائے تھے، بجیا کے منہ میں ایسا ذائقہ گھلا کہ تعریف کئے بنا نہ رہ سکیں۔

بجیا نے اپنے تئیں رشتہ پکا کر دیا تھا، ثوبیہ بھی بظاہر مطمئن تھی، اگرچہ وہ لوگ ان کے مقابلے میں خاصے کمتر تھے مالی لحاظ سے، مگر بجیا کا کیا کہیں؟ انہیں تو ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی، یہ ان کی سوچ تھی کہ دبنے والی لڑکیاں ہی گھر سنوارتی ہیں ان کے سامنے راضیہ کی مثال تھی۔

تھوڑی دیر بعد زاہدہ نے ناظمہ کو جانے کا اشارہ کیا وہ سلام کر کے پلٹ گئی۔

''اب ہمیں اجازت دیں۔'' بجیا نے کہا اور پرس سنبھالنے لگیں۔

''ہاں بھئی زاہدہ میں جلد تم سے رابطہ کروں گی۔'' شگفتہ جاتے جاتے زاہدہ کو کہہ گئی اور تینوں ٹیکسی میں آ بیٹھیں۔

شگفتہ کو پورا یقین تھا کہ بجیا ہاں ہی کہیں گی، اسے امید نظر آ رہی تھی۔

''میں کل تمہیں فون کروں گی۔'' شگفتہ نے بجیا کو تسلی دی اور اپنے گھر لوٹ آئے۔

''امی، ماموں سے ضرور بات کریں گے آج۔'' ثوبیہ کو جانے کیا خدشات تھے۔

''ہاں ہاں تم بھی تو یہیں ہو، کر لیں گے بات۔'' بجیا جھوم کر بولیں، پتہ نہیں ان کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔

☆☆☆

رات کھانے کے بعد مدثر اور راضیہ بچی کو لئے آئس کریم کھانے چلا دیئے، رضی اپنے کمرے میں خبروں سے نبرد آزما تھے، تب بجیا اور ثوبیہ نے حماد کے کمرے کا رخ کیا۔

''ماموں جی تیار ہو جائیں، شادی ہو رہی ہے آپ کی؟'' ثوبیہ مسکرا کر بولی، دونوں بچوں کو سلا کر اب وہ اطمینان سے بیٹھی تھی، حماد اس کی بات پر قدرے اچھلا۔

''ہاں تو کیا شادی نہیں کرنی میرے لاڈلے نے۔'' بجیا کا لہجہ محبتوں سے پر تھا، حماد شرما کر سر جھکا کر رہ گیا۔

''ہم تو آج اپنی ہونے والی ممانی کو بھی دیکھ آئے ہیں۔'' ثوبیہ مسلسل شرارتی انداز لئے ہوئے تھی۔

''ہاں بھئی لڑکی بہت اچھی ہے ناظمہ نام ہے، بی اے تک پڑھی ہے، اچھے خاندان کی ہے، تم کہو تو تصویر منگوا لوں۔'' بجیا نے اسے چھیڑا۔

''نہ...... نہ...... نہیں...... نہیں، بجیا اس کی ضرورت نہیں، آپ نے میرے لئے اچھا ہی سوچا ہو گا۔'' حماد کا احسان مند لہجہ بجیا کو سکون دے گیا۔

''بس تم فکر نہ کرو، دو ماہ کے اندر ہی میں ناظمہ کو بھابھی بنا کر لے آؤں گی، ہاں تم کچھ رقم دے دینا، بری تو بنانی ہو گی۔'' بجیا سارے معاملات طے کرنے لگیں۔

''جی...... بجیا۔'' حماد سعادت مندی سے بولا۔

''ممانی کو پا کر ہمیں نہ بھول جایئے گا؟'' ثوبیہ شریر لہجے میں بولتی مسکراتی ماں کے ساتھ باہر چلی گئی۔

حماد کے اندر جیسے جشن کا سماں برپا تھا، تنہائی کا ہمراز، ایک ساتھی، دکھ سکھ کا ہمراہی، محبت کرنے والا، بات چیت کرنے والا، حماد کے اندر تک خوشیوں کے موسم بکھرنے لگے تھے، انہی خوش کن خوابوں کے سفر پر وہ ان دیکھی دلہن کے ہمراہ محوسفر تھا۔

☆☆☆

دو ماہ کے اندر ہی ناظمہ دلہن بن کر آ گئی، بجیا نے اچھی بری بنائی تھی، ناظمہ کے بھائی نے ضرورت کے مطابق مناسب جہیز دیا۔

حماد کا سونا کمرہ آباد ہو گیا، دلہن بنی ناظمہ، حماد کو بہت پسند آئی، وہ دل ہی دل میں بجیا کا معترف ہوا اور ناظمہ بھی خوبرو حماد کو پا کر فرحاں و شاداں تھی، بھابھی کی جھڑکیاں، طعنے اور ہر وقت کی کل کل کے بعد اسے یوں لگا جیسے وہ صحرا سے نخلستان میں آ گئی ہو، حماد کی مضبوط بانہوں میں آ کر دکھ ہوا بن کر اڑتے محسوس ہوئے۔

بجیا حکمت عملی سے کام لے رہی تھیں، راضیہ کے وہی معمولات تھے، کبھی کبھار موڈ ہوتا تو مدثر کو ناشتہ بنا کے دے دیتی، ورنہ بجیا ہی اس ذمہ داری کو نبھاتی آ رہی تھیں، راضیہ کو کچھ کہنا فضول تھا، مدثر ڈھال بن کر سامنے آ جاتا اپنی چیز خراب ہو تو پرائی سے کیا گلہ کرتیں۔

پھر جب سے اس کا پاؤں بھاری ہوا تھا،

مدثر نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا تھا، رضی سارے معاملات سے دور رہتے تھے، سو بجیا ہی سیاہ و سفید کی مالک ٹھہریں۔

☆☆☆

شادی کے ابتدائی دن دلہناپے کی نذر ہو رہے تھے، حماد نے اسے پورا شہر گھما ڈالا، ناظمہ اک نئی دنیا سے روشناس ہو رہی تھی، ورنہ وہی گھر کی چار دیواری کام اور کام میں کیڑے نکالنے والی بھابھی، بھائی منہ پہ تالا لگائے رکھتے، ناظمہ بس آنکھوں میں آنسو بھر کے دیکھتی رہ جاتی، اب حماد کی قربت میں نکھر رہی تھی، زندگی کو صحیح طور پر لطف کے ساتھ محسوس کر رہی تھی، خود حماد بھی اس کی دھیمی طبیعت اور مسکراہٹ پر فدا تھا۔

اس دن وہ حماد کے جانے کے بعد باہر آئی تو بجیا باورچی خانے میں تھیں، آملیٹ پلٹتی بجیا اس کے سلام کرنے پر چونکیں، مدثر اور حماد کو ناشتہ دے کر روانہ کرنے کے بعد اب وہ اپنے اور رضی کے لئے ناشتہ بنا رہی تھیں۔

''وعلیکم السلام، جیتی رہو، آؤ تم بھی ناشتہ کر لو، پھر میں راضیہ کو بنا کر دوں۔'' ان کی آواز پر ناظمہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''نہ......نہ......نہیں بجیا، میں خود بنا لوں گی، اتنے دنوں سے تو آپ بنا کر کھلا رہی تھیں۔'' وہ ملائمت بھری شرمندگی سے بولی تو بجیا مسکرا دیں۔

''تم دلہن ہو، نئی نئی۔'' وہ اب پراٹھا توے پر ڈال رہی تھیں۔

''دلہن کے لئے کام کرنا منع ہے کیا؟'' وہ کہتے ہوئے ٹرے میں برتن رکھنے لگی۔

''بجیا کل سے میں خود حماد کے لئے ناشتہ بناؤں گی، مجھے اچھے نہیں لگتا۔'' ناظمہ سچ مچ دل میں شرمساری محسوس کر رہی تھیں، کیونکہ یہ اس کی فطرت تھی، وہ گھر گھرہستی کی عادی تھی، فطرتاً نرم خو اور صلح جو تھی کام کرنے میں اسے لطف آتا تھا پھر بجیا بزرگ اور بیمار تھیں، وہ کب گوارا کرتی۔

''ٹھیک ہے آج میں حماد سے بات کروں گی، ابھی تو تم ناشتہ کرو ناں۔'' بجیا اپنی پلاننگ پر جی جان سے خوش تھیں۔

پھر ناظمہ سارا دن ان کے ساتھ مختلف کام کرواتی رہی، سبزی بنا کر دی، برتن اٹھائے، ماسی کے ساتھ صفائی کروائی، بجیا کو اس کا نفاست بھرا کام پسند آیا، سلیقہ بھی خوب پایا تھا اس نے۔

ناظمہ کچھ دیر راضیہ کے پاس جا کر بیٹھی، جو خوب نخریلی تھی، باہر نکلنا تو اس کے لئے گویا جرم تھا، پھر آ کر اس نے ماسی کو حماد کے میلے کپڑے دیئے، یوں دوپہر تک کھانا تیار ہو گیا، کھا کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی کہ حماد کی کال آ گئی، وہ اپنی بے تابیوں اور بے قراریوں کے قصے سنانے لگا، ناظمہ مدھر مسکراہٹ لئے مسکراتی رہی، قسمت کی خوش بختی پر جتنا شکر ادا کرتی کم تھا، حماد نے اسے سی گرین کامدار سوٹ پہننے کی فرمائش کی۔

''جو حکم سرکار کا۔'' ناظمہ خوشدلی سے مسکرا کر بولی تو آئی لو یو، آئی لو یو تو کہہ کر حماد نے کال بند کر دی، ناظمہ پلکیں موندے حماد کے بارے میں دلربائی سے سوچ گئی۔

☆☆☆

بجیا سوچ سمجھ کر، پھونک پھونک کر ہر فیصلہ کرنے کی قدرت رکھتی تھیں، سو اگلے دو دن بعد میٹھا پکوا کر ناظمہ کو باقاعدہ کام پر لگا دیا اور خود بھی ساتھ ہدایات دیئے جائیں، ناظمہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا اس دن اس نے بریانی پکائی تو پورا گھر اشتہا انگیز خوشبو سے مہک اٹھا، سبھی اس کی تعریف کرتے رہے بجیا جیسا چاہتی تھیں ویسا ہو رہا تھا۔

پھر آنے والے دنوں میں ناظمہ مکمل طور پر کاموں کی ہو کر رہ گئی، گو یا ماسی بھی آئی تھی، مگر اسے تو جیسے فرصت ہی نہ ملتی تھی، بجیا آہستہ آہستہ کنارہ کش ہونے لگیں، اس روٹین کو ایک ماہ ہو گیا۔

اس رات بھی ناظمہ کی تھکن سے بری حالت تھی، کل اور آج کی دعوت نے اسے خوب تھکا ڈالا تھا، اس پہ ستم ماسی کو چھٹی کرنی پڑ گئی، کسی مسئلے کی بنا پر، سارا بوجھ ناظمہ پر آن پڑا، حماد نے اس کی اتری صورت دیکھی تو تلخی سے بول اٹھا۔

''میرا وقت تم تھکن کی نذر کرنے لگی ہو۔''
اس کی آواز میں شکوہ پنہاں تھا۔

''نہیں...... نہیں تو۔'' وہ ہکلائی۔

''کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔'' وہ سر جھکا کر مجرمانہ انداز میں بولی۔

''پہلے بھی تو گھر چلتا تھا تمہارے بناء۔'' وہ تپ کر بولا۔

''اس کا میں کیا جواب دوں۔'' وہ بند ہوتی آنکھوں سے بولی اور نیند کی وادیوں میں اتر گئی، حماد نے اک سرد آہ بھری اور بجلی بند کر کے کروٹ بدل لی۔

☆☆☆

راضیہ اور مدثر کو اللہ نے بیٹی عطا کی، سیزرین سے ہونے والی بچی راضیہ کے لئے مکمل آرام کا پیغام لائی۔

بجیا ہسپتال میں تھیں، ناظمہ ہی پورے گھر کا انتظام و انصرام سنبھالے ہوئے تھی، بجیا بے فکر تھیں، تین دن بعد گھر آئے تو کاموں کا بوجھ اور بڑھ گیا، مہمانوں کی آمد کا سلسلہ الگ جاری تھا، بجیا نے خواہش کے مطابق راضیہ کو اپنے پاس رکھا، پہلا بچہ تھا، مدثر کی بھی یہی آرزو تھی۔

یوں ناظمہ گھن چکر بن کے رہ گئی، مگر اپنے کاموں سے کوتاہی نہ برتی، وقت پر سب کو کھانا، کپڑے، چائے، لوازمات، سب تیار ملتے، ان سب کے برعکس حماد کا مزاج سخت ناراضگی لئے ہوئے تھا، ٹھیک نہ رہتا، تب ناظمہ کو درست کرنے کے لئے سوجتن کرنے پڑتے۔

ماسی اب اکثر و بیشتر غائب رہنے لگی تھی، پندرہ دن اور گزرے، رات حماد نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر حکم دیا۔

''تم دو چار دن کے لئے بھائی کے گھر رہ آؤ، آرام بھی ہو جائے گا۔'' وہ اس کی تھکی تھکی حالت کے پیش نظر بولا۔

''مگر...... بجیا...... کام سب مشکل ہو جائے گا ناں۔'' وہ جیسے شپٹائی، مگر اسے حماد پر ٹوٹ کر پیار بھی آیا کہ کتنا خیال رکھتا ہے اس کا۔

''کل صبح میں آفس جاتے ہوئے تمہیں چھوڑتا جاؤں گا، بیگ تیار کر لو، میں بجیا کو بتا کر ابھی آیا۔'' حماد نے اس کے گال کو نرمی سے چھو کر کہا اور باہر نکل گیا۔

راضیہ نے اپنی دولت، امارت اور نخروں کے سبب ایک دن بھی باورچی خانے میں نہ جھانکا تھا، حماد بچہ نہ تھا، دیکھ رہا تھا کہ ناظمہ کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے اور وہ ایسا کبھی نہیں چاہے گا۔

''ارے کیا ہوا؟'' بجیا حماد کی بات پر حقیقتاً بوکھلا کر بولی تھیں، کاموں کی طویل فہرست ان کے سامنے ناچنے لگی، وہ گھبرا سی گئی تھیں۔

''اس کے بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کافی عرصے سے گئی بھی نہیں۔'' حماد کے دوٹوک انداز پر بجیا کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' وہ خلاف توقع نرم لہجہ اختیار کر کے بولی۔

''ٹھیک ہے میں صبح اسے چھوڑتا ہوا جاؤں گا۔'' حماد نے کہا اور بجیا کو پریشان چھوڑ کر

کمرے میں آ گیا، اس نے بجیا کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ لئے تھے۔

''گھنی میسنی، مجھے بتایا تک نہیں کہ جانا ہے، شوہر کو ڈھال بنا کر بھیج دیا۔'' بجیا رضوان کے آگے بری طرح پھٹ پڑیں۔

''کیا ہوا پھر، اس کا میکہ ہے کیا نہ جائے؟'' رضوان کے سوال پر بجیا لاجواب ہو گئیں اور کچھ نہ سوجھا تو ثوبیہ کو کال لگا کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں، جہاں ثوبیہ نے بجائے مرہم رکھنے کے ان کے زخموں پر نمک پاشی شروع کر دی۔

''کہ اسے جانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے غصے سے فون بند کر دیا۔

بجیا کو گزرے یہ پانچ ماہ یاد آتے رہے، راضیہ اپنی بچی کو سنبھالتی، بچی کے کپڑے تک ماسی سے دھلواتی، ناظمہ اگلے دن صبح صبح اپنا اور حماد کا ناشتہ بنا کھلا کر ان کو سلام کر کے حماد کے ساتھ چلی گئی، بجیا کو مسکراتی ناظمہ زہر سے بھی بری لگی، مگر اپنا رویہ نرم رکھنے میں ہی بہتری نظر آئی۔

اس کے جانے کے بعد وہ خاصی مصیبت میں آ گئی تھیں، حماد سے بھی نہ کہہ سکتی تھیں کہ دو دن بعد ہی ناظمہ کو لے آئے۔

چار دن گزر گئے، اب بجیا میں اتنی ہمت اور سکت نہ تھی کہ سب کرتیں، ثوبیہ آ گئی، مارے باندھے کچھ کر لیتی، اس کے اپنے دو شریر بچے تھے، اماں بیٹیاں میکے میں آرام کرنے آتی ہیں، یہ ثوبیہ کا مقولہ تھا جس پر وہ پوری طرح عمل پیرا تھی۔

ادھر حماد کے بنا ناظمہ بہت اداس تھی، اس کے کھانے پینے کا خیال آتا، تو اس کے ہفتہ بھر کے کپڑے اس نے تیار کر رکھے تھے، مگر دل عجیب انداز میں بے قرار تھا، بھابھی خیال رکھتی، اب کوئی کام نہ کرنے دیتی تھیں، بھائی الگ مزے مزے کی چیزیں لاتے، بچے بھی کھیل کود میں اسے ساتھ رکھتے، حماد شام کو چکر لگا لیتا، چائے پی کر جاتا۔

حماد نوٹ کر رہا تھا کہ گھر کا نظام کافی حد تک درہم برہم ہو رہا ہے، ناظمہ نے جس سلیقے سے چند ماہ میں ہی سب کچھ سنبھال لیا تھا، وہ اس کا خاصا تھا، کتنی خوبیوں کی مالک ہے ناظمہ۔

رات کو حماد کو اب بے چینی ہونے لگی تھی، سو وہ اگلے دن پورے ایک ہفتے بعد اسے لینے آ گیا، ناظمہ کے دل کی کلی کھل گئی۔

مزیدار کھانا کھا کر وہ اسے ساتھ لئے آئس کریم پارلر پر آ گیا اور محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتا رہا، ناظمہ شرمیلی مسکان سے مسکراتی رہی۔

اگلے دن پھر وہی کام دھندے، مگر بجیا کا انداز کھنچاؤ لئے ہوئے تھا۔

راضیہ اپنی بیٹی میں گم، اسے پکا پکایا مل رہا تھا اور ناظمہ اپنے کارہائے منصفی انجام دینے میں گم تھی، اتنی گم ہو جاتی کہ اپنی ذات کو بھی بھلا بیٹھتی، حماد اس کی روٹین سے چڑچڑا ہو رہا تھا۔

ناظمہ کی ہمت بسا اوقات جواب دینے لگتی، اسے یاد تھا ذرا بڑی ہوئی تو اماں ابا کے گزر جانے کے بعد بھائی اس کے لئے بہت جلد بھابھی لے آئے جس نے کچھ ہی عرصے کے بعد پورے گھر کی ذمہ داری ناظمہ پر ڈال دی اور خود حکم چلاتی رہتی، یہاں اسے آئے کئی ماہ ہو گئے تھے، یہاں میکے سے بھی بڑھ کر حالات درگوں تھے، اسے بجیا کی ناانصافی پر غصہ بھی آتا مگر کس سے کہتی؟

چھٹی کے دن خاص طور پر بجیا ایسا مینو ترتیب دیتی کہ اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہ

ملتی، آج بھی چھٹی کا ہی دن تھا، جب صبح وہ بستر سے اترنے لگی تو حماد نے اسے بازوؤں میں لے کر راہیں محدود کر دیں فرار کی۔

''کیا ہے؟ جانے دیں ناں؟ ناشتے کو دیر ہو جائے گی۔'' وہ اس کے سینے میں سر چھپا کر دھیمے انداز میں بولی۔

''ہو جانے دو، آج چھٹی ہے۔'' حماد پر خمار سا سوار تھا۔

ناظمہ اس کے بازوؤں کا گھیرا توڑنے لگی تو حماد کو سخت طیش آیا۔

''جاؤ...... ہاں جاؤ، تمہیں تو بس کاموں کی فکر ہے، میں کون ہوں؟ کیا چاہتا ہوں، کیا پروا تمہیں، جاؤ اور مت آنا کمرے میں۔'' وہ غضبناک ہو کر اسے دیکھتا اور دھکیل کر کروٹ بدل کر منہ پھلا کر آنکھیں بند کرنے لگا، ناظمہ سخت پریشان ہوئی۔

''پلیز حماد سمجھا کریں ناں۔'' وہ بالوں کو سمیٹتے ہوئے منمنائی۔

''جاؤ۔'' وہ دھاڑا تو ناظمہ کو ایسا لگا جیسے کسی لق و دق صحرا میں پھینکی گئی ہو، آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں، وہ آہستگی سے چلتی ہوئی واش روم میں آ گئی، پانی اور آنسوؤں کا کھیل کچھ دیر چلتا رہا، باہر آئی تو حماد اسی پوزیشن میں تھا، وہ معمول سے بیس منٹ لیٹ ہو گئی تھی، کریم اور ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر اپنے تئیں خوشگواریت پیدا کرتی مدھم مسکراہٹ تپتے کلیجے پر رکھ کر باہر آ گئی، لاؤنج میں بجیا ٹی وی کا ریموٹ سنبھالے اس کی منتظر تھیں۔

ناظمہ نے سلام کیا تو انہوں نے جواب میں گھڑی کی طرف دیکھا، ناظمہ بچی نہ تھی، خاموشی سے باورچی خانے کی سمت چل دی۔

بجیا کو ناشتہ دے کر وہ اپنا اور حماد کا ناشتہ بنا کر کمرے میں آئی تو حماد اوندھا لیٹا تھا، وہ اس کے قریب آ کر کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی۔

''اٹھیں حماد، ناشتہ کر لیں۔'' وہ اسے کب ناراض دیکھ سکتی تھی۔

''لے جاؤ، نہیں کھانا مجھے۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑا، اس کا یہ انداز پہلی بار ناظمہ کے سامنے آیا تھا، سو بے بسی کی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی، اسے منانے کا ارادہ ترک کر کے وہ دو سلائس اور چائے پی کر باہر آ گئی۔

آج بجیا نے واشنگ مشین لگوائی تھی، ماسی حسب معمول اپنی من مانیاں کر رہی تھی ناظمہ اسے سمجھا کر ہدایات دے کر دوپہر کے کھانے کے لئے بھاگ دوڑ کرنے لگی، بریانی، رائتہ، کوفتے اور میٹھے میں کھیر۔

بجیا جان بوجھ کر ایسا کرتی تھیں، ناظمہ سرد آہ بھر کر کاموں میں جت گئی، وقفے وقفے سے اسے حماد کا خیال آتا رہا، مگر لمحہ بھر کو بھی کمرے میں نہ جا سکی، ماسی کپڑے دھو کر آئی تو پھر برتن دھونے لگی، ناظمہ کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگی، راضیہ آج صبح میکے جا چکی تھی، شام تک اس کی واپسی تھی، اندر لیٹا حماد عجیب سوچوں میں گرفتار تھا۔

ناظمہ کب جان بوجھ کر ایسا کرتی تھی، اس پر کاموں کا بوجھ ہی اتنا تھا، کیسے اسے وقت دیتی، بلکہ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ بجیا سے کسی حد تک خوفزدہ تھی، ناشتہ جوں کا توں ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

وہ اٹھ کر پچھلے صحن کی کھڑکی کھول کر یونہی دیکھنے لگا، کچن سے خوشبوئیں آ رہی تھیں، باہر تاروں پر دھلے کپڑوں کی قطاریں تھیں اور ناظمہ ان سب کاموں سے نبرد آزما تھی، راضیہ کے

عیش، بجیا کی حکمرانی، ان سب کے بیچ ناظمہ پس رہی تھی۔

''وہ میری بیوی ہے، انسان ہے، تھک جاتی ہے، بجیا کیوں ایسا کر رہی ہیں، کیا میں بھی منصف نہ بنوں؟ آنکھیں بند کر کے سب غلط ہوتا دیکھتا رہوں۔'' وہ الجھ رہا تھا، اسے ناظمہ پر ترس آنے لگا تھا، بے زبان بنی سب کو خوش کر رہی تھی، بجیا کے بات کرنے کا انداز بھی ناظمہ کے ساتھ ٹھیک نہ تھا، ذرا سی بات پر وہ اسے جھڑک کر رکھ دیتیں، ناظمہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ جاتی، شکایت کرنا اس کی سرشت میں نہ تھا، پھر معمولی باتوں کو حماد کے گوش گزار کر کے فساد کھڑا کرنے کا کیا مقصد تھا۔

حماد کے اندر قوت برداشت کم ہو رہی تھی اور ناظمہ کیونکر برداشت کر رہی تھی؟ شوہر تو بیوی کا مان ہوتے ہیں، سہارا ہوتے ہیں، آسرا دیتے ہیں، حماد بہت کچھ سوچ کر سر پر ہاتھ پھیرتا فریش ہونے واش روم میں آ گیا۔

☆☆☆

ناظمہ نے اسے آخر کار منا لیا تھا، حماد خود بھی زیادہ طول دینے کے خلاف تھا، تبھی رات کو وہ پژمردہ سی ناظمہ کو گھمانے کے ارادے سے باہر لے جانے لگا، اس نے واضح محسوس کیا جب وہ جانے کے لئے نکلنے لگے تو بجیا کے ماتھے پر ناگواری سی ابھر آئی تھی۔

''روٹیاں بنا لی ہیں؟'' وہ براہ راست درشتی سے تیار شدہ ناظمہ کو تپتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

''راضیہ سے کہیے گا وہ آ کر بنا لے گی۔'' ناظمہ کے جواب دینے سے پہلے ہی حماد بول اٹھا اور اسے ساتھ لے کر باہر آ گیا، اسے سخت تاؤ آ رہا تھا، بجیا کا رویہ ناظمہ کے ساتھ حاکمانہ تھا، جیسے وہ مالک ہوں اور ناظمہ ملازمہ۔

''مجھے کام تو پورا کرنے دیتے۔'' ناظمہ خوفزدہ سی بولی۔

''تم ہی رہ گئی ہو کیا؟'' حماد کے سوال پر وہ لاجواب ہو کر رہ گئی۔

''اس وقت صرف تم اور میں ہیں، کوئی تیسرا نہیں آئے گا درمیان میں سمجھیں۔'' حماد کے پیار پر وہ مسکرا دی۔

دو گھنٹے بعد سرشاری گھر آ گئی۔

بجیا کا مزاج اب آئے دن خراب رہنے لگا تھا، اس کے کاموں پر اعتراضات کرتیں، کیڑے نکالتیں، ناظمہ خاموشی سے صبر سے سب سہتی جاتی اور کام کئے جاتی، گھر کا سکون برباد نہ کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

صبح سے ہی اس کا جی متلا رہا تھا، اٹھنے لگی تو چکرا کر بستر پر آن گری۔

''کیا ہوا؟'' حماد کو گڑبڑ کا احساس ہوا تو تیزی سے اس کے پاس آیا۔

''پتہ نہیں، سر چکرا رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ واش روم کی طرف دوڑی، پھر دوپہر تک یہ خوش کن خبر پھیل گئی کہ ناظمہ ماں بننے والی ہے، حماد مٹھائی لے آیا اور ڈاکٹر نے ناظمہ کو مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا، اگلے دن ثوبیہ آئی، وہ بہت خوش ہوئی، ماں بیٹی باتیں کر رہی تھیں۔

راضیہ کچھ دیر بیٹھ کر اپنی گڑیا کو سلانے چلی گئی، دھیمی آواز میں ٹی وی چل رہا تھا، حماد جو ناظمہ کی دوائیاں اور پھل لے کر کھلے دروازے سے اندر آ رہا تھا، بجیا کی تیز آواز پر قدم رک سے گئے۔

''ارے کیا جلدی تھی اتنی، ابھی سے بچہ پیدا کرنے کی۔'' بجیا کی آواز میں عجیب نفرتیں

بول رہی تھیں۔

''اب دیکھ بستر سنبھال کے جا بیٹھی ہے۔'' وہ مسلسل تلخ ہو رہی تھیں۔

''امی کیا ہو گیا ہے، مدثر کی دفعہ تو آپ بہت خوش تھیں۔'' ثوبیہ طنزاً بولی۔

''ہاں تو اس کا کیا مطلب ہے، کبھی ایسا کرنے لگیں۔''

ان کی اس بات پر حماد کے اندر جوش سا اٹھنے لگا تھا، مگر ہوش سے کام لینا تھا۔

''ارے چھوٹے گھر سے لے کر اسی لئے آئی تھی کہ دبی رہے گی اور اب تو لگتا ہے اس نے میرے بھولے بھالے بھائی کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے، کون کرے گا اب سارے کام، میری ہڈیوں میں تو دم نہیں۔''

بجیا کے نئے روپ سامنے آ رہے تھے۔

''امی، ممانی نوکرانی تو نہیں ہیں، اب ڈاکٹر نے انہیں آرام کا کہا ہے تو کرنا پڑے گا، آپ نے بھی تو راضیہ کو رانی بنا کر رکھا ہوا ہے اب تک۔'' ثوبیہ کی بات پر حماد کے اندر شرارے دوڑنے لگے، وہ جیسے قدموں وہیں کھڑا اور ڈٹا رہا، جیسے بت بن گیا ہو۔

''ہاں تو وہ کتنے امیر خاندان کی ہے، کب اسے کاموں کی عادت ہے، مدثر اتنا اچھا کس لئے کماتا ہے۔'' بجیا کی آواز میں فخر تھا۔

''تو ماموں نہیں کماتے، محنت نہیں کرتے۔'' ثوبیہ مسلسل حماد کی طرف داری کر رہی تھی، ارے حماد سے بہت محبت جو تھی۔

''ارے رہتا تو میرے گھر میں ہے ناں۔'' بجیا زعم سے بولیں تو حماد کو اپنا بوجھ اٹھانا مشکل لگ رہا تھا۔

عرش سے فرش پر آ رہا تھا، اپنا آبائی گھر تو وہ دوران تعلیم یہ فروخت کر چکا تھا، اب جیسے بے یار و مددگار کھڑا تھا۔

''شکر کریں امی آپ کو مفت کی کام کرنے والی ناظمہ ممانی مل گئی ہیں، نہ فالتو بولتی ہیں نہ لڑائی جھگڑا کرتی ہیں، آپ ہی زیادتی کر جاتی ہیں ان سے۔'' ثوبیہ کی باتیں حماد کی آنکھیں مزید کھول رہی تھیں، اس کے اندر مزید سننے کی سکت نہ تھی، وہ الٹے قدموں بنا آہٹ کیے باہر آ گیا اور پانچ منٹ بعد بوٹوں کی دھمک پیدا کرتا اندر آ گیا، نارمل انداز میں۔

''ارے آ گیا میرا چاند۔'' بجیا نے یکدم پینترا بدلا، ان کی ڈرامہ بازی پر حماد اندر تک کھول اٹھا، بس سلام کر کے اپنے کمرے میں آ گیا، جہاں شرمیلی مسکان سجائے ناظمہ بیٹھی تھی، سچی کھری مہربان مسکراہٹ، حماد یکدم ہلکا پھلکا سا ہو گیا، اسے دیکھتے ہی دوغلے لوگ، جھوٹے رشتے، چھوٹے ذہن، وہ ساری عمر بجیا کے ساتھ رہنے پر بھی انہیں پہچان نہ سکا، دھوکہ کھا گیا، بجیا نے گویا اس کے پیٹھ پیچھے وار کیا تھا، کہ رشتوں کا تقدس ہی لہولہان ہو گیا تھا، اعتبار ریزہ ریزہ ہو گیا، بھروسہ دم توڑ گیا تھا، وہ مسلسل اندر سے دکھی ہو رہا تھا۔

ناظمہ کو دیکھا جو پرسکون انداز میں آنکھیں بند کئے لیٹی تھی، صابر، شکر کرنے والی اطاعت گزار، بے زبان جانور کی طرح چوبیس گھنٹے کام میں جتی رہنے والی، اپنے فرائض کی ادائیگی کرتی، اپنا آپ بھلا کر۔

حماد نے بے خود ہو کر اسے خود سے قریب کر لیا اور دل میں دعا کرنے لگا کہ اے رب العالمین تو مسبب الاسباب ہے۔ مجھے اس مشکل سے نکال بلا کسی جھگڑے اور طوفان کے، شاید یہ قبولیت کے لمحات ہی تھے، وہ مطمئن سا ہو گیا۔

☆☆☆

"تم خودسوچو، رمضان سر پہ ہے، پورا گھر تفصیلی صفائی مانگتا ہے، کھانے پینے کا انتظام، سحری، افطاری کون کرے گا سب۔" بجیا کے حقیقت میں ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

"ایک دوخواتین کام کے لئے بلالیں۔"

مگر وہ منہ مانگے دام وصول کررہی تھیں اور بجیا ٹھہریں کفایت شعار، ناظمہ نے بیچ میں انہیں وہ سکھ دیا تھا جس کی وہ متلاشی تھیں، مگراب، وہ سر تھامے ثوبیہ کے سامنے گویا سسک رہی تھیں فون پر۔

"امی، اب آپ ممانی کو بھول جائیں۔"

ثوبیہ گویا مزے لے کر بولی، تو دوسری جانب بجیا نے مارے غصے کے فون پٹخ دیا اور پریشانی میں کچھ سمجھ نہ آرہا تھا، ثوبیہ بجائے ہمدردانہ مشورہ دینے کے ان کے زخموں پر طنز کے نشتر برسانے لگی تھی، اب انہیں خود ہی کوئی حکمت عملی تیار کرنا تھی۔

مگر وہ کہتے ہیں ناں کہ انسان اپنی چال چلتا ہے اور اللہ اپنی چال چلتا ہے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا مبارک چاند نظر آگیا تھا، بجیا نے راضیہ کو زبردستی کچھ کام سونپے، جس پہ اس کا منہ بن گیا۔

"امی وہ چھوٹے بچے کے ساتھ ہے کیسے سنبھالے سب۔" مدثر روبرو آکھڑا ہوا، بجیا صرف اسے دیکھے گئی، زبان گنگ ہوگئی۔

رضوان بس اپنے کاموں سے کام رکھتے تھے، بجیا ہی سحری میں اٹھنے لگیں، ایسے میں ناظمہ مدد کو آجاتی، وہ روزے رکھ رہی تھی، ابھی ہمت تھی، وہ ان مبارک ساعتوں کو گنوانا نہ چاہتی تھی، بجیا کو اس کے آنے سے ڈھارس ملتی، یوں رمضان المبارک خوش اسلوبی سے گزرنے لگا، راضیہ افطاری میں کچھ ہلکا پھلکا سا بنالیتی۔

بیس روزے آسانی سے گزر گئے، ناظمہ کمزوری محسوس کرتی مگر اللہ سے پوری امید تھی کہ وہ اسے طاقت دیئے رکھے گا، جو اس کے لئے رحمت بنے رہے گا، حماد اس کے مضبوط اعصاب تعریف کرتا تو وہ شرما کر کہتی۔

"اللہ اور آپ میرے ساتھ ہیں تو کوئی فکر اور پروا نہیں۔" حماد مسکرا دیتا۔

اور پھر اگلے ہی دن حماد کو جیسے اس مبارک ماہ میں خوشیوں بھرا تحفہ ملا، اس کی دعائیں رنگ لائیں، اس کی ترقی ہوگئی۔

گھر اور گاڑی مل گئے، حماد جھوم اٹھا، یہ سب اللہ کا کرم اور ناظمہ کی دعاؤں کا نتیجہ قرار دے رہا تھا، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اڑ کے گھر پہنچے اور یہ خوش خبری پل بھر میں سب کو سنا ڈالے۔

وقت مقررہ پر وہ گھر آگیا۔

ملازمہ نے دروازہ کھولا، گھر میں رمضان المبارک کے سبب خاموشی تھی، موسم بھی قدرے گرم تھا سبھی اپنے کمروں میں آرام کررہے تھے، ناظمہ اس کے انتظار میں تھی، تھکن اس کے چہرے سے ظاہر تھی، چہرہ زرد لگ رہا تھا، نقاہت الگ، حماد اس کے قریب آکر حال پوچھنے لگا، وہ مسکرادی کہ ٹھیک ہے۔

"آپ نہا کر فریش ہوجائیں، خاصی گرمی ہے۔" ناظمہ نے اے سی کی کولنگ بڑھاتے ہوئے حماد کو کہا۔

"ہاں......واقعی۔" حماد چیزیں میز پر رکھ کر نہانے چل دیا۔

ناظمہ بستر پر آلیٹی، آج خاصی کمزوری محسوس کررہی تھی، بائیس روزے گزر چکے تھے، طاق راتیں شروع ہوچکی تھیں، وہ مزید عبادات

کے بارے میں سوچنے لگی، کہ کیا کیا کرنا ہے، اتنے میں حماد آ گیا، ڈھیلے ڈھالے شلوار کرتا میں وہ اچھا ہی لگ رہا تھا، نیم تاریک کمرے میں خوابناک سی خاموشی تھی۔

''ناظمہ!'' وہ مدھرتا لئے بولا۔

''جی۔'' وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''میری ترقی ہو گئی ہے۔'' اس کا اتنا کہنا تھا کہ ناظمہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

''واقعی...... شکر ہے اللہ تعالیٰ کا۔'' اس کی آواز میں بے حد خوشی تھی۔

''مجھے گھر اور گاڑی مل رہے ہیں، اب ہم الگ رہیں گے۔'' حماد کی باتوں سے ناظمہ پہ شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

صبر و شکر کا ایسا خوبصورت انعام، ناظمہ کی آنکھیں تشکر کے موتیوں سے لبریز ہو گئیں۔

''تم جیسی نیک پاکباز، عبادت گزار بیوی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے سب، تم میرے لئے قدرت کا حسین انعام ہو۔'' حماد اس کے ہاتھ محبت سے تھام کر بولا تو ناظمہ سر جھکا کر مسکرانے لگی۔

''اب آرام کرو۔'' حماد نے کہا تو وہ لیٹ گئی۔

دونوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں، ناظمہ بھی آنے والے حسین دنوں کے سپنے بنتے سو گئی۔

☆☆☆

افطاری پہ حماد نے یہ خبر سنائی تو بجیا کے ہاتھوں کے طوطے صحیح معنوں میں اڑ گئے، رنگت فق ہونے لگی، حماد بغور ان کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

''ارے...... مبارک ہو بہت بہت۔'' نپے تلے انداز میں اندر کی کھولن چھپائے بظا

خوشدلی سے بولیں۔

''جی بجیا یہ سب آپ کی دعاؤں کا صلہ ہے۔'' حماد نے مسکرا کر کہا۔

سب نے مبارک دی، روکنے کی وجہ بھی کچھ نہ تھی۔

اور حماد اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی پر شکر ادا کر رہا تھا، اگر وہ لڑ جھگڑ کر الگ ہوتا، ناظمہ بجیا کے خلاف ہو جاتی، تو بہت برا ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کا بھرم رکھ لیا تھا۔

''کب جانا ہے؟'' رضوان بھائی ملک شیک کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔

''بس عید کے بعد، عید تو آپ سب کے ساتھ کریں گے۔'' حماد نے کہا اور نماز کے لئے اٹھنے لگا، بجیا پریشانی میں تھیں اور ناظمہ اپنی خوش سوچوں میں، کہ یہ عید ان کے لئے کتنی خوشیوں کا سامان لے کر آئی ہے، اولاد، آسائشیں، محبت کرنے والا شوہر، وہ کس کس نعمت پر سجدے کرتی، اسے تو بس اب شکرانے کے سجدے ہی کرنے تھے۔

☆☆☆

باجی باورچن

رابعہ افتخار شیخ



باجی باورچن کا اصل نام تو صالحہ تھا مگر کم لوگ ہی انہیں صالحہ کے نام سے جانتے تھے، اپنے خاندان میں، محلے میں بلکہ پورے شہر میں وہ باجی باورچن کے نام سے مشہور تھیں، وجہ شہرت جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے ان کے ذائقہ دار کھانے تھے، ابھی وہ ہشتم جماعت میں ہی تھیں کہ خانہ داری کے عملی امتحان میں ایسا پلاؤ پکایا کہ ساری استانیاں انگلیاں چاٹتی رہ گئیں، میڈم جی پلاؤ چیک کرتے ہوئے تعریفی کلمات کہے تو صالحہ ہواؤں میں اڑنے لگی۔

''اتنا ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں صالحہ، تم پلاؤ کی دکان کھول لو، میں نے آج تک اتنا لذیذ پلاؤ نہیں کھایا۔''

اور جب گھر آکر امی ابا کو بتایا تو انہوں نے بھی فرمائش کرکے پکوایا وہی تعریف ان کے منہ سے بھی سنی، ابا نے تو صاف کہہ دیا کہ آج کے بعد چھٹی والے دن کھانا صالحہ ہی بنائے گی، آہستہ آہستہ صالحہ کی تعریفیں محلے بھر میں ہونے لگیں، کسی کے ہاں کوئی دعوت ہوتی، میلاد، سالگرہ یا کوئی بھی تقریب، صالحہ کو بلا لیا جاتا کسی کے ہاں شامی کباب بنا کر دے رہی ہے تو کسی کے ہاں بریانی دم پر لگا رہی ہے، کسی کو قورمہ چاہیے تو کسی کی پرت والے پراٹھے، محلے کے بچوں نے تو نام ہی باجی باورچن رکھ دیا، کچھ صالحہ کا شوق بھی تھا، اس نے بی اے کے بعد باقاعدہ بیکنگ اور کوکنگ کا کورس کیا، ذائقہ تو تھا ہی ہاتھ میں اب مہارت اور سرٹیفکیٹ بھی آ گیا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باجی باورچن ایک ادارہ بن گئی، خاندان کے لوگ باقاعدہ آرڈر کرنے لگے، اس نے امی کا نام خوب روشن کیا، جو کوئی سنتا یہی کہتا کہ پروین کی بیٹی بڑی سلیقہ شعار ہے، خدا نے اس کے ہاتھ میں جو ذائقہ رکھا ہے، کسی کے ہاتھ میں نہیں، سہیلی نے مشورہ دیا فیس بک پر باجی باورچن کے نام سے پیج بھی بنا لیا، روز نئی ریسپی لگانے لگی، ڈھیروں لوگ پیج میں ایڈ ہوئے، شہرت اور بھی بڑھی شہر کے اندر فون پر آرڈر بک ہونے لگے، ابا کا سہارا بن گئی وہ، ابا نے ایک دو لڑکوں سے بات کی، وہ ڈلیوری کے لئے ہمہ وقت تیار، اماں ابا کا فخر تھی صالحہ، وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا، مصروفیت اور شہرت بڑھ رہی تھی، گھر میں کوکنگ کلاسز کا آغاز ہو گیا اور تو اور شہر کی ایک تو بڑی بیکریوں نے شامی کباب، سموسہ اور چکن رول کا آرڈر دینا بھی شروع کر دیا، عمر اپنے پورے جوبن پر تھی، خوبصورت بھی تھی، شہر کے کیبل چینل والوں نے کوکنگ شو کرنے کی آفر بھی کی مگر اس مرتبہ ابا نے منع کر دیا۔

''ابا آج کل لوگ بس اسی کی صلاحیت مانتے ہیں جو ٹی وی پر چلتا ہے چاہے وہ کوئی بھی فیلڈ ہو، جو ڈاکٹر سکرین پر آ جائے وہ قابل، جو بیوٹیشن ٹی وی پر آ کر میک اپ کر دے وہ ماہر، جو میراثی ٹی وی پر آ کر گائے وہ سنگر اور تو اور جو رائٹر ٹی وی کے لئے لکھ دے بس وہ ہی رائٹر کہلاتا ہے، اس کے لفظوں کا معاوضہ ڈائجسٹ والوں کے معاوضے کا مذاق اڑاتا ہے، ابا ایک بار کر لینے دیں۔'' اور پھر ابا مجبور ہو گئے، خود لے کر گئے اور یوں باجی باورچن کا لوکل چینل پر کوکنگ کا پروگرام بھی لگ گیا، ابا کی ضد پر دو چار پروگرام کر کے اس نے انکار کر دیا۔

☆☆☆

صبح سے چھ درجن شامی کبابوں کا آرڈر پیک کیا، دو کلو مرغی کا قورمہ بنایا، تین کلو سوجی کا بادام پستے ڈال کر حلوہ تیار کیا، ڈلیوری بھیج کر تھک ہار کر بیٹھی ہی تھی کہ سارہ اور فائزہ آ گئیں،

دونوں لڑکیاں اس کی شاگرد تھیں۔
''باجی کچھ سنا آپ نے، محلے میں ایک نئی فیملی آئی ہے، خوب پیسے والے لوگ ہیں، اتنی پیاری لڑکیاں ہیں، وہ آنٹی جی کسی کو ہوٹل سے کھانا لانے کے لئے کہہ رہی تھیں۔'' فیصل نے جھٹ سے کہہ دیا۔
''ہوٹل سے کیوں باجی باورچن کو کہہ دیں، گھنٹے میں فائیو اسٹار ہوٹل جیسا کھانا پہنچ جائے گا، پہلے تو وہ پوچھنے لگیں وہ کون؟ تو جب فیصل نے بتایا کہ وہی جو کیبل والے چینل پر آتی تھیں، باجی باورچن کے نام سے جن کے کباب سموسے شہر کے ہر بیکری میں ملتے ہیں تو آنٹی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔''
''اچھا تو وہ باجی باورچن یہاں رہتی ہے، میری بیٹی تو بڑے شوق سے اس کے کباب کھاتی ہے، اچھا پیاری لڑکی ہے میں نے دیکھا تھا اس کا پروگرام، اچھا سنو اسے پاستا اور سنگاپورین رائس کا آرڈر دے آؤ، چھ لوگوں کے لئے۔''
''تو تم لوگ آرڈر لے کر آئی ہو؟'' وہ بہت تھکی ہوئی تھی بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔
''ہاں باجی سچی، اتنے اچھے لوگ ہیں، ان کا بیٹا تو اتنا پیارا ہے، کیا پتہ تو معدے کے راستے دل تک پہنچ جائے باجی۔'' سارہ ہنسنے لگی، فائزہ نے ٹہوکا دیا، مبادا باجی برا منا جائے مگر پہلی بار ایسی بات سن کر بھی باجی نے مسکرا دی۔
''اچھا چل، آجاؤ میری مدد کے لئے۔'' وہ سیڑھیاں چڑھ گئی، اس کا باورچی خانہ اوپر تھا جو دو سال پہلے کلاسز شروع کرنے پر بنایا تھا، فل سائز فریج، ڈیپ فریزر، جدید انداز کے چولہے، اوون، مشینری اور ہر طرح کے برتن موجود تھے، سچ تھا کہ صالحہ نے اس کام سے نام بھی خوب کمایا تھا اور دھن بھی، اماں ابا کا سہارا بن گئی تھی وہ، اسی کام سے اماں ابا کے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپیہ جمع ہوگیا تھا، پاستا بنا کر پیک کیا، سنگاپورین رائس کی ڈش پر کلنگ شیٹ چڑھا کر ایک طرف رکھا اور اپنی طرف سے صبح کا کلاس میں بیک کیا چاکلیٹ کیک بھجوا دیا۔
''مگر باجی یہ کیک تو شہلا کے سامان سے بنا تھا ناں اس نے لے کر جانا تھا رات کو۔'' فائزہ نے پوچھا۔
''ہاں ابھی بنا دوں گی اسے ایک اور، رات تک سیٹ ہو جائے گا تو لے جائے گی، اچھا نہیں لگتا کہ ہم نئے محلے داروں کو بس آرڈر کا سامان بھجیں۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکان تھی۔
''تھک جاؤ گی باجی، صبح سے کام میں لگی تھی، آرڈر بھی بھیجا، اب کیک میں اچھا خاصا ٹائم لگے گا۔'' فائزہ نے ہمدردی سے اس کی سمت دیکھا۔
''نہیں کوئی بات نہیں، کل ویسے بھی اتوار ہے کلاس کی چھٹی ہے، آرام کا ٹائم مل جائے گا۔'' اس کے چہرے پر ایک دبی دبی مسکان سی تھی، شاید سارہ کی بات کا اثر تھا، پہلی مرتبہ وہ اپنی ذات سے متعلقہ کسی بات پر سوچنے لگی تھی۔
سارہ اور فائزہ سارا کھانا لے کر نئے کرائے داروں کے ہاں گئی تھیں، سب نے خوب مزے لے کر کھایا، آنٹی شام کو پے منٹ کرنے آئیں تو اس نے لینے سے انکار کر دیا، آنٹی اس کی خوش اخلاقی اور مروت کی بھی قائل ہو گئیں، صاف ستھرا چمکتا گھر، نیا اور جدید انداز کو فرنیچر، ریشمی پردے اے سی کی ٹھنڈک میں بیٹھ کر کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے وہ نظروں ہی نظروں میں سب چیزوں کا معائنہ کر رہی تھیں، صالحہ کی اماں کی کلائی میں سونے کی چوڑیاں، کانوں میں جھمکیاں، بریزے چکن کا جوڑا۔

''لگتا ہے خوب کمائی ہے باجی بادر چن کی۔'' انہوں نے خالی گلاس شیشے کی میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی اللہ کا کرم ہے، پہلے تو بس گزارہ ہی ہو رہا تھا جب سے صالحہ کا کام شروع ہوا، ہمارے تو حالات ہی بدل گئے، ہر نیا دن نئی نعمتیں لے کر آ رہا ہے، بس خدا کا شکر ہے کہ اتنی نیک اور باصلاحیت اولاد تھی۔'' اماں دعائیں دینے لگیں۔

''ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، ہم نے شہرت تو سن رکھی تھی پروگرام بھی دیکھ رکھا تھا مگر آج تو سچ میں انگلیاں چاٹتے رہ گئے۔'' وہ رطب اللسان تھیں۔

''جی خدا کا کرم ہے، بس اب تو اس کی ایک ہی ضد ہے کہ ہم حج کر آئیں اور ہماری بھی ایک ہی خواہش ہے، کہ خدا کا گھر دیکھ کر آئیں اور اپنی صالحہ کو اپنے گھر والا کر دیں۔'' اماں پہلی ہی ملاقات میں ساری اندر کی باتیں بتانے لگیں۔

''ارے ماشاءاللہ بڑے نیک خیالات ہیں آپ کے کوئی رشتہ ہے نظر میں، رشتہ کیا رشتے ہوں گے، اتنی ہونہار لڑکی کے لئے تو بہت طلب گار ہوں گے۔'' آنٹی نے نظروں ہی نظروں میں سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔

''جی ہاں بالکل، کئی لوگ کہہ چکے ہیں، خاندان کے بھی اور خاندان سے باہر بھی مگر کہیں دل ٹھہرا نہیں، بس دعا کریں کہ کوئی اچھا مناسب رشتہ مل جائے۔'' اماں سیدھی اور بھولی بھالی تھیں، آنٹی کی دلچسپی دیکھتے ہوئے صالحہ بھی غیر محسوس سی خوشی میں تھی، چائے کی ٹرالی لے کر آئی تو آنٹی اماں سے اور بھی بہت کچھ پوچھ چکی تھیں، دہی بڑے ڈالتے ہوئے انہوں نے تعریفی نظروں سے صالحہ کی سمت دیکھا تھا۔

''بہن جی آپ کے ہاں تو ہر وقت ایسے لذیذ کھانے، کھانے کو ملتے ہوں گے، جس گھر میں جائے گی ان کی تو لاٹری نکل آئے گی۔'' اماں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آنٹی نے شامی کبابوں اور انڈے کے حلوے سے بھی انصاف کیا، چائے لے کر گھونٹ پر واہ واہ کرتی رہیں، رات میں اماں نے ابا سے ذکر کر دیا۔

''آج سے پہلے کسی نے اتنی محبت اور اپنائیت سے ہماری صالحہ کی صلاحیتوں کی قدر نہیں کی، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ صالحہ میں دلچسپی لے رہی ہیں۔''

''اری نیک بخت کرائے دار ہیں، بس اوپر اوپر سے چمک دمک ہے، اندر سے کھوکھلے ہیں، شریف لوگ ہیں مگر کھانے اڑانے والے ہیں، بچت کرنا یا اپنی دکان کا سوچنا شاید ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں، مجھے بھائی شوکت بتا رہے تھے کہ اچھے لوگ ہیں مگر پہلے بھی کرائے کے مکانوں میں ہی رہتے، آ رہے ہیں۔'' ابا نے اماں کا خیال جھٹکنا چاہا۔

''اگر اچھے اور نیک لوگ ہیں تو مکان کا کیا، اللہ نے چاہا تو مکان بھی اپنا ہو جائے گا، اب خود کو ہی دیکھ لیں، وہی پرانا لکڑی کی چھت اور کواڑوں والا گھر تھا، اپنی صالحہ کی وجہ سے کیا سے کیا ہو گئے ہم لوگ، عزت الگ ملی، شہرت اور پیسہ بھی۔''

''ہوں۔'' چلو دیکھو، ابھی تو پہلی ملاقات تھی، کون سی ان لوگوں نے تم سے رشتہ مانگ لیا ہے۔''

''ہوں مگر میں سوچ رہی تھی کہ وہ خاتون بار بار یہی کہہ رہی تھیں کہ صالحہ کے سسرال والے بڑے خوش قسمت لوگ ہوں گے قدر دان لگتی ہیں، مجھے ورنہ لڑکی جتنی بھی سگھڑ کیوں نہ ہو، رشتہ

لے کر آنے والے تنقیدی نظروں سے ہی جائزہ لیتے ہیں، وہ تو بات بات پر ماشاء اللہ کہتی رہیں۔''

''بھئی وہ رشتہ لے کر تو آئیں ناں، تم پہلے ہی خواب دیکھ لو۔'' ابا نے بات پلٹ دی۔

☆☆☆

باجی باورچن کی کتاب کا پہلا ایڈیشن مارکیٹ میں آ گیا، دھوم مچ گئی، اماں ابا کا سر فخر سے اور بھی بلند ہو گیا، اماں نے سارے محلے میں مٹھائی بانٹی چند ایک خاص لوگوں کو کتاب بھی تحفے میں دی اماں اور صالحہ خود نئی آنٹی کے ہاں گئیں، گھر کی عجیب حالت تھی، بیٹھک کا کمرہ انتہائی نفاست سے سجایا گیا تھا مگر اسی کمرے کے دروازے سے نظر آتا باقی گھر کا منظر بہت ابتر تھا، دھلے کپڑوں کا ڈھیر ٹی وی لاؤنج کے صوفوں پر پڑا تھا، اوپر کو جاتی سیڑھیوں پر جوتیوں کے جوڑے رکھے تھے گندے برتنوں کی ٹوکری کچن کے دروازے میں ہی رکھی تھی، ہاں ان تینوں ماں بیٹیوں کے حلیے بہت صاف ستھرے بنے سنورے تھے، چمکتی جلد والی ان کی خوبصورت بیٹیاں چائے لے کر آئیں تو ساتھ بازاری سموسے اور پیکٹ کے بسکٹ تھے۔

''بھئی اب ہمارے گھر میں کوئی صالحہ نہیں ہے ناں ہم تو عام سے لوگ ہیں، ہاں میرے بیٹے کو بہت شوق ہے کہتا ہے جب بھی شادی کروں گا، کسی بہت ہی سگھڑ اور اچھے کھانے پکانے والی لڑکی سے کروں گا۔'' آنٹی آہستہ آہستہ مطلب کی طرف آ رہی تھیں، کھڑکی سے بائیک سے اترتے شخص کو دیکھ کر صالحہ کا دل عجیب انداز سے دھڑکا تھا، بہت وجیہہ شخصیت کا مالک وہ شخص اب اندر داخل ہو رہا تھا۔

''لیں آ گیا میرا بیٹا، آؤ کاشان، ان سے ملو یہ ہیں باجی باورچن، میرا مطلب ہے صالحہ۔'' آنٹی نے اس کا تعارف کروایا، اسے پہلی بار اپنا یہ نام خوبصورت لگا، اس کی اسی صفت کی وجہ سے تو وہ لوگ دیوانے ہو رہے تھے۔

''السلام علیکم!'' سلام کرتے ہوئے وہ ادب سے اماں کے سامنے جھکا تھا، لحظہ بھر کو نظر اٹھا کر صالحہ کی سمت دیکھا اور اس لمحے وہ مشہور و معروف باجی باورچن سے ایک دم صالحہ بن گئی، ایک عام سی لڑکی۔

☆☆☆

وہ خود بیکنگ اور فروٹ کارونگ کی کلاس اٹینڈ کر کے آئی تھی اور اگلے دن وہ ہی سب کچھ اپنی طالبات کو سکھانے کا ارادہ تھا، اسی نیت سے سامان کی لسٹ بنا رہی تھی جب اماں کے ساتھ آنٹی اور ان کی دونوں بیٹیاں اندر آتی دکھائی دیں، ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔

''خیر ہے ناں باجی، دل تک پہنچ گئی تم۔'' سارہ جو لسٹ بنوانے میں اس کی مدد کر رہی تھی، شرارت کے انداز میں بولی، اس کی نظروں کے سامنے کاشان کا چہرہ آ گیا، وہ چونتیس پینتیس سال کا شاندار شخصیت کا مالک ایک خوبرو شخص تھا۔

''بس بہن اس کی ایک ہی ضد تھی کہ کاروبار جم جائے تب شادی کروں گا، مکان اپنا تھا نہیں، بیوگی کے بعد ان بچوں کو لے کر کرائے کے مکانوں میں ہی دھکے کھاتی رہی، ہمارے حلیے دیکھ کر لوگ ہمیں خوب امیر کبیر سمجھتے ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ ہم لوگ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والے عام سے لوگ ہیں، میں نے اپنی ایک بچی کا رشتہ کر دیا ہے بس سال بعد شادی بھی کر دوں گی، اپنے بھائی کے ہاں کیا ہے وہ تو بیٹی بھی دے رہے تھے میرے کاشان کو مگر کاشان کی

بیوی صالحہ جیسی چاہیے تھی، خوب صورت، خوب سیرت، سلیقہ مند اور نیک خود اعتماد، اپنے پیروں پر کھڑی لڑکی۔'' آنٹی کے آنے کا مقصد واضح تھا، اماں تو جیسے پہلے ہی تیار بیٹھی تھیں پھر بھی سوچنے کے لئے وقت لے لیا، ابا نے سنا تو خوب واویلا کیا۔

''انکار کر دو، اتنی بوڑھی نہیں ہوگئی ہماری بیٹی کہ یوں کسی کو بھی ہاں کر دیں گے، نہ خاندان کا پتہ، نہ برادری کا کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں؟ لڑکا کردار کا کیسا ہے؟ اور سب سے بڑی بات کہ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں، بھئی مجھے منظور نہیں۔'' اماں کہاں ہار ماننے والی تھیں۔

''صالحہ کے ابا ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں، لڑکا خوبصورت ہے، لڑکیاں بیاہ دیں تو سوائے ساس کے کوئی نہیں سسرال میں اور پھر وہ بڑی چاہ سے آئے ہیں، ہم سے کوئی جھوٹ نہیں بولا، ساری حقیقت ہمارے سامنے رکھ دی، ہاں ان کے اور ہمارے گھرانے میں فرق ہے، بے سلیقہ عورتیں ہیں، نظر آتا ہے، مگر میری بچی جا کر سب کچھ سنوارے گی اور رہ گئی کرائے کے مکان کی بات تو شاید آپ بھول رہے ہیں ہماری صالحہ، لاکھوں میں کما رہی ہے اب، ہزاروں تو وہ صرف کلاسز سے کما رہی ہے آرڈر کی کمائی، کتاب کی کمائی، چینل کے پروگرام کی، بھئی دونوں میاں بیوی مل کر مکان کا مسئلہ بھی حل کرلیں گے، بس یہ دیکھیں کہ قدر دان لوگ ہیں اور مجھے لگتا ہے کہ صالحہ بھی خوش ہے، پہلی مرتبہ کسی رشتے کے آنے پر میں نے اسے مسکراتے دیکھا ہے، اب ہمیں اور دیر کرنی بھی نہیں چاہیے، تیس کی ہوگئی پچھلے مہینے۔'' اماں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوگئیں اور ابا کے ذہن میں بس یہی جملہ بیٹھ گیا۔

''صالحہ بھی خوش ہے۔''

''ٹھیک ہے اگر صالحہ خوش ہے تو ٹھیک ہے، جو اللہ کی مرضی، اللہ کے حوالے۔'' اور ابا کی اس بات پر دروازے میں کھڑی صالحہ مسکرا دی۔

☆☆☆

منگنی کے بعد تو آنٹی روز ہی آ جاتیں، کبھی پائے، کبھی نہاری کبھی قورمہ اور وہ مفت میں ڈونگے بھر بھر کر بھیج دیتی۔

ایک شام پیغام آ گیا، بہت بیمار ہیں آنٹی، کہہ رہی ہیں مٹن کی یخنی اور دودھ پتی بنا کر دے جاؤ، لڑکیاں ابھی کالج سے نہیں آئیں وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی، ہاتھ میں تیزی آ گئی، منگنی کی انگوٹھی کو بڑے پیار سے دیکھتی وہ سارا کھانا پیک کر کے باہر نکلی تھی۔

''اماں میں بس کھانا دے کر ابھی آئی۔''

''چل میں بھی چلتی ہوں، تیری ساس کی تیمار داری بھی کر آؤں۔'' اماں نے پاؤں میں چپل اڑسے اور اس کے ساتھ چل دیں، گیٹ کھلا تھا، اندر سے کسی کی آواز آ رہی تھی، اپنے نام پر وہ وہیں رک گئی، اماں کا ہاتھ دبوچ کر اماں کو بھی روک لیا۔

''باورچن ہوگی تو اپنے گھر ہوگی، بہن پیسہ ہو اور مصالحے پورے ہوں تو ہر کسی کو پکانا آتا ہے، کہتے ہیں ناں گھی نے سنوارا سالن اور بڑی بہو کا نام، مجھے تو بس ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو کماتی ہو پہلے لڑکے کی شادی کروں گی، پھر نکلواؤں گی لڑکی کا جہیز بہو بیگم، اوہ باجی باورچن سے، لو ذرا نام سنو، لگتا ہے کوئی ستر سالہ بوڑھی ہے، میرا اتنا خوبصورت بیٹا، بڑی مشکل سے منایا میں نے اسے، لاکھوں کماتی ہے لاکھوں، مکان بھی بن جائے گا اور دونوں لڑکیاں بھی بیاہ دوں گی جب جی بھر جائے گا اور کام نکل جائیں گے تو کر دیں گے باجی باورچن کو ریٹائر......'' اس بات کے بعد

ایک بلند قہقہہ لگا تھا، وہ غالباً کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

''ہاں ٹھیک ٹھیک ہی پکاتی ہے، آج کل تو مصالحوں والے ڈبے ملتے ہیں، ہر شے بنی بنائی، بس قسمت نے بنا دیا باجی باورچن کل بھی قورمہ بنا کر بھیجا تھا، میں نے لڑکیوں سے کہہ کر ہلکے مصالحے والی گھر کی دال پکوائی، معدے کے بھرکس نہیں نکلوانا یہ ہوٹلوں جیسے کھانے کھا کھا کر۔'' وہ گرنے کو تھی، اماں نے بمشکل تھاما۔

''ایک بار آ جانے دو، سونے کی چڑیا کو، ارے ہاں ہاں سارا چولہا چوکی تھوڑی کروں گی اس کے حوالے، جس دن بیٹھے میں ہاتھ ڈلوایا، اسی دن ساس بن جاؤں گی اور تیوری چڑھا کر کہوں گی بہو، یہ گھر ہے تمہاری کوکنگ کی کلاس نہیں، یہاں مصالحوں کی مار نہیں چلے گی، میں سکھاؤں گی تمہیں کہ کھیر کیسے پکتی ہے۔'' اور اس بات پر ایک اور بلند و بانگ قہقہہ لگا تھا، وہ جھول گئی اماں کی بازوؤں میں اماں اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے جا رہی تھیں، آنٹی کھٹکا ہونے پر باہر کو آئیں انہیں صالحہ سے اتنی جلدی آنے کی امید نہیں تھی، اسی لئے بے فکری سے فون پر بات کر رہی تھیں، انہیں گیٹ سے نکلتے دیکھ کر وہ جیسے سب کچھ سمجھ گئیں، اپنی جلد بازی اور حماقت پر غصہ بھی آیا، بنا بنایا کھیل بگڑ گئی، صالحہ نے مڑ کر دیکھا، ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر وہیں ان کی دہلیز پر پھینک دی، اس کی بھرائی آنکھیں آنٹی کی آنکھوں سے ٹکرائی تھیں، وہ شرمندگی سے سر جھکا گئیں، اپنے پیروں پر خود کلہاڑی ماری تھی انہوں نے، دو دن بعد وہ ٹرک منگوا کر سامان لوڈ کروا رہی تھیں اور باجی باورچن نئی ترکیبوں اور نئے جوش کے ساتھ اوپر کے کچن میں اپنی کلاس شروع کر چکی تھی، اللہ نے اسے وقت پر بچا لیا تھا۔ ☆☆

دربدر کے اس پار کہیں

نایاب جیلانی

نیل بر جہاندار سے گلالئی سے ملاقات کا ذکر کرتی ہے تو وہ چونک کر سوچتا ہے کہ یہ بھولی سری کہانی کا کردار نیل بر سے کہاں آ ٹکرایا۔

ساہنواز خان مورے سے ملنے آتا ہے تو عروفہ کو بے حد برا لگتا ہے وہ عشیہ سے الجھ پڑتی ہے، ادھر ولید نشرہ سے انتقام لینے کے لئے عروفہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

صندیر خان کا خاص بندہ اسے بتاتا ہے کہ جہاندار اصل میں کون ہے، صندیر خان سب جان کر سناٹے میں رہ جاتے ہیں۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہوں کی حویلی کا کوئی گم شدہ کردار یوں سامنے آ جائے گا، کردار بھی وہ جو اپنے دامن میں انتقام اور تباہی لے کر آئے گا۔

امام کے آپریشن کی کامیابی پر پلوشہ پورے خاندان کو دعوت پر بلاتی ہے، امام جب ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صبح سویرے واک کے لئے آیا تو شانزے سے ٹکراؤ ہو گیا جو اسے یوں واک کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔





اور نشرہ لکڑی کے لرزیدہ پل پر چلتی ہوئی انگشت بدناں رہ گئی تھی۔
ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا، ناقابل یقین تھا۔
عروفہ نے اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا، خوف، ہراس، دکھ کے ساتھ ساتھ اب اپنی بے سروسامانی نشرہ کو کھائے جا رہی تھی۔
پربتوں کے اس پار نشرہ کو اپنا کوئی بھی نہیں تھا، وہ کہاں جائے، کس سے مدد طلب کرے؟
اسامہ بھائی اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا، کوئی رابطہ نمبر ہی نہیں تھا، ہیام کا ہسپتال کہاں تھا؟ نشرہ کو کچھ خبر نہیں تھا، وہ ہیام کو اطلاع کیسے دیتی؟ کون تھا جو ہیام کو بتاتا کہ اس کی نشرہ پہ کیا گزر رہی ہے؟
طویل لکڑی کا پل ختم ہوا تو اونچے اونچے راستوں نے بہت جلد اسے تھکا ڈالا تھا، اس کے پاؤں دکھنے لگے تھے اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں، قریب تھا کہ وہ بہتی ہوئی ندی میں گر کر غرق ہو جاتی اور کسی کو اس کی لاش تک نہ ملتی، کہ اچانک اس ویران راستے پر ایک جیپ آتی دکھائی دی تھی۔
نشرہ کی بجھی سوجھی آنکھوں میں امید کا دیا روشن ہوا تھا، جیپ جیسے ہی اس کے قریب آئی، اس نے ہاتھ کے اشارے سے جیپ سوار کو روکا تھا، مگر شاید اس کا دھیان اس طرف نہیں تھا، تبھی جیپ پتھر اڑاتی اس کے قریب سے گزر گئی تھی، نشرہ بے دم ہو کر گر گئی، امید کا دیا لمحوں میں چکنا چور ہو گیا تھا۔
شاید اس ویرانے میں اس کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا، وہ تھک ہار کر ہانپنے لگی، کہ اچانک ہی پتھروں کی عجیب سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ کسی جیپ کے ٹائر اور انجن کی آواز آئی تھی، نشرہ نے سر اٹھا کر دیکھا اور محو حیرت ہو گئی، وہ کوئی اونچی اٹھان والا شاندار مرد تھا، انتہائی شاندار، خوبرو اور بہت ہی بارعب سا، نشرہ کی آنکھیں عالم تحیر میں پھیلتی چلی گئی تھیں، وہ اس کے قریب آ کر رک گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا۔
''کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہی ہو؟ تم کو نہیں پتا، ندی کا بند ٹوٹا ہوا ہے، کوئی بھی خطرناک لہر تمہیں بہا کر لے جا سکتی ہے اور یہاں ندی کے کنارے (بیلے) میں بہت سے خونخوار جانور ہیں، کسی بھوکے جانور کا نوالہ بنتے تمہیں ذرا دیر نہ لگتی۔'' وہ کوئی بہت ہی رعب والا مرد تھا، اس کی ٹھہری آواز میں بھی ایک ہیبت محسوس ہوتی تھی، نشرہ کا چڑیا جتنا دل سہم رہا تھا۔
''اٹھو یہاں سے۔'' اگلے ہی لمحے اس نے نخوت سے اشارہ کیا، نشرہ میکانکی انداز میں اس کے پیچھے چلتی ہوئی جیپ کے قریب آ گئی تھی۔
''اب بتاؤ، تم کون ہو، یہاں کی نہیں لگتی، کہاں سے ہو؟'' اگلا سوال عجلت میں تھا، وہ بار بار اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا، شاید اسے کہیں پہنچنے کی جلدی تھی۔
''میں لاہور سے۔'' اور نشرہ کا گلا رندھ گیا، دکھ سے آواز بھرا گئی تھی، قریب تھا کہ آنسو پھسل کر گر پڑتے، قریب تھا کہ وہ رونے لگتی، اجنبی شدت سے چونکا تھا۔
''تو پھر یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو؟ یہاں اس ویرانے میں؟'' وہ بولتا ہوا اچانک چونکا اور پھر اس کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں اور اس کی تیکھی ناک نخوت سے کچھ اور تن گئی تھی۔

''کیا بھاگ کر آئی ہو؟''
''نن...... نہیں۔'' نشرہ نے ہکلا کر کہا، تو کیا وہ اسے گھر سے بھاگی ہوئی سمجھ رہا تھا، اب وہ اسے کیسے بتائے کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی نہیں، نکالی ہوئی ہے، نشرہ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔
''ارے...... ارے...... رونا نہیں۔'' اس نے فوراً ہاتھ اٹھا کر منع کیا۔
''مجھے آنسوؤں سے کوفت ہوتی ہے پلیز رونا نہیں، ریلیکس رہو اور مجھے بتاؤ، تم کہاں جاؤ گی۔''
''کچھ پتا نہیں۔''
''تو گھر سے کیا سوچ کر نکلی تھی؟'' عادتاً اسے غصہ آ گیا تھا۔
''میں گھر سے نہیں نکلی۔'' نشرہ نے اب کہ شدت سے وضاحت کی تھی۔
''تو پھر؟'' آنکھوں میں نخوت بھرا سوال تھا۔
''وجہ کچھ اور بھی تو ہو سکتی ہے۔'' نشرہ کے چہرے پہ بے بسی اتر آئی تھی، وہ ذہین آدمی تھا، سمجھ گیا تھا۔
''ہوں۔'' اس نے ہنکارا بھرا۔
''اب تمہارے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں؟''
''نہیں۔'' نشرہ کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔
''چلو میرے ساتھ آؤ۔'' اور فیصلہ ہو گیا، اس نے آگے بڑھ کر نشرہ کے لئے جیپ کا دروازہ کھولا تھا، نشرہ نے لمحہ کی بھی دیر نہیں لگائی تھی، اور جیپ میں سوار ہو گئی اور جیپ لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھنے لگی۔
''ویسے میں بیال کا ہوں، مگر یہاں میرا فارم ہاؤس ہے بیال لے کر گیا تو مسئلہ ہو جائے گا، سوال اٹھیں گے اور میری خانم بیمار ہیں، پہلے میرا بھائی لڑکی اٹھا لایا نکاح کر کے، اسی بات کا صدمہ چل رہا ہے، میں کوئی اور ایشو افورڈ نہیں کر سکتا۔''
''تم یہاں فارم ہاؤس میں رہ سکتی ہو، جب تک چاہو، تمہیں یہاں کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا، بے فکری سے رہو، یہ صندیر خان کا وعدہ ہے، تمہیں پناہ دے رہا ہوں، حفاظت بھی کروں گا۔'' اور جیپ بڑے احاطے میں فراٹے سے داخل ہوتی رک گئی تھی۔
''ڈرومت، یہاں تم اکیلی نہیں رہو گی، میری بہنیں ہیں یہاں۔'' وہ اس کے چہرے کا ہراس پڑھ چکا تھا، نشرہ کی تشکر کے مارے آنکھیں نم ہونے لگیں۔
''آپ کا یہ احسان......''
''کوئی احسان نہیں، یہ میرا فرض تھا، ہم بیماروں، لا وارثوں اور مجبوروں کی بے بسی اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والے لوگ نہیں۔'' اس نے دوٹوک بات کا اختتام کیا اور جیپ سے نکل کر چلنے لگا، نشرہ اس کے پیچھے سر جھکائے چل رہی تھی۔
''تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ اور کیسے حالات کا شکار ہو؟ میں تم سے کچھ نہیں پوچھ رہا،

جب تک رہنا چاہو، رہو، جب جانا چاہو، بہت شوق سے، تمہیں یہاں کوئی تکلیف ہوئی، حمت کو بتانا، سبا خانہ نے کچھ کہا، تو برداشت کر لینا، یہاں ایک بیمار خاتون بھی ہیں، اس نے کچھ کہا، تو سمجھ لینا، دماغی توازن ٹھیک نہیں، اب آگے چلو، سامنے حمت آ رہی۔'' اور وہ بولتے ہوئے بڑے ہال میں داخل ہو گیا تھا، نشرہ نے دیکھا، وہ ایک چھا جانے والی شخصیت رکھتا تھا۔

اسے دیکھ کر لڑکیوں کے تاثرات بدل گئے تھے اور انہیں جیسے سانپ سونگھ گیا تھا، وہ اسے دیکھ کر الرٹ اور مودب ہو چکی تھیں۔

''یہ ہماری مہمان ہیں، جب تک یہاں ہیں، ان کو تکلیف نہ ہو۔'' اس نے کسی بھی قسم کے تعارف سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی بہنوں کو ہدایت دی تھی، جسے انہوں نے فرمانبرداری سے سنا تھا، انہوں نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا، کب تک یہاں ہیں؟

پھر وہ چلا گیا اور ان میں ایک رحم دل نیک پری نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آؤ...... اور ہماری دنیا میں داخل ہو جاؤ، ہم تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔'' اور نشرہ ان کی خاموشی اور طلسماتی دنیا میں داخل ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ لالا کس کو لے آئے؟'' یہ سبا خانہ تھی، جو رات کو سونے کے وقت حمت سے جڑی سرگوشی میں سوال کر رہی تھی۔

''بتایا تو ہے...... مہمان۔'' حمت نے سادگی سے جواب دیا تھا۔

''لالا نے ہر مہمان خوبصورت لڑکی کا ٹھیکا اٹھا لیا؟'' سبا خانہ کے لہجے میں اب کہ طنز تھا۔

''اب یہ مجھے نہیں پتا۔'' حمت نے بے چارگی کا اظہار کیا۔

''پہلے کومے اور اب نشرہ۔''

''یہ دو سوالیہ نشاں تو ہیں۔'' حمت نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''لالا اتنا رحم دل کیسے ہو گئے۔'' سبا خانہ کے انداز میں حیرانگی تھی۔

''لالا اتنا بے رحم بھی نہیں۔'' حمت نے اس کی غلط فہمی دور کی تھی۔

''ویسے یہ لڑکی کون ہے؟'' پھر وہی تجسس۔

''لالا نے سوال کرنے سے منع کیا ہے؟'' حمت نے تنبیہ کی تھی۔

''اس سے تو نہیں، تم سے پوچھ رہی ہوں۔'' سبا خانہ برا مان گئی تھی۔

''چھوڑو، اسے سے ہمیں کیا۔'' حمت کا انداز لاپرواہ تھا۔

''تمہیں نہ سہی، مجھے تو ہے، لڑکی سے پوچھوں گی صبح۔'' سبا خانہ نے عادت سے مجبور ہو کر کہہ دیا تھا، حمت نے گھور کر اسے دیکھا۔

''غلطی بھی مت کرنا۔''

''کیا ہے یار، وہ لالا کو نہیں بتائے گی۔''

''مگر حکم عدولی تو ہو گی، کیا تم حکم عدولی کرو گی؟'' حمت نے خفگی سے کہا تھا، سبا خانہ بے بس ہو گئی۔

''نہیں تو۔''

''شاباش، اب تم سو جاؤ، مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' حمت نے کروٹ لی اور بازو کے نیچے موبائل کی موجودگی کا احساس کیا، سباخانہ گہری سانس بھرتی کچھ ہی دیر بعد سو گئی تھی، حمت نے اس کے سونے کا یقین کیا اور اٹھ گئی۔

دبے قدموں ہال کی طرف آتے ہوئے اس کا دل دھڑک رہا تھا، کچھ ہی دیر بعد وہ بالکونی کی طرف آ گئی اور بالکونی کی ریلنگ سے سر ٹکا کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگی، اس کے ہاتھ میں دبا موبائل پسینے میں بھیگ رہا تھا۔

اس نے دوپٹے کے پلو سے اسکرین خشک کی تھی، پھر خود بخود اس کی انگلیاں کی پیڈ پہ تھرکنے لگیں، کچھ ہی دیر میں اجنبی مردانہ آواز ائیر پیس سے ابھری تھی اور حمت کا پورا جسم دل بن کر دھڑکنے لگا تھا۔

''کیسی ہو، جب کال کرنے کی ہمت کر لیتی ہو، تو بات بھی کر لیا کرو۔'' دوسری طرف وہ ملائمت سے کہہ رہا تھا۔

''جیسی چھوڑ کر گئے ہو، ویسی ہی ہوں، تمہارے بعد کیسی ہو سکتی ہوں۔'' اس کی نم بھیگی آواز نے امام کے دل کو باندھ لیا تھا، اس کے لفظ گم ہو گئے تھے۔

''میں چاہتا ہوں، تم ویسی ہی رہو، تم میں کوئی تبدیلی نہ آئے، پربتوں سے اترنے والے جھرنے کی طرح شفاف، خالص اور میٹھی رہو۔''

''کیا تمہیں لگتا ہے، میں تمہاری محبت سے بدل جاؤں گی؟''

''مجھے ایسا نہیں لگتا۔'' وہ یقین سے بولا تھا، حمت کے لبوں پہ مسکان اتر آئی تھی۔

''مجھے بھی نہیں لگتا، یہ احساس زندگی اور محبت ہی بندگی ہے۔''

''آج تم بہت خوش ہو۔'' امام نے محسوس کر لیا تھا۔

''ہاں۔''

''اس کی وجہ؟''

''وجہ تو ہے۔'' حمت نے مسکرا کر بتایا۔

''اچھا...... کیا؟'' وہ حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

''یہاں ایک اور مہمان لڑکی آئی ہے۔'' حمت مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''ایک اور؟'' امام واقعی متحیر رہ گیا تھا۔

''ہر خوبصورت لڑکی تمہارے لالا کی ہی مہمان بنتی ہے۔''

''میرے لالا کوالیٹز ہی بہت ہیں۔'' حمت اترائی۔

''کوالیٹز ہمیں بھی ادھار لے دو۔'' امام نے مسکینی سے کہا۔

''اپنی زندگی میں کوئی رنگینی نہیں، روکھی پھیکی زندگی ہے، ایک خانساماں، ایک مالی اور ایک چوکیدار کے ساتھ گزر رہی۔'' اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تھا، حمت کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی، پہلی مرتبہ اتنی دلفریبی سے بے ساختہ ہنسی تھی، امام تو متحیر ہی رہ گیا تھا۔

''یہ میرے دل پہ کیا حادثہ ہوا؟'' امام کہہ رہا تھا۔
''لالا سے کہو ایسے ہی مہمان لڑکیاں تمہاری زندگی میں لاتے رہیں، کم از کم تم ہنسنا تو سیکھ گئی ہو۔''
''ہاں...... نا...... بہت اچھی لڑکیاں ہیں، ایک ہنساتی ہے تو دوسری سیانی باتیں بتاتی ہے۔'' حمت نے دل سے کہا تھا۔
''میں ان کا مشکور ہوں۔'' وہ تہہ دل سے بولا تھا۔
''ویسے لالا کی کوالٹیز تم میں نہیں آسکتی۔'' حمت نے کچھ دیر بعد خیال آنے پر کہا تھا۔
''وہ کیسے؟'' امام کو اچنبھا ہوا۔
''لالا اپنی طرز کے بس ایک ہی ہیں، کبھی اتنے سنگ دل، جیسے فولاد ہیں، بے حس اور بے دل اور کبھی اتنے مہربان اور شفیق کہ حیرانگی ہوتی ہے۔'' حمت نے بتایا تھا۔
''وہ ایک حکمران طبیعت کا آدمی ہے، اسے حکومت کرنے کا جنون ہے، وہ چاہتا ہے، تم سب پہ حکومت کرے اور کچھ بھی نہیں، تم لوگ اس کے جذبے کی تسکین کرتے ہو۔'' وہ شاید ٹھیک تجزیہ کر رہا تھا مگر حمت اپنے لالا کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔
''ایسی بات نہیں، لالا کو کوئی آج تک سمجھ نہیں سکا، وہ اصول پہ سمجھوتا کرنے والا آدمی ہی نہیں۔''
''اصولوں اور فرعونیت میں فرق ہوتا ہے، مگر تم لوگوں کا یہ مسئلہ ہے کہ جلدی بھول جاتے ہو، ایک لحاظ سے اچھا ہی کرتے ہو۔'' امام نے گہرا سانس بھر کے کہا تھا۔
''نیل بر کا واقعہ اتنا پرانا نہیں ہے، جو غیر انسانی سلوک اس کے ساتھ ہوا روایتوں اور گھٹیا اصولوں کی بھینٹ چڑھا کر اسے خاندان سے الگ کر دیا اور مجھے مدد کرنے کی قتل برابر سزا دی گئی، ایسے اصولوں پہ تمہارے لالا میڈل کے حق دار ہیں۔''
''حالات اور وقت نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔'' حمت نے ہمت نہیں ہاری تھی۔
''تم اپنے لالا کی بہت اچھی وکالت کر سکتی ہو۔'' امام نے سراہا تھا۔
''اینی وے، تم لوگوں کو ایک اور مہمان لڑکی مبارک ہو، اب بہت رات ہو چکی، بہتر ہے آرام کرو۔'' امام نے ملائمت سے کہتے ہوئے آخری میں شرارت کی تھی، حمت بھی ہنس پڑی۔
اس کال کے بعد وہ بہت سکون سے پوری رات سوئی تھی، شاید بہت مہینوں بعد من بہت ہلکا ہوا تھا، یوں لگا، زندگی میں کوئی دکھ اور کوئی پریشانی اب آئے گی ہی نہیں، شاید یہی حمت کی بھول تھی، ہر سکھ کے پیچھے ایک دکھ گھات لگا کر بیٹھا ہوتا ہے۔

☆☆☆

نشرہ کو تین دن ہی قیامت لگ رہے تھے۔
تین دن اور تین راتیں ہیام سے دور، پل صراط نہیں تو کیا تھا اور سب سے بڑی بات ہیام کو خبر ہی نہیں تھی، نشرہ پہ کیا گزر رہی ہے، وہ حمت اور سباخانہ سے چوری رو لیتی تھی مگر بظاہر ان پہ کچھ بھی واضح ہونے نہیں دیتی تھی، وہ دونوں بے ضرر لڑکیاں تھیں، سباخانہ غصے کی ذرا تیز تھی مگر نشرہ

کے لئے بے ضرر ہی تھی، البتہ کومے کا کردار کچھ عجیب تھا۔
ان دونوں کے علاوہ بس کومے ہی تھی، جیسے صندیر لالا میں بہت ساری برائیاں نظر آتی تھیں، بس نشرہ سے یہی غلطی ہوئی تھی، اس نے کومے کے سامنے ٹیلی فون کا پوچھ لیا تھا۔
''اس گھر میں تمہیں ڈھنگ کی چیز نہیں ملے گی، تاکہ باہر کی مخلوق سے رابطہ نہ کر لیں، صندیر خان کو وہم ہے، باہر کی مخلوق ہمیں قید خانے سے چھڑوا کر نہ لے جائے۔'' وہ براؤن بریڈ پہ چیز لگا کر کھاتے ہوئے گل افشانی کر رہی تھی، نشرہ نے حیرت سے اس آسائشات بھرے ''قید خانے'' کو دیکھا تھا۔
اگر یہ قید خانہ تھا تو سب کے نصیب میں ایسا ہی قید خانہ لکھا ہوتا، کیا ہی خوب ہوتا، شیشوں کے اس محل کو، وہ نخریلی شہری لڑکی قید خانہ کہہ رہی تھی۔
بیمار لڑکی، جس کا ٹخنا ٹوٹا ہوا تھا، جو اسٹک سے اچھل اچھل کر چلتی اور ہانپ جاتی تھی، جو باقاعدہ طور پر صحت یاب نہیں ہوئی تھی اور جس کو تین تین وقت مہنگے ترین ڈاکٹرز چیک کرنے آتے تھے، موبائل یا فون کی سہولت نہ ہونے پر وہ صندیر لالا کے بخیے ادھیڑ رہی تھی۔
''فون ہے مگر ون وے پڑا ہوا لاؤنج میں۔'' حمت نے بتانے کی کوشش کی تھی۔
''ون وے ہے نا، قبروں پہ لگوا لیں، کبھی گھنٹی سنائی دی؟ کوئی فون کرے گا یہاں؟ اس عقوبت خانے میں۔'' وہ جل بھن کر کہہ رہی تھی، حمت بے چاری لاجواب ہوگئی۔
''یہاں یہ نوکر اتنے وفادار ہیں، کوئی آپ کو باہر سے مونگ پھلی خرید کر نہیں دے گا، مالک کے حکم کے بغیر، موبائل منگوانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔'' کومے نے زہر بھرے لہجے میں کہا تھا، حمت کو برا لگا۔
''تم نے بات کرنی ہے تو لالا کے نمبر سے کر لینا، میں کہہ دوں گی۔''
''مہربانی، مجھے احسان لینے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے منہ بنایا تھا۔
''ایک دفع چلنے پھرنے کے قابل ہو سکوں، نمٹ لوں گی صندیر خان سے۔'' یہ وہ دھمکی تھی، جسے سن سن کر ان کے کان پک چکے تھے، اسٹرابیریز کھاتی سہا خانہ نے کہہ ہی دیا تھا۔
''اللہ کا واسطہ ہے، اب نمٹ ہی لو، ہم بھی کھلتے دیکھیں۔'' اس کا انداز شرارتی تھا۔
''دیکھتے ہیں، تم نمٹتی ہو، یا لالا ہی تمہیں نمٹا دیتے ہیں۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھیں، صندیر خان کے حوالے سے، یہ چھیڑ چھاڑ معنی خیز قسم کی تھی۔
نشرہ دلچسپی سے سنتی رہی، کچھ دیر کے لئے اپنے تکلیف دہ حالات سے دھیان ہٹ گیا تھا۔
''تمہارے لالا کی ایسی کی تیسی۔'' کومے نے ناک چڑھا کر کہا تھا، گال لال سرخ ہو رہے تھے، جیسے خود پہ کنٹرول کرنا چاہ رہی ہو، نشرہ دلچسپی سے دیکھتی رہی۔
''ہوں تو یہ بات بھی تھی۔'' اس نے دھیان سے سوچا تھا، اسے کافی دنوں سے نظر آنے والا سین اور اس کا پس منظر سمجھ آ گیا تھا، صندیر خان کا کومے کے لئے کانشس ہونا، خیال کرنا، فکر کرنا مہنگا ٹریٹ منٹ۔
وہ اسے جلد سے جلد صحت یاب کرنا چاہ رہا تھا، اس خیال رکھنے کے پیچھے ایک عام میزبان کا

جذبہ کارفرما نہیں تھا، اس کے پیچھے کچھ تھا جواب نظر آرہا تھا۔
''میرے لالا کی ایسی تیسی کرنے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔'' سباخانہ نے ناک چڑھائی تھی۔
''تم اور تمہارے لالا دیکھتے رہ جاؤ گے، میں اس کا کچومر بنا دوں گی۔'' وہ دن میں سو مرتبہ دھمکیاں دیتی تھی اور لالا کے سامنے بولتی بند ہو جاتی تھی، سباخانہ اور رحمت کے ساتھ ساتھ نشرہ بھی ہنس پڑی تھی۔
''میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔'' اس نے واضح اعلان کیا تھا۔
''گھنٹی تو بجا نہیں سکتی، اینٹ سے اینٹ بجائے گی۔'' سباخانہ ہنس ہنس کر دہری ہو گئی تھی۔
''دیکھنا، دیکھنا میں کیا حشر بگاڑتی ہوں۔'' اب کہ کوے کو جلال آ گیا تھا۔
''بھائی دیکھ لیں گے، آپ کیا حشر بگاڑتی ہیں، ہم تو منتظر ہیں کچھ بگاڑیں تو سہی۔'' یہ آواز، ہاں یہ آواز ہال کے دروازے سے آرہی تھی۔
تینوں لڑکیاں اچھل کر کھڑی ہو گئی تھیں اور کوے کے ہاتھ سے چیز اور مکھن سے لتھڑا ہوا سلائس گر پڑا تھا، اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔
''اب منہ بند کرو، یہ پھیلاوا سمیٹو اور اسے بولو ریڈی رہے، کچھ ایکسرے ہونے ہیں، اسے میرے ساتھ جانا پڑے گا۔'' صندیر خان کے حکمیہ انداز پر پورے ہال میں افراتفری پھیل گئی تھی، جبکہ بے دم کوے کو دیکھ کر نشرہ کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔
''اور یہ بگاڑیں گی حشر؟'' اس نے منہ چھپا کر ہنسی کو کنٹرول کیا اور رحمت کے ساتھ مل کر پھیلاوا سمیٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے، یہاں آنے کا فیصلہ میرا درست نہیں۔'' رات جب وہ سونے کے لئے مسہری پہ آئی تو موبائل پہ مصروف شاہوار نے بے ساختہ شکوہ کیا تھا، حقیقتاً اس کا شکوہ بے جا نہیں تھا۔
عشیہ تو بڑی حویلی کی بھول بھلیوں کو ہی پیاری ہو گئی تھی، صندیر خان نے جو اسے فری ہینڈ دیا تو عشیہ نے سارا نظام ہی بدل دیا تھا، ڈیکوریشن سے لے کر مینیو تک، ہر چیز میں تبدیلی تھی۔
اب کھانا بھی عشیہ کی پسند سے بنتا تھا، پہاڑی ''کھابے'' بند کر دیئے گئے تھے، بیماروں کے لئے بھی پرہیزی کھچڑی بنتی، دلیہ یا سوپ۔
جو بی جاناں اور بابا کی طبیعت پر گراں گزرتے تھے مگر چونکہ عشیہ کا یہ حکم تھا تو یہی بنایا جاتا اور صندیر خان سے جب شکایت کی گئی تو اس نے آرام سے سمجھایا تھا۔
''سوپ، کھچڑی اور دلیہ ہی صحت کے لئے موزوں ہے، باقی لوازمات میں چکنائی وافر مقدرار میں پائی جاتی ہے، مرچ مصالحہ تیز ہوتا ہے، بی جاناں اور بابا جان کو اب عادت ڈال لینی چاہیے، عشیہ نے ان کا ڈائٹ چارٹ بہتر بنایا ہے۔'' اور اس کے بعد پھر کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔
شروع شروع میں بی جاناں پیالے اٹھا اٹھا کر پھینک دیتی تھیں، غصے میں چیختی تھیں، اور

پشتوں میں گالیاں نکالتی تھیں، مگر پھر تنگ آ کر انہوں نے عشیہ کی مہیا کی گئی غذاء پر سمجھوتہ کرلیا تھا، شاید اب ان کی سمجھوتے والی ہی عمر تھی، مگر یہ اور بات ہے، وہ ذہنی طور پر تسلیم نہیں کر پا رہی تھیں، یہ شکست ان کے لئے قیامت تھی۔

ایک ایسی عورت کی بیٹی ان کے محل کی مالک و مختار بن گئی تھی، جسے بہت سال پہلے انہوں نے نفرت سے دھتکار دیا تھا، وہ مکافات عمل کو بھول چکی تھیں، سو اب بھی ذہن اور دل گوارا نہیں کر رہے تھے، جبکہ عشیہ ان کی حالت زار کی وجہ سے انتقامی جذبات فراموش کر چکی تھی، قدرت ان سے بہترین انتقام لے رہی تھی، یہی بہت تھا اور ابھی اسے پھر سوچوں میں گم دیکھ کر شاہوار کا منہ بن گیا تھا۔

''لگتا ہے میں نے تم سے محبت میں شادی نہیں کی، بلکہ مجبوری میں کی ہے، کوئی لو میرج والی بات ہی نظر نہیں آتی۔''

''اب کیا سارا وقت فلم سٹار بنی رہوں اور تمہارے اردگرد گیت گاتی نظر آؤں۔'' عشیہ اس کے شکوے پہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

''تو کیا قباحت ہے، لو میرج کا کچھ پتا تو چلے۔'' شاہوار نے اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر قریب کیا تھا۔

''کل میرا بھائی بھی مجھے طعنہ مار رہا تھا۔''

''کیسا طعنہ؟'' عشیہ حیران ہوئی۔

''یہی کہ تم نے حقیقت میں پسند کی شادی کی یا لڑکی کو اٹھوا کر لائے ہو۔'' شاہوار کی دہائی پر عشیہ کا ہنس ہنس کے برا حال ہو گیا تھا۔

''تو کہہ دینا تھا، زبردستی لایا ہوں۔''

''اتنی میری مجال۔'' شاہوار نے ڈرنے کی اداکاری کی۔

''جیسے میں جانتی نہیں، مورے نہ مان کر تو دیکھتیں، تم نے اٹھوانے میں بھی کسر نہیں چھوڑنی تھی۔'' عشیہ نے ناک چڑھائی۔

''تم خانزادے محبت بھی بدمعاشی سے کرتے ہو۔''

''نا جی، میں محبت میں بدمعاشی کا قائل نہیں۔'' شاہوار نے فوراً جواب دیا تھا۔

''مجھے سب کے ساتھ کھڑا مت کیا کرو۔'' وہ برا مان گیا تھا۔

''آپ سب کے ساتھ کھڑا کیسے ہو سکتے سرکار۔'' عشیہ نے فوراً ماحول بدلا۔

''تو پھر میرے بارے میں بھی کچھ خیال کرو، مجھے میرے بھائی کے طعنوں سے بچاؤ۔'' اس نے آنکھ دبا کر اشارہ کیا تھا۔

''تو پھر جناب کا شکوہ کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟'' عشیہ نے دلربائی سے کہا تھا ایک محبت بھرے مان سے، جو اسے شاہوار کی ذات پر تھا۔

''میں تو کہتا ہوں، کچھ دن کے لئے نکلیں یہاں سے۔'' شاہوار نے اپنا ارادہ بتایا۔

''مطلب کہاں؟''

''ہنی مون پہ، ملک سے باہر۔''
''ہیں...... واقعی؟'' عشیہ حیران ہوئی۔
''تو اور کیا، تمہاری بنو محل سے توجہ ہٹانے کا اس سے اچھا کوئی آئیڈیا نہیں۔'' شاہوار نے گہرا سانس بھرتے ہوئے وجہ بتائی تھی، عشیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔
''اپنے بھائی کے طعنوں سے بچنے کے لئے، اس سے اچھا کوئی آئیڈیا نہیں۔'' شاہوار نے اس کی گنگناتی ہنسی کو دل سے محسوس کیا، عشیہ یہاں آ کر بہت خوش تھی، شاہوار کے اطمینان کے لئے یہی بہت تھا، وہ اس کے ساتھ سے خوش اور مطمئن تھی۔
''اور ہاں یار! بابا جان کا بھی خیال کر لیا کرو، تم ان کے روم میں جاتی ہی نہیں، وہ کل تمہارا پوچھ رہے تھے۔'' شاہوار کو اچانک خیال آیا تھا۔
''میرا پوچھ رہے تھے؟ یا حیرت۔'' عشیہ متحیر رہ گئی تھی۔
''یعنی کہ میرا؟''
''کیا وہ تمہارا نہیں پوچھ سکتے؟'' شاہوار نے حیرت سے کہا۔
''پوچھ سکتے ہیں، تمہاری بیوی جو ہوں۔'' وہ عشیہ کے طنز کو آرام سے پی گیا تھا۔
''میرا خیال ہے، وہ کسی اور رشتے کے ناطے بھی پوچھ سکتے ہیں۔''
''وہ تمام تعلق ناطے، رشتے ختم شد ہیں، ان کے اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارے گئے رشتے۔''
''سو ان کا ذکر کیا کرنا؟'' عشیہ نے رکھائی سے کہا۔
''البتہ ان کا خیال رکھنا اور بات سننا میرا فرض ہے، میں اپنا فرض نبھا دوں گی۔'' اس نے سابقہ انداز میں بولتے ہوئے بتی بجھا دی تھی، شاہوار ٹھنڈی آہ بھر کے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔
اسے لگ رہا تھا، عشیہ کبھی بھی ان فاصلوں کو مٹانے کی کوشش نہیں کرے گی جو اس کے باپ نے سالوں پہلے ان کے بیچ کھینچ دیئے تھے۔

☆☆☆

اور شام سے کر اگلی کئی شامیں ہیام کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کرتی رہیں۔
اس نے پاگلوں کی طرح نگر نگر چھان مارا تھا، مگر نشرہ کا کوئی سراغ نہ مل سکا، اگر وہ خود کہیں جاتی تب بھی رابطہ ضرور کرتی، ہیام اس آخری انتہائی بات کو سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ نشرہ اغواء ہو چکی ہے اس کا دل یہاں اس مقام پہ بند ہونے لگتا تھا۔
اسامہ اور ہیام ان دونوں نے وادی، شہر اور آس پاس کے تمام قصبوں کو چھان مارا تھا، شعبہ حادثات سے لے کر دارالامان تک، کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی مگر نشرہ کا کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔
ادھر مورے اس کے غم میں بستر سے جا لگی تھیں، پرائی امانت کا خیال دل کو چھلنی کرتا تھا، وہ خود بیٹیوں والی تھیں، نشرہ کی گمشدگی نے ان کو بیمار کر ڈالا تھا۔
دوسرے نشرہ کی میٹھی جادو بھری شخصیت نے انہیں اس کا گرویدہ کر رکھا تھا، اتنی ٹھنڈی چھاؤں جیسی بچی تھی، جب تک رہی خدمت کرتی رہی، انہیں تو ویسے بھی نشرہ بہت یاد آ رہی تھی اب

تو اس کی گم شدگی نے اوسان خطا کر دیئے تھے۔
عشیہ کو بھی اطلاع مل چکی تھی مگر اس کی مجبوری تھی، وہ آ نہیں سکی، کیونکہ وہ اور شاہوار اسی رات سنگھاپور چلے گئے تھے، آگے ان کا یورپ ٹرپ کا پروگرام بھی تھا، تاہم وہ مورے اور ہیام کو فون پہ حوصلہ دیتی رہی تھی، اس رات بھی عشیہ کی بہت لمبی کال آئی تھی، وہ ہیام کی حالت سے واقف تھی، جانتی تھی اس کے بھائی کے دل پر کیا گزر رہی تھی۔
''تم پیچھے تو رابطہ کرتے، کیا خبر وہ اپنے رشتہ داروں کے ہی پاس ہو۔'' عشیہ نے کسی آس کے تحت کہا تھا، کیا پتہ کوئی معجزہ ہی ہو جاتا۔
''اس کے پیچھے بھی سب بتا کر چکا ہوں، وہ لوگ خود بہت پریشان ہیں۔'' ہیام نے بھی آواز میں بتایا تھا۔
''سوچو، ہیام وہ گئی کہاں؟ اتنی ناسمجھ تو نہیں کہ رستہ بھول جاتی۔'' عشیہ کی عقل اس کی گم شدگی کو تسلیم ہی نہیں کر رہی تھی۔
''یار! اسامہ اسے گیٹ پہ ڈراپ کر کے گیا ہے، آگے وہ گھر آنے کی بجائے کہاں چلی گئی؟ گیٹ پہ ہی کسی حادثے کا شکار ہوئی ہے۔'' ہیام کی سوئی اسی نکتے پہ اٹک چکی تھی۔
''جو کچھ بھی ہوا ہے، ہمارے گیٹ پہ ہی ہوا ہے۔'' اس کی سوچوں کو ایک بہاؤ مل گیا تھا، عشیہ بھی ٹھٹک گئی تھی۔
''ہاں، اس پہلو پہ تو سوچا ہی نہیں، جو بھی ہوا گیٹ پہ ہوا، کیا؟ اسی کا سراغ لگانا ہے، ہیام تم ٹھنڈے دل سے سوچو۔''
''ہاں، وہی سوچ رہا ہوں۔'' اس کا انداز پرسوچ تھا۔
''یہ بھی تو ہوسکتا ہے، اسے کسی نے کڈنیپ کر لیا ہو۔'' عشیہ ایک نئی سمت کی طرف بھی اشارہ کر رہی تھی، ہیام کا الجھا ذہن الجھ رہا تھا۔
''گھر سے اغواء یعنی گیٹ سے؟''
''کچھ بھی تو ناممکن نہیں، لمحوں میں کیا کچھ ہوسکتا ہے۔'' عشیہ نے تھکے ہارے لہجے میں کہا تھا۔
''اگر اغواء کیا جاتا اسے تو کوئی تاوان وغیرہ کا سلسلہ نہ شروع ہوتا؟'' ہیام نے لب بھینچ کر درد کی لہر کو دبایا تھا، یہ احساس ہی اس کے لئے وبال تھا کہ نشرہ اغواء ہو چکی ہے، اس کی روح کو جھنجھوڑنے کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا کہ نشرہ اس کے گھر سے اغواء ہوئی۔
''اور یہ بھی ممکن ہے، شاید اس کے ساتھ کوئی حادثہ.....'' عشیہ الجھ گئی تھی۔
''کوئی تو ہوگا جس نے میرے پیچھے پہ ہاتھ رکھا ہے، خدا کی قسم، چھوڑوں گا نہیں کسی کو بھی۔'' وہ زہر خند لہجے میں غرایا تھا۔
''تم نے عروفہ سے نہیں پوچھا، جس وقت نشرہ لاپتہ ہوئی، اس وقت کے دوران یہ لوگ کہاں تھے؟ انہیں باہر کسی شور کی آواز سنائی نہیں دی؟'' عشیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا، یہ ممکن ہی نہیں تھا باہر کوئی شور ہوتا اور اندر آواز نہ جاتی، کیونکہ بیرونی گیٹ سے اندرونی ہال تک کا فاصلہ اتنا

زیادہ نہیں تھا۔
"وہ کہتی ہے ہم سو رہے تھے، مورے اور وہ۔" ہیام نے تلخی سے کہا۔
"جبکہ وہ نیند کا وقت نہیں تھا، مگر مورے کو کچھ یاد نہیں، وہ دوائیوں کے اثر رہتی ہیں۔" عشیہ نے مایوسی سے کہا تھا۔
"کوئی کلیو بھی تو نہیں مل رہا۔"
"مل جائے گا، انشاء اللہ، اسے میں پاتال سے بھی نکال لاؤں گا، سردار کبیر بٹو کا بیٹا ہوں، حلق سے بھی نکال لاؤں گا، تم دیکھنا عشیہ، میں کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔" ایک دم اس کے لہجے میں جلال آ گیا تھا، سرداروں والا جلال، تباہی برپا کر دینے والا جلال۔
وہ پہلے والے ہیام سے قطعی مختلف تھا، عشیہ کو اس لمحے اپنے بھائی سے خوف محسوس ہوا، وہ نشرہ کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا، شاید کسی کا خون بھی۔

☆☆☆

"میری بچی، کہاں چلی گئی میری بچی، نظر کھا گئی میری نشرہ کو، اللہ غارت کرے، کس ظالم نے میری بچی کو اغواء کر لیا۔" تائی سر پہ دوپٹہ باندھے تخت پہ لیٹی بری طرح سے رو رہی تھیں، ان کی کافی دنوں سے طبیعت ناساز تھی، اوپر سے نشرہ کی گمشدگی نے کمر توڑ دی تھی، نومی تائی کی حالت پہ سخت پریشان تھا، اوپر سے عینی کو بھی بہانہ مل گیا تھا واپسی کا، ورنہ تائی ولید کی موجودگی میں اسے کبھی نہ آنے دیتیں۔
"کیا پتہ، وہ خود کہیں چلی گئی ہو۔" یہ انتہائی احمقانہ بات عینی کے علاوہ کون اور کر سکتا تھا۔
"حد ہے ویسے کمینگی کی، وہ خود سے کیوں جائے گی، تمہارا تو دماغ ہی خراب ہے۔" نومی دال چنتے غصے سے چلایا تھا، عینی سے اس کی پہلے بھی نہیں بنتی تھی۔
"اسامہ بھائی کے ساتھ گئی اور گم گئی، حیرت ہے، اسٹوری سمجھ ہی نہیں آ رہی۔" عینی نے استہزائیہ اڑایا تھا۔
"کیا پتہ، ان پٹھانوں نے بیچ باچ دی ہو، پٹھان یہ بھی تو کرتے ہیں، آپ بس اغواء سمجھ کر ہی روتے رہیں۔" عینی کی بکواس پر نومی کا پارہ چڑھ گیا تھا، اسی گھڑی ولید بھی سیڑھیاں اتر کر آ گیا تھا اور نومی کے ساتھ اس کی باقاعدہ جھڑپ ہو گئی تھی۔
"عینی کی بات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے۔" ولید کا اتنا کہنا نومی کو غصہ دلا گیا تھا۔
"تم جیسے ہی اتفاق کر سکتے ہیں۔" نومی نے زہرخند لہجے میں کہا۔
"میں نے کون سا غلط بات کی ہے، پٹھانوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، ان سے گرا ہوا انسان کوئی نہیں۔" ولید نے استہزائیہ کہا تھا۔
"پتا نہیں تم نے کون سی تاریخ پڑھی ہے، ہم نے ہمیشہ پٹھانوں کو باعزت اور غیور قوم کے طور پر دیکھا ہے۔" نومی نے اس کا منہ بند کیا تھا۔
"غیرت مند تو بہت ہیں، گھر کے سامنے بیوی اغواء ہو گئی، واہ واہ۔" ولید نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''حادثہ'' کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، کسی کے ساتھ بھی۔'' نومی نے چبا چبا کر جتایا تھا۔
''نشرہ کے ساتھ تو انہونا ہی ہوا ہے پھر، گھر کے سامنے سے کہاں غائب ہو گئی۔'' ولید نے مصنوعی تاسف کا مظاہرہ کیا تھا، نومی خون کے گھونٹ بھر کر رہ گیا۔
''تم لوگ کس بحث میں پڑ گئے ہو، میرا دل ہول رہا ہے۔'' تائی ان کی بک بک سے تنگ آ گئی تھیں۔
''آپ کا دل کیوں ہول رہا ہے؟'' ولید نے معنی خیزی سے کہا۔
''اچھا اچھا نشرہ کے غم میں۔''
''لعنت ہے۔'' نومی غصے میں لاؤنج سے ہی نکل گیا تھا، ولید بالوں میں انگلیاں پھیرتا مسکراتا ہوا اوپر گیسٹ روم میں آ گیا، کچھ ہی دیر بعد وہ ایک نمبر پہ کال کر رہا تھا۔
''تھینک یو عروفہ! تم نے ٹارگٹ اچیو کر لیا۔'' دوسری طرف عروفہ ولید کی آواز سن کر ہی ہپناٹائز ہو گئی تھی، دل کی دنیا میں طلاطم برپا ہو گیا تھا، اتنے دنوں بعد ولید نے رابطہ کیا تھا، اسے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔
''اب ہی بتا دو، نشرہ کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟'' کچھ دیر بعد وہ خاصے تفکر کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔
''یو نو مجھے نہیں پتا۔'' عروفہ نے نفی میں سر ہلایا۔
''کیا مطلب؟ تمہیں نہیں پتا؟'' وہ لمحہ بھر کے لئے گڑبڑایا تھا۔
''پھر وہ کہاں گئی؟'' اب کہ ولید مضطرب ہوا تھا، ایک اجنبی جگہ پہ وہ کہاں گئی ہو گی؟ ولید کو حقیقتاً پریشانی ہوئی تھی، اس کے اندر اضطراب پھیل گیا تھا۔
''مجھے کیا پتہ۔'' عروفہ چڑ گئی تھی۔
''حد ہے یار۔'' ولید کو ایک دم غصہ آ گیا۔
''کم از کم تم نے خبر تو رکھنی تھی۔''
''اتنے میرے ذرائع نہیں ہیں، نہ میرے پاس جاسوس ہیں۔'' وہ بھی عروفہ تھی، ادھار رکھنے کی قائل بالکل نہیں تھی۔
''اتنی پرواہ ہے تو خود پتا لگا لو۔''
''مائی فٹ۔'' ولید غصے میں جھنجلاتا کال ڈراپ کر چکا تھا اور اب سر پکڑ کر پلنگ پہ بیٹھا تھا، نشرہ گم گئی تھی؟ اغواء ہو چکی تھی؟ کہاں گئی تھی؟ اس کا پورا سر چکرا رہا تھا۔

☆☆☆

اسے اسٹرابیریز کی جھاڑیوں کے پاس سرخ آنچل لہراتا دکھائی دیا تھا۔
وہ محتاط انداز میں پگڈنڈی پہ چل رہی تھی، اچانک اسے سرخ لہراتے آنچل نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، وہ تیزی سے جھاڑیوں کے قریب آ گئی، وہاں واقعی کوئی تھا، بلکہ تھی، گلالئی خوبصورت اور نیک دل پڑی، نیل بر کا دل بے ساختہ خوش ہو گیا تھا۔
اتنے دنوں بعد گلالئی کا مہربان چہرہ دکھائی دیا تھا، نیل بر کو بے پناہ خوشی ہوئی۔

''تم کب واپس آئی ہو گلالئی؟''
''کچھ دن پہلے۔'' گلالئی نے مڑ کر حیرانگی سے اسے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے نیل بر کے قریب آئی، وہ اسے پہچان چکی تھی۔
''تم کیسی ہو نیل بر، کچھ کمزور لگ رہی ہو۔'' اس نے پیار سے اس کے گال تھامے اور فکر مندی سے کہا تھا۔
''ہاں میں کنسیو کر رہی ہوں نا، تو اسی وجہ سے۔'' نیل بر نے ذرا شرماتے ہوئے بتایا تھا، گلا لئی لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گئی تھی اور پھر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکان چمکی۔
''بہت مبارک ہو۔''
''تھینکس۔'' نیل بر نے مسکرا کر کہا۔
''جہاندار مجھے باہر نہیں نکلنے دیتا وہ اپنے بچے کے لئے بہت کانشس ہے، میں گھر میں اکیلے رہ رہ کر بہت بور ہو جاتی ہوں۔'' اب وہ بیزاری سے بتا رہی تھی۔
''تو میری طرف آجایا کرو۔'' گلالئی نے محبت بھری آفر کی۔
''ہاں، اب تو ضرور۔'' اس نے حامی بھر لی تھی۔
''میں نے تمہیں بہت مس کیا۔'' اب وہ گلالئی کو بتا رہی تھی۔
''ایک ہی تو سہیلی بنی تھی، وہ بھی غائب ہو گئی۔'' اس نے بے ساختہ شکوہ کیا۔
''ہاں، مجھے مورے نے اپنے پاس روک لیا تھا۔'' جواباً اس نے تفصیل سے بتایا تھا۔
''اب تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' نیل بر، گلالئی سے وعدہ لے رہی تھی۔
''ہاں، نہیں جاؤں گی، میں نے کہاں جانا ہے۔'' گلالئی نے وعدہ دے دیا تھا، کچھ دیر خاموشی کا وقفہ آ گیا، اس دوران نیل بر ماحول کی خوبصورتی میں کھو گئی تھی، کچھ دیر بعد ذرا جھجک کر گلالئی نے نیل بر سے پوچھا۔
''کیا تمہیں جہاندار مجھ سے ملنے کے لئے منع نہیں کرتا؟''
''ارے نہیں۔'' نیل بر نے برجستہ کہا۔
''وہ کیوں منع کرے گا؟''
''ویسے ہی۔'' صاف لگ رہا تھا، وہ ٹال رہی ہے۔
''جہاندار نے تو مجھے خود کہا، وادی میں گلالئی کے پاس چلی جایا کرو، اچھی کمپنی دے گی۔'' نیل بر اپنے اڑتے بالوں میں انگلیاں پھیرتی کسی خیال کے اثر میں چلی گئی تھی، گلالئی اسے بے خود ہو کر دیکھنے لگی، نیل بر سے بھی جہاندار کا خیال ہٹ سکتا تھا؟ جہاں نیل بر تھی وہاں گلالئی کا کھوٹا سکہ چل سکتا تھا۔
''ہاں، مجھے خوشی ہو گی، تم گھر چلو نا۔'' گلالئی نے اصرار کیا۔
''نہیں، مجھے تمہاری سوتیلی امی کو دیکھنے کا شوق نہیں۔'' اس نے ناک چڑھائی۔
''وہ اتنی بری بھی نہیں ہیں۔'' گلالئی ہنس پڑی۔
''اتنی اچھی بھی نہیں۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔

''آؤ تمہیں ملواتی ہوں۔'' وہ اسے شاید اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی مگر نیل بر نے ٹال دیا۔
''پہلے تم آؤ، حویلی میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہوتا، پولو گراؤنڈ کے پیچھے بس الو بولتے ہیں۔'' نیل بر ناک سیکڑ کر بتا رہی تھی، جیسے اپنی تنہائی سے بہت بیزار تھی۔
''اچھا، تمہاری تنہائی دور کرنے والا آجائے گا۔'' اس نے پیار سے کہا تھا۔
''پتا نہیں کب؟'' وہ اس کی بات سمجھے بغیر ہی بول پڑی۔
''اپنے وقت پر ہی نا۔'' گلالئی اس کی بے چینی پر ہنس پڑی تھی، نیل بر بھی سمجھ کر شرمندہ ہوگئی اور پھر اس کی ہنسی بھی وادی میں دور دور تک پھیل گئی تھی، جب وہ واپس مڑی تب تک گلالئی بھی جا چکی تھی۔
وہ پگڈنڈی پر احتیاط سے چلتی اوپر جا رہی تھی، جب اس کے سر پہ کسی نے بیر مارا تھا، اس نے ہڑبڑا کر اوپر دیکھا، وہاں امام کھڑا تھا، جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔
''کبھی گھر میں بھی ٹک جایا کرو، جب دیکھو، پہاڑیوں میں اترتی چڑھتی دکھائی دیتی ہو۔''
''گھر سے ہی آرہی ہوں، بور ہو ہو کر۔'' اس نے ترنت جواب دیا تھا۔
''تمہارے میاں سے شکایت کروں گا۔'' اس نے نیل بر کو ڈرایا تھا۔
''تو کر لینا، آئی ڈونٹ کیئر۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔
''وہ تمہیں گھر میں باندھ کر نہیں رکھتا، یہ بندروں کی طرح اچھل کود چھوڑ دو۔'' ایک دم وہ اس قدر خیال رکھنے والے انداز میں بول رہا تھا، جیسے اسے نیل بر کی بہت پرواہ ہو، یا نیل بر اس کے لئے بہت ہی قیمتی ہو، نیل بر حیران رہ گئی تھی اور شاید وہ بھی اس کی حیرانگی کو محسوس کر چکا تھا۔
''مطلب تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔'' اس نے نگاہ چرالی تھی۔
''ہاں، رکھتی تو ہوں۔'' وہ گلالئی کا لیکچر سن کر پہلے سے ہی بور ہو چکی تھی۔
''تمہیں احساس نہیں کہ تمہارے پاس جہاندار کا قیمتی اثاثہ ہے۔'' امام گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا۔
''سنا ہے، یہاں کوئی پولو میچ ہونے والا ہے۔'' کچھ دیر بعد امام نے گفتگو کا رخ بدل دیا تھا۔
''ہاں، جہاندار بھی بتا رہا تھا۔''
''چلو، تمہاری بوریت تو دور ہو جائے گی۔''
''مجھے شوق ہے نا دلچسپی۔'' نیل بر نے منہ بنا کر کہا۔
''اور یہ میچ نہیں، فساد ہے، تمہیں نہیں پتا۔''
''کیسا فساد؟'' امام چونک پڑا تھا۔
''یہاں کانٹے کا مقابلہ ہوگا، خون کی ہولی کھیلی جائے گی، دعا کرو، یہ میچ ہی ٹل جائے۔'' نیل بر نے غم زدہ لہجے میں بتایا تھا۔
''مگر کیوں؟'' امام کا رنگ متغیر ہوا تھا۔
''یہ ٹورنامنٹ جہاندار کروا رہا ہے۔''
''ہاں یہ تو پتا ہے۔''

''اور صندیر لالا کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوگا، وہ ان کو پچھاڑے گا، اس پر فساد مچے گا، اس کے اندر بہت انتقام بھرا ہوا ہے۔'' نیل بر لب بھینچے بتا رہی تھی۔

''وہ ان دشمنیوں میں بہت آگے نکل چکا ہے، وہ پلٹنے والا نہیں۔''

''تم حوصلہ کرو نیل بر۔'' امام بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

''ہم یہاں غیر محفوظ ہو جائیں گے۔'' اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں، وہ آنے والے حالات سے خوفزدہ لگتی تھی، امام کو تسلی دینے کے لئے الفاظ کم پڑنے لگے تھے۔

جو خطرہ نیل بر محسوس کر رہی تھی، وہ خطرہ امام کب کا محسوس کر چکا تھا۔

''وہ تم لوگوں کو غیر محفوظ نہیں کرے گا، بھروسہ رکھو۔'' بڑے پھاٹک کے قریب آتے ہوئے امام نے بس اتنا ہی کہا تھا، اس کی نگاہیں اب بھی بڑی حویلی کی نخریلی بالکونیوں پر جمی تھیں، جہاں آج کوئی فرخزاد نہیں کھڑا تھا، مگر اس کی جگہ ریلنگ پہ کہنیاں ٹکائے جہاندار کھڑا تھا، ویسے ہی مضبوطی کے ساتھ تن کے، جیسے کوئی اسے پچھاڑ نہ سکتا ہو، امام نے گہرا سانس بھرا اور جہاندار کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

☆☆☆

''بڑا بہناپا جوڑ لیا تم نے سرویئر سے۔'' نیل بر جیسے ہی بڑے ہال میں سے گزری وہ سیڑھیاں اترتا دکھائی دیا تھا، اپنے کف موڑتا ہوا، مصروف انداز میں۔

''کسی سے تو اس جنگل میں بہناپا جوڑنا ہی تھا۔'' نیل بر نے تنک کر جواب دیا تھا۔

''تو وہ گلالئی؟'' جہاندار کا انداز سوالیہ تھا۔

''اس سے بھی فرینڈ شپ ہے میری۔'' ناک چڑھا کر بتایا گیا۔

''دوستوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوتا جا رہا۔'' جہاندار کا انداز چھیڑنے والا تھا۔

''تو اور کیا کروں؟ ان جنگلوں میں اور کوئی مصروفیت ہے؟'' اس نے آف موڈ سے جواب دیا تھا، جہاندار کو باہر نکلنے کے لئے پر تولتے دیکھ کر اس کا ایسے ہی موڈ خراب ہو جاتا تھا۔

''تمہیں اسلام آباد شفٹ کر دوں؟'' اچانک ہی جہاندار گھوم کر اس کے سامنے آ گیا تھا، نیل بر حیران ہی تو رہ گئی، اسے اسلام آباد کا اچانک خیال کیسے آیا؟

''کیوں؟'' اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

''خود ہی تو کہتی ہو، جنگلوں میں دل نہیں لگتا۔'' جہاندار نے اس کا شکوہ دہرایا تھا۔

''مگر اب تو لگ گیا ہے۔'' نیل بر نے پینترا بدلا۔

''لیکن تم غیر محفوظ ہو یہاں۔''

''نہیں، اب ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ فوراً مکر گئی تھی، جہاندار اس کے مکرنے پہ محظوظ ہوتا رہا۔

''اور یہ جناب کہاں نکلنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔'' نیل نے اسے تیار دیکھ کر فوراً گفتگو کا رخ بدلا تھا۔

''میں ذرا اصطبل جا رہا تھا، یو نو، پولو میچ کی تیاریاں اپنے عروج پہ ہیں۔'' نیل بر پولو میچ کا

سن کر ہراساں ہوگئی تھی۔

''کیا یہ میچ کینسل نہیں ہوسکتا؟'' اس نے بہت دیر بعد خوفزدہ لہجے پہ قابو پاتے ہوئے پوچھا تھا، اس کے باوجود نیل بر کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ہاں ہوسکتا ہے۔'' جہاندار نے دیوار پہ لٹکی گن کی طرف ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''ہیں؟ واقعی۔'' نیل بر بے ساختہ خوش ہوگئی تھی۔

''واقعی، مگر ایک صورت میں۔'' جہاندار کا انداز نا قابل فہم تھا۔

''کیسی صورت؟'' نیل بر متحیر ہوئی۔

''میں یا تم کسی حادثے کا شکار ہو جائیں، بس ایک ہی صورت ہے پولو میچ کینسل ہونے کی، اس کے علاوہ دنیا کی کوئی طاقت اس میچ کو نہیں روک سکتی، صندیر خان بھی نہیں، کیونکہ اسے شکست خوردہ ہونے سے کوئی بھی بچا نہیں سکتا، پچھلے کئی برس سے مسلسل جیت کا مزہ لوٹنے والے کی ''ہار'' کا لطف بھی کمال کا ہوگا، مجھے صندیر خان کو بدترین شکست سے دوچار کرنا ہے۔'' وہ اس کی حیرت سے پھٹی آنکھوں میں دیکھتا بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''تم پریشان مت ہو، یہ کھیل ہے بس، کوئی انتقام نہیں۔''

''کیا تم میرے کہنے پہ اسے کینسل نہیں کر سکتے؟'' بہت دیر کی خاموشی کے بعد نیل بر نے بہت مان سے کہا تھا، جیسے وہ اس کا مان رکھ لے گا اور کبھی انکار نہیں کرے گا، مان اکثر ہی ٹوٹ جاتے ہیں، جیسے نیل بر کا ٹوٹ گیا تھا۔

''میرا باپ قبر سے اٹھ کر آئے اور کہے یہ میچ کینسل کر دو، میں تب بھی نا مانوں گا نیل بر، بہت سالوں کے انتظار کے بعد یہ وقت دوبارہ آیا، میں اس موقع کو کیسے گنوا دوں، صدیوں بعد میں اور میرا حریف مدمقابل آرہے ہیں، آر یا پار تر ہونا ہی ہے، ایک جیتے گا، ایک ہارے گا۔'' جہاندار گہرا سانس بھرتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا، جیسے اس معاملے میں خود کو بے بس پاتا تھا۔

''تو کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ہار جاؤ؟''

نیل بر کی عجیب فرمائش نے جہاندار کو لمحہ بھر کے لئے سن کر دیا تھا، وہ حیرت سے نیل بر کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک دم بہت سرد لہجے میں بولا تھا۔

''نہیں۔'' اور اس کے قریب سے گزر کر باہر نکل گیا۔

(جاری ہے)

ہتھیلی کا چاند

سباس گل



پیار، محبت، عشق، بلا یہ
زندگی کی ضمانت ضبط کرنے کے
حسین ہتھیار ہیں پیارے
ہتھیلی کے چھالے
پاؤں کے آبلے
آنکھ کے آنسو
دل کے درد
روح کی بے قراری سے سنے
ہوئے سب
جبیں سجدے میں رکھتے ہیں
لاحاصل ہو اگر چاہت
تو مٹی قبر کی اس کے لئے تیار رکھتے ہیں

سلویٰ نے اپنی ڈائری میں اپنی شاعری لکھتے ہوئے قلم روکا اور سامنے ایستادہ اپنے سے دو سال بڑی غنویٰ کی طرف دیکھا جو اس کی شاعری سن چکی تھی اور کسی سوچ میں گم تھی۔

''بندہ شاعری سن کے واہ واہ ہی کر دیتا ہے۔'' سلویٰ نے غنویٰ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاہاہا، میں بندہ نہیں ہوں، بندی ہوں سمجھی۔''

''اوریئلی، یہ تو میرے لئے بریکنگ نیوز ہے ڈیئر۔'' سلویٰ نے طنزاً مسکراتے ہوئے کہا۔

''شٹ اپ۔''

''کیوں شٹ اپ؟ اتنی روتی بسورتی شکل بنا کر میرے سامنے بیٹھ گئی ہو شاعری کیا خاک اچھی ہوگی، میری مانو یہ صورت لے کر اللہ تعالیٰ کے روبرو بیٹھ جاؤ وہ بہت سخی ہیں ترس کھا کر کچھ نہ کچھ نہیں بہت کچھ عطا فرما دیں گے تمہیں۔'' سلویٰ نے غنویٰ کو دیکھتے ہوئے مفت مشورہ دیا۔

''میں یاسر کی وجہ سے پریشان ہوں سلویٰ۔'' غنویٰ نے اپنے منگیتر ''یاسر حسین چوہدری'' کا نام لے کر کہا۔

مکمل ناول



''کیوں؟ کیا ہوا اسے؟''
''وہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح ٹیپکل قسم کا سیاستدان بنتا جا رہا ہے مرنے، مارنے کی باتیں کرتا ہے۔'' غنویٰ نے پریشان لہجے میں بتایا۔
''کس کو مارنے کی باتیں کرتا ہے؟''
''اپنے مخالفوں کو۔'' غنویٰ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''یعنی، جان سے مار دیتا ہے؟''
''ہاں...... اور جان سے نہ بھی مارے تو بھی، جینے جوگا نہیں چھوڑتا۔'' غنویٰ بولی۔
''یہ تم محبت کا ذکر کر رہی ہو یا اس کی سیاست کا؟'' سلویٰ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''دونوں کا، اب تم سارہ کو ہی دیکھ لو، نہ زندوں میں ہے نہ مردوں میں، محبت نے وہاں لا کر پھینکا ہے جہاں پانی بھی نہیں ملتا، لوگ سمجھتے ہیں کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہے بہت مزے اور عیش میں رہتی ہے اسے بھلا کس چیز کی کمی ہو سکتی ہے یا ہے؟'' غنویٰ اپنی دوست سارہ کا ذکر لے بیٹھی۔
''لوگ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں اسے کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے سوائے محبت کے اور محبت کوئی چیز نہیں ہوتی کہ باہر جائیں اور چند ہزار روپے دے کر خرید لائیں اور حسب ضرورت استعمال کرتے رہیں، محبت تو عطا ہے، انعام ہے، الہام ہے جو بہت ہی خاص لمحوں میں بہت ہی خاص دلوں پر اترتا ہے اور جنہیں محبت نہیں ہوئی کسی سے وہ عام لوگ ہوتے ہیں ان کی سوچ اور نگاہ میں محبت بھی مولی گاجر، ملک پیک یا انڈے، ڈبل روٹی جیسی ہوتی ہے جب بھوک لگی خرید لی جتنی بھوک لگی کھا لی باقی رکھ دی فریج میں من کیا تو دوبارہ نکال کر کھا لی ورنہ فریج میں پڑی پڑی خراب ہو جاتی ہے، پھپھوند لگ جاتی اسے بھی، محبت اگر ضرورت کی بجائے خوشی کی بجائے، بھوک بن جائے تو محبت نہیں رہتی، ہوس بن جاتی ہے اور ہوس چار دن کی چند لمحوں کی ہوا کرتی ہے، جبکہ سچی محبت عمر بھر کی ہوتی ہے، ہوس اور لالچ سے پاک، زندگی بھر کے لئے، آخری سانس تک کے لئے ہوا کرتی ہے، پتا نہیں لوگ بنا محبت کی زندگی کیسے جی لیتے ہیں؟ میں تو بنا محبت کے مروں بھی نہ۔'' سلویٰ نے بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتے ہوئے فلسفہ محبت بیان کیا۔
''یعنی موت کا فرشتہ بھی اگر آ کر تم سے کہے کہ سلویٰ آئی لو یو، مجھے تم سے محبت ہے، تو تم اس کے ساتھ خوشی خوشی چل دو گی۔'' غنویٰ مسکراتے ہوئے بولی۔
''ہاں بالکل۔''
''پاگل ہو تم تو محبت کے دھوکے میں موت کو گلے لگا لو گی حد ہے۔'' غنویٰ کو اس کی ذہنی حالت پہ شبہ ہونے لگا تھا۔

محبت نام کا دھوکا
کسے اچھا نہیں لگتا؟
محبت کی انگلی تھامے
دور افق پر پہروں چلنا
چاند سے اس کے مکھڑے کو ملانا
چاند کو ماند کہہ جانا
اور اس کو پورا چاند بتانا
کسے اچھا نہیں لگتا؟
محبت نام کا دھوکا
کسے اچھا نہیں لگتا ہے؟

سلویٰ نے فی البدیہہ نظم کہہ ڈالی محبت پر غنویٰ نے نفی میں سر ہلایا، ہنسی اور کہنے لگی۔
''ابھی چند منٹ پہلے تو تم محبت کی شان میں صفحے کالے کر رہی تھیں، اب کہہ رہی ہو محبت

نام کا دھوکا محبت اگر دھوکا ہے تو کوئی جانتے بوجھتے کیوں کھائے گا یہ دھوکا؟''

''یہی تو طلسم ہے اس لفظ محبت میں کے دھوکے کہ گمان اور خدشے کے باوجود لوگ اسے خوشی خوشی کھا لیتے ہیں، دستر خوان پر ہزار نخرے کر کے کھانا کھانے والے، محبت کی میز پر فوراً بسم اللہ پڑھ لیتے ہیں اور محبت نام کا دھوکا مزے لے کر کھاتے ہیں، رکتے تب ہیں جب محبت ہضم نہیں ہوتی، نہ نگلتے بنتی ہے نہ ہی اگلتے، بس پھر درد لے کر اندر ہی اندر برداشت کیے جاتے ہیں، آنکھوں سے اشک بھی بہاتے ہیں، کسی حکیم ڈاکٹر کے پاس اس مرض محبت کا علاج بھی نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ جس نے یہ درد محبت، محبت نام کا دھوکا دیا ہوتا ہے۔'' سلویٰ نے سنجیدگی سے بلکہ تفصیل سے جواب دیا تو غنویٰ نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''اف تمہارا یہ فلسفہ محبت سن کر میرا سر درد پھٹ رہا ہے میں جا رہی ہوں آئس کریم کھانے تم کھاؤ محبت نام کا دھوکا۔'' غنویٰ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں دھوکا نہیں کھاؤں گی۔'' سلویٰ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

''تو کیا آئس کریم کھاؤ گی؟ لاؤں تمہارے لئے بھی؟ ٹھنڈے دماغ سے سوچو گی تو تمہارے خیالات میں تبدیلی آ جائے گی۔''

''نہیں میں جسے بھی چاہوں گی وہ مجھے دل سے چاہے گا۔'' سلویٰ کا یقین قابل دید تھا۔

''محبت کے بارے میں ہر کسی کو یہی خوش فہمی، خوش گمانی ہوتی ہے مگر، محبت کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے، درد جدائی اور آنسو محبت صرف سماجی رکاوٹوں کی بنا پر لا حاصل رہ جائے تو گہرا دکھ گھیر لیتا ہے اور محبت میں محبوب دھوکا دے جائے تو اپنے آپ پر غصہ آتا رہتا ہے، پچھتاوا بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے اس احساس کے ساتھ کے ہم نے ایک ناقدرے ناشکرے اور دھوکے باز انسان کو اپنی محبت کے قابل سمجھا تو کیسے سمجھا؟ اپنے سچے کھرے پاک و پاکیزہ جذبے ایک غلط انسان پر کیوں لٹائے؟'' غنویٰ نے گہرے لہجے میں سنجیدگی سے کہا اسی وقت صائمہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں، اور غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''محبت نامہ ختم ہو گیا ہو تو باہر نکل آؤ کمرے سے اور ہنڈیا چڑھا لو، روٹی پکا لو، دوپہر کے کھانے میں کیا سب کو محبت کی نظمیں پیش کرنے کا ارادہ ہے؟''

''نہیں تو، آپ چلیں ہم آ رہے ہیں۔'' سلویٰ نے فوراً اپنی ڈائری تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے کہا اور بستر سے اتری۔

''جلدی آ جاؤ۔'' صائمہ بیگم یہ کہہ کر کمرے سے چلی گئیں۔

''ہمارے نصیب میں تو بس کھانا پکانا لکھا ہے محبت کا پھل کھانا نہیں لکھا۔'' سلویٰ نے پاؤں میں جوتے پہنتے ہوئے کہا تو غنویٰ بولی۔

''ایک دن ضرور لکھا جائے گا فکر نہ کرو، ابھی روٹی پکاؤ میں سالن چڑھاتی ہوں۔''

''اچھا۔'' سلویٰ آستین چڑھانے لگی۔

''آستین کیوں چڑھانے لگیں؟'' غنویٰ نے پوچھا۔

''آٹا کون گوندھے گا؟''

''تم۔'' غنویٰ نے کہا تو دونوں ہنس پڑیں اور کمرے سے کچن کی طرف رخ کیا۔

☆☆☆

افتخار حسین چوہدری اور صائمہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، یہ الگ بات تھی کہ افتخار حسین

چوہدری نے اپنی محنت، ایمانداری اور قابلیت کے بل پر معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر لیا تھا، بڑا سا کشادہ اور خوبصورت گھر، گاڑی یونیورسٹی کی پروفیسری سے حاصل کردہ رقم سے ہی بنا پائے تھے، ان کے دو بیٹے تھے ابصار حسین، اسرار حسین ان سے چھوٹی دو بیٹیاں تھیں غنویٰ اور سلویٰ۔

ابصار حسین، اسرار حسین اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہت اچھی ملازمتوں پر فائز تھے اور شادی کے بعد الگ شہروں میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مقیم تھے، شہر سے باہر جانا ان کی ملازمت کی مجبوری تھی، ابصار حسین کو کمپنی کی طرف سے رہائش میسر تھی، جبکہ اسرار حسین نے حال ہی میں وہ گھر خرید لیا تھا جس میں وہ دو سال سے کرایے دار کی حیثیت سے مقیم تھے، ماں باپ کو بیٹوں کی طرف سے اطمینان تھا، غنویٰ کی منگنی افتخار حسین کے بڑے بھائی انتظار حسین چوہدری کے بیٹے یاسر حسین سے ہو چکی تھی، انتظار حسین چوہدری ایک بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست دان بھی تھے، ان کے دو بیٹے تھے، عامر حسین چوہدری اور یاسر جو امریکہ سے تعلیم حاصل کر کے واپس پاکستان آیا تھا اور باپ کے کہنے پر سیاست میں حصہ لے رہا تھا، افتخار حسین چوہدری کا اپنے آبائی گاؤں سے ناطہ صرف بھائی کی وجہ سے تھا ورنہ وہ تو برسوں پہلے گاؤں کو خیر باد کہہ کر شہر میں آباد ہو گئے تھے، انہیں سیاست سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی اور بڑے بھائی کی کرپشن زدہ سیاست بھی انہیں سخت ناپسند تھی، کبھی کبھار جب ان دونوں بھائیوں کی آپس میں ملاقات ہوتی تو دونوں ایک دوسرے کو اپنے حق میں قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات کی صورت نکلتا تھا۔

غنویٰ اور سلویٰ دونوں ہی بہت حسین و جمیل تھیں، ان کے لئے اپنوں کیا غیروں سے بھی رشتے آیا کرتے تھے، سرخ و سفید رنگت والے، گھنے سیاہ سلکی بالوں، دلکش نین نقوش اور مناسب قد کاٹھ کے ساتھ دونوں اعلیٰ اخلاق کی مالک بھی تھیں گھرداری میں بھی طاق تھیں۔

غنویٰ نے فزکس میں ماسٹرز کیا تھا ابھی ایک ماہ پہلے ہی اس کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا اور اس نے جاب کے لئے اپلائی کر دیا تھا، سلویٰ بہت رومانوی مزاج رکھنے والی حساس طبیعت کی مالک تھی، شاعری، میوزک، ڈرامہ، کتاب بینی، باغبانی جیسے شوق تھے اس کے اور خود شاعری بھی کیا کرتی تھی اور مختلف اخبار و رسائل میں اس کی شاعری شائع بھی ہوا کرتی تھی، کبھی کبھار ریڈیو سے بھی اس کی شاعری نشر ہو جاتی تھی اور سننے والوں کی پسندیدگی کی سند پاتی تھی، سلویٰ نفسیات میں ایم ایس سی کر رہی تھی عمر اکیس سال تھی، غنویٰ کو یاسر نے امریکہ سے واپسی پر اس کے گھر دو دن کے قیام کے دوران دیکھا اور پسند کیا تھا، شادی کے لئے انتظار حسین چوہدری اور ان کی بیوی ریحانہ بیگم کو اس رشتے پر اعتراض تھا کیونکہ وہ یاسر کی شادی کسی بہت بڑے سیاستدان یا کاروباری شخص کی بیٹی سے کرنا چاہتے تھے ان کے جاننے والوں اور دوست احباب میں چند ایسے لوگ تھے بھی جن کی بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں، مگر یاسر چونکہ امریکہ میں اٹھ سال گزار کر لوٹا تھا، لہٰذا وہ اپنی مرضی، آزادی اور شادی کے فیصلے میں خود مختار تھا، اس کی پسند اور ضد کے سامنے انتظار حسین چوہدری کو اس شرط پہ اس کی بات ماننا پڑی کے وہ ان کے ساتھ آئندہ انتخابات میں حصہ لے گا، یاسر کو مجبوراً ان کی شرط ماننا پڑی اس طرح اس کی منگنی غنویٰ کے ساتھ

دھوم دھام سے کردی گئی، یاسر کو بہت اچھی بڑی ملٹی نیشنل انٹرنیشنل کمپنیوں کی طرف سے ملازمت کی پیشکش ہو چکی تھیں، وہ ان پر غور بھی کر رہا تھا مگر فی الحال وہ کسی پر اپنے ارادے ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، کہ وہ کیا پلان کر رہا ہے، مگر وہ یہاں کے ماحول، سیاست اور اپنے والدین کے فکر و خیال کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پا رہا تھا، ظلم، نا انصافی، بے ایمانی، رشوت خوری کی سیاست اسے بے چین کر رہی تھی، وہ یہ نظام یہ مزاج سیاست ختم کرنے یا بدلنے کے لئے خود کو بے بس تصور کر رہا تھا۔

ڈور بیل متواتر بڑے زور و شور سے بج رہی تھی، غنوی نہا رہی تھی، صائمہ بیگم ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں، سلوی سالن پکا رہی تھی، افتخار حسین چوہدری یونیورسٹی میں تھے مجبوراً سلوی کو گیٹ پر دیکھنے کے لئے جانا پڑا، گیٹ میں لگی ڈور دیو ئیر سے اس نے دیکھا کوئی شخص کھڑا گیٹ کھلنے کا منتظر تھا، اس نے اندر سے ہی پوچھا۔

''کون ہے؟''

''میں وجاہت سعید ہوں اسلام آباد سے آیا ہوں افتخار صاحب سے ملنا ہے۔'' آنے والے نے اپنے تعارف کے ساتھ ساتھ اپنے آنے کا مقصد بھی بیان کیا تو سلوی نے چند لمحے توقف کے بعد گیٹ کھول دیا۔

''السلام علیکم!'' آنے والے وجیہہ و شکیل شخص نے اس کے کندن چہرے پر نگاہ پڑتے ہیں ہی سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' سلوی نے وجاہت سعید کو اور اس کے عقب میں کھڑی بڑی سی گاڑی کو قدرے حیرانگی سے دیکھا تھا۔

''ابو تو اس وقت یونیورسٹی میں ہوتے ہیں آپ ٹھہریئے میں انہیں کال کرتی ہوں۔'' سلوی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''او کے کیا میں اندر سایے میں کھڑا ہو سکتا ہوں یہاں بہت تیز دھوپ ہے۔'' وجاہت سعید نے اس حور شمائل لڑکی کو دیکھتے ہوئے اجازت طلب لہجے میں کہا۔

''دھوپ ہے تو کیا ہوا؟ آپ موم کے بنے ہوئے ہیں کہ پگھل جائیں گے اور ویسے بھی آپ میرے لئے انجان ہیں میں بنا کنفرم کیے آپ کو گھر کے اندر کیسے آنے دوں؟'' سلوی نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے پہلے آپ افتخار انکل سے کنفرم کر لیں میرے بارے میں۔''

''ارے ابھی تو آپ افتخار صاحب کہہ رہے تھے اور اب ایکدم سے انکل بنا لیا واہ بھئی لوگ رشتے داری تو فوراً بنا لیتے ہیں۔'' سلوی نے تیزی سے کہتے ہوئے افتخار حسین چوہدری کا نمبر ملایا، وہ مسکراتے ہوئے واپس اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا، اسلام آباد سے بائے روڈ لاہور پہنچتے پہنچتے موسم کافی گرم ہو گیا اور اے سی والی گاڑی سے آگ برساتے سورج کے نیچے کھڑے ہونا کسی امتحان سے کم نہ تھا۔

''سلوی بیٹا! اچھا کیا آپ نے فون کر لیا میں آپ سب کو بتانا بھول ہی گیا تھا کے میرے کالج کے زمانے کے دوست سعید رضا احمد اپنے بیٹے کو یہاں بھیج رہے ہیں بزنس کے سلسلے میں، تو میں نے ہی پرانی دوستی اور محبت ناتے ان سے کہا تھا کہ وجاہت بیٹے کو کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے انکل کا گھر حاضر ہے تو بیٹا آپ انہیں اندر بلا لیں بٹھائیں چائے پانی پلائیں کھانا تیار کریں اور گیسٹ روم بھی ٹھیک کر لیں میں تھوڑی دیر تک، پہنچتا ہوں گھر۔'' افتخار

حسین چوہدری نے تفصیل سے جواب دیا۔

''او کے ابو! اللہ حافظ۔'' سلویٰ فون بند کر کے مڑی تو وجاہت سعید کی گاڑی اسٹارٹ کرتے دیکھا غالباً وہ اس کی میزبانی قبول نہ کرتے ہوئے کسی ہوٹل میں جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔

''او ہیلو، کہاں چلے؟ گاڑی اندر لے آیئے۔'' سلویٰ فوراً گیٹ کھولتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کنفرم کر لیا آپ نے؟'' وجاہت سعید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ظاہر ہے کنفرم کیے بغیر کیسے اندر بلا لیتی؟'' سلویٰ نے ایک سائیڈ پر ہوتے ہوئے جواب دیا، وہ مسکراتے ہوئے گاڑی اندر لے آیا۔

''ویسے یہ اچھی عادت ہے کے آپ کسی انجان شخص کو گھر میں نہیں آنے دیتیں لیکن خود بھی کسی انجان علاقے میں بن بتائے، بغیر اجازت کے مت جایا کریں، اگر کسی نے واپس نہ جانے دیا آپ کو تو کیا کریں گی؟'' وجاہت سعید نے اس کی دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں کسی انجان جگہ یا علاقے میں نہیں جاتی، آپ تشریف لایئے ابو کچھ ہی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے۔'' سلویٰ نے اس کی طرف دیکھ کر تیزی سے کہا اور لکڑی کے بڑے سے منقش دروازے کو کھول کر اندر چلی آئی، وجاہت سعید بھی اس کی پیروی میں ڈرائنگ روم میں آ گیا، سلویٰ نے لائیٹس اور اے سی آن کر کے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور صائمہ بیگم کو اس کے آنے اطلاع مکمل کوائف کے ساتھ دیتے ہوئے اس کے پاس ڈرائنگ روم میں بھیج دیا اور خود کچن میں آ گئی وہ کوفتے پکا رہی تھی، اب امی نے مہمان کی وجہ پلاؤ اور چکن قورمہ بنانے کا بھی کہہ دیا تھا، ساتھ میں کچھ میٹھا بھی، اس وقت دن کا ڈیڑھ بج رہا تھا، وقت کم تھا اور پکوان زیادہ اس نے فریج سے پانی اور جوس دونوں ہی الگ الگ خوبصورت گلاسوں میں ڈال کر ٹرے میں رکھے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھے وجاہت سعید کو دینے چلی آئی۔

''شکریہ اس وقت ٹھنڈے پانی کی شدید طلب ہو رہی تھی۔'' وہ پانی کا گلاس اٹھاتے اس کے آنچل کے ہالے میں چمکتے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

''ویلکم، یہ جوس بھی آپ ہی کے لئے ہے پی لیجئے۔'' سلویٰ نے اخلاقاً ذرا سا مسکرا کر کہا اور ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر وہاں سے چلی آئی۔

''یہ میری چھوٹی بیٹی ہے سلویٰ، نفسیات پڑھ رہی ہے آخری سال ہے یونیورسٹی کا۔'' اس کے جانے کے بعد صائمہ بیگم نے نجانے کس خیال کے تحت وجاہت سعید سے سلویٰ کا تعارف کرایا تھا۔

''اچھا ماشاء اللہ! ڈیڈی نے بتایا تھا مجھے کے افتخار انکل کے چار بچے ہیں دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔'' وجاہت سعید نے پانی پی کر گلاس میز پر رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں ماشاء اللہ! بیٹے بیوی بچوں والے ہو گئے اپنے اپنے گھروں میں خوش ہیں ان سے چھوٹی عظمیٰ ہے اس کی منگنی ہو چکی ہے اور سب سے چھوٹی سلویٰ ہے الگ ہی مزاج ہے اس لڑکی کا بھی اپنے ابو کی لاڈلی ہے شاعری بھی کرتی ہے اور اپنے باپ سے شعر و ادب پر خوب گرما گرم بحث ہوتی ہے اس کی۔'' صائمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''رئیلی انٹرسٹنگ۔'' وہ مسکراتے ہوئے

بولا، اسے بھی سلویٰ کے بارے میں ان سے جاننا اچھا لگ رہا تھا۔

''لو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی، اب تم یہاں رہو گے تو سب کچھ خود ہی جان لو گے، اپنی سناؤ، کام کیا کرتے ہو؟ کس قسم کا بزنس ہے بھائی صاحب کا اور تمہارا؟'' صائمہ بیگم کو ایکدم سے ہی احساس ہوا تو اس سے رسمی سے سوال پوچھنے لگیں، حالانکہ سعید رضا احمد کے نام کام اور کاروبار کے متعلق وہ شوہر کی زبانی اتنا کچھ سن چکی تھیں اب تک کے انہیں سب کچھ ازبر ہو گیا تھا، مگر وہ کہتے ہیں ناکہ بات کرنے کو کچھ تو بہانہ چاہیے، تو بس اسی خیال کے تحت وہ وجاہت سعید سے سوال کر رہی تھیں اور کچن میں سلویٰ کی مدد کو غنویٰ بھی آ گئی تھی اور دونوں نے مل کر بہت مزیدار لنچ تیار کر لیا تھا، پلاؤ، چکن قورمہ، کوفتے، سلاد، رائتہ، روٹی اور میٹھے میں کسٹرڈ کیک بنایا تھا، افتخار حسین چوہدری کے گھر آنے پر وجاہت سعید نے ان سب کی مہمانداری کا لطف اٹھاتے ہوئے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور دل سے کھانے کی تعریف کی۔

''انکل! آنٹی کھانا بہت مزیدار تھا۔''

''مزیدار کیسے نہ ہوتا ہماری پیاری بیٹیوں نے جو پکایا تھا، ہماری بیٹیاں ماشاء اللہ بہت سگھڑ ہیں۔'' افتخار حسین چوہدری نے بہت فخریہ انداز میں اپنی بیٹیوں سلویٰ اور غنویٰ کی تعریف کی تو وہ بھی خوشی سے مسکرا دیں، جبکہ وجاہت سعید کی آنکھوں نے سلویٰ کے چہرے پر باپ کی تعریف کے پھیلتی دھنک رنگ کو بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

''تم یہاں بیٹھی ہو، ادھر وہ آیا بیٹھا ہے۔'' غنویٰ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سلویٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ کون؟'' اس نے ڈائری بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''محبت نام کا دھوکا۔'' غنویٰ نے مسکراتے ہوئے کھڑکی کا پردہ سرکاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' سلویٰ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''ارے بھئی ساجدہ آنٹی کا بیٹا آیا ہے چاند، نیاز لے کر۔''

''تو میں کیا فاتحہ پڑھ دوں اس کی؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''بے چارہ جان دیتا ہے تم پر۔''

''ابھی تک تو جان لئے پھر رہا ہے جب جان دیدے گا نا تب بات کرنا۔'' سلویٰ نے اپنے موبائل پر میسج چیک کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تب بات کرنے کے قابل کہاں رہے گا وہ؟''

''تم تو رہو گی نا اس کی وکالت کرنے کے لئے۔''

''میں تو ہر مظلوم کے ساتھ ہوں۔'' غنویٰ نے مسکرا کر کہا۔

''سوائے اپنے۔'' سلویٰ نے طنز کیا۔

''میں کوئی مظلوم نہیں ہوں ہاں۔'' وہ کھسیانی ہو کر بولی۔

''تو کیا ظالم ہو؟''

''نہیں معصوم ہوں۔'' غنویٰ نے اترا کر کہا۔

''معصوم ہی تو اصل ظالم ہوتے ہیں سارا فساد ہی ان کی وجہ سے برپا ہوتا ہے اور وہ آخر میں مظلوم بن جاتے ہیں کے ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں، ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں ہے، ہم کیا جانیں

ہوا کیا ہے؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟'' سلویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔
''صدقے تمہارے۔'' غنویٰ نے سر ہلا کر کہا۔
''نہ میرے صدقے مت جاؤ بلکہ اپنے صدقے اتارو شاید کسی کی محبت کی نظر لگ جائے تمہیں۔'' سلویٰ نے شوخ لہجے میں کہا۔
''محبت کی نظر نہیں لگتی محبت تو خود نظر ہے جس سے ہو جائے اس پر ٹھہر جاتی ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔''
''واہ بھئی، شاعری میں کرتی ہوں اور محبت بھری گفتگو تمہاری شاعرانہ ہے کہیں ہو تو نہیں گئی یاسر تحسین چوہدری کے ساتھ؟'' سلویٰ نے شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔
''کیا؟''
''محبت۔'' سلویٰ کا لہجہ شریر تھا۔
''خدا کا نام لو۔'' غنویٰ کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا، نگاہ چرا کر بولی۔
''محبت ہو گئی تو خدا کا نام ہی لوں گی نا، بنا محبت کے خدا کا نام کون لیتا ہے؟ اسے دن رات تنگ کون کرتا ہے؟ محبت ہو جائے اور مسئلے بھی پیدا ہو جائیں تو ان کے حل کے لئے خدا کے دروازے کو ہی تو کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔'' سلویٰ نے بڑے گہرے اور فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔
''چلو اچھا کیا بتا دیا، اب جب بھی تم خشوع و خضوع سے پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنا شروع کر دو گی میں سمجھ جاؤں گی کہ تمہیں محبت ہو گئی ہے اور خدا کرے کہ تمہیں جلد کسی سے محبت ہو جائے ورنہ یوں کافر بن کر کب تک جیو گی؟'' غنویٰ نے مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا تو وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔
''کیا مطلب ہے تمہارا؟''
''کچھ نہیں، سمجھنے والے سمجھ گئے ہیں۔'' غنویٰ یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔
''پڑھتی تو ہوں میں نمازیں اور کل پرسوں تک رمضان شروع ہو جائے گا تو ایک نماز بھی قضا نہیں کروں گی انشاء اللہ۔'' سلویٰ نے خود کلامی کی تھی۔

☆☆☆

''امی! چاند کہاں ہے؟'' سلویٰ ٹی وی لاؤنج میں آ کر بولی۔
''چھت پہ جا کے دیکھ لو آسمان پہ ہو گا۔'' صائمہ بیگم نے خبریں سنتے ہوئے مگن انداز میں جواب دیا۔
''افوہ! میں اس چاند کی بات نہیں کر رہی شیراز چاند کی بات کر رہی ہوں۔'' سلویٰ نے بے کلی سے کہا یہ دیکھے بغیر کے بائیں جانب صوفے پر وجاہت سعید بھی بیٹھا ہوا ہے۔
''وہ تو نیاز دے کر کب کا چلا بھی گیا۔''
''مجھ سے ملے بغیر وہ کیسے جا سکتا ہے؟'' سلویٰ کو غصہ آیا۔
''اس نے اور گھروں میں بھی نیاز تقسیم کرنا تھی اس لئے چلا گیا۔'' صائمہ بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
''چاند کو تو گھر گھر جانا ہوتا ہے، چاند کوئی وجاہت سعید تھوڑی ہے کہ ایک ہی گھر کے آسمان پر ٹکا رہے۔'' وجاہت سعید نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر خاصا معنی خیز جملہ بولا تھا، وہ اس کی موجودگی کی اطلاع پاتے ہی خجل سی ہو گئی مگر فوراً ہی سنبھل بھی گئی تھی۔
''کیوں؟ آپ کا کیا یہاں مستقل قیام کا ارادہ ہے؟'' سلویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
''میں نے تو آپ سے یہ سوال نہیں پوچھا

پھر مجھ سے جرح کس لئے؟'' وجاہت سعید مسکراتے ہوئے بولا لہجہ معنی خیز تھا اور وہ اتنی الجھی ہوئی تھی کے اس کے جملے اور لہجے کی معنویت اور معنی خیزی کو سمجھنے کے موڈ میں ہی نہیں تھی۔

''لو عجیب آدمی ہیں آپ خیر، امی میں جا رہی ہوں چاند دور نہیں گیا ہو گا مجھے ضروری کام ہے اس سے آتی ہوں ابھی۔'' سلویٰ نے پہلے وجاہت سعید کو دیکھتے ہوئے کہا پھر صائمہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ایسا کون سا ضروری کام ہے فون کر لو نا۔''

''نہیں امی، ملنا ضروری ہے بس میں ابھی آئی۔'' سلویٰ یہ کہہ کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

''یہ لڑکی بھی پتا نہیں کیا کیا ایڈونچر کرتی پھرتی ہے۔'' صائمہ بیگم نے خود کلامی کی تھی، وجاہت سعید کے سامنے سلویٰ کا چاند کے بارے میں اس طرح بے تکلفانہ انداز میں ذکر کرنا، پوچھنا اور اس کے پیچھے یوں چلے جانا بہت نا مناسب محسوس ہو رہا تھا مگر سلویٰ کو کون سمجھاتا یہ بات؟

''ویسے آنٹی! یہ چاند کون ہیں؟'' وجاہت سعید نے صائمہ بیگم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سلویٰ کا یونیورسٹی فیلو بھی ہے اور ہمارا محلے دار بھی ہے، اسی لائن میں گھر ہے اس کا کافی سال سے ہم لوگ جانتے ہیں، ایک دوسرے کو اچھے لوگ ہیں، چاند نک نیم ہے شیراز کا اس لئے سب اسے چاند ہی کہتے ہیں۔'' صائمہ بیگم نے تفصیل سے جواب دیا۔

''آں ہاں، ٹھیک۔'' وجاہت سعید نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

سلویٰ سر پہ دوپٹہ اوڑھے تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل رہی تھی، موڑ آیا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں وہ موڑ مڑنے کی بجائے وہیں رک کر آوازیں سننے لگیں، ان میں ایک آواز چاند کی بھی تھی۔

''نیاز دینے کے بہانے گیا تھا سلویٰ کے گھر مگر اس اپسرا کا دیدار نہیں ہو سکا۔'' چاند بتا رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں پیارے ایک دن دیدار بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا، نیاز دینے کے بہانے تیرا اچھا امپریشن پڑا ہو گا نا اس کے گھر والوں پر انہیں کیا معلوم کے تو ان کی بیٹی پہ فل ٹائم لٹو ہے۔'' چاند کے دوست امجد کی آواز تھی یہ سلویٰ نے پہچان لیا تھا اس کی آواز کو۔

''ہاہاہا دیکھ لینا میں پروفیسر کی بیٹی کو پٹا کے ہی دم لوں گا۔'' چاند ہنس کر بولا۔

''تیری تو ایسی کی تیسی۔'' سلویٰ نے یہ سن کر دانت پیسے۔

''اور وہ جو پہلے سے پٹی پٹائی ہیں رمشا اور افراء ان کا کیا بنے گا؟ شادی کس کے ساتھ کرے گا تو؟'' امجد نے ہنس کر پوچھا۔

''شادی کیے بغیر جب سب کچھ مل رہا ہو تو شادی کون بے وقوف کرے گا؟''

''یہ بھی ٹھیک کہا تو نے، تو کیا سلویٰ سے بھی شادی نہیں کرے گا؟'' امجد نے پوچھا۔

''دیکھو اگر اس نے میری محبت بھری اداکاری سے متاثر ہو کر اپنا آپ شو نہیں کرایا تو شادی تک کا فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔'' چاند خباثت سے بولا۔

''رمشا اور افراء کو کیا جواب دے گا؟ انہیں بھی تو تو نے محبت کے جال میں پھنسا رکھا ہے

نا۔'' امجد نے پوچھا تو وہ کمینگی سے گویا ہوا۔

''جال میں پھنسنے والوں کا انجام تو تجھے معلوم ہی ہے، ہاہاہا، دونوں کی رومینٹک تصویریں اور وڈیو ہے میرے لیپ ٹاپ میں جب بھی انکار یا فرار کی کوشش کریں گی وہ دکھا کر انہیں خاموش کرا دوں گا، انٹرنیٹ پر عریاں بے ہودہ تصویریں آپ لوڈ نہ ہوں اس کے بدلے میں وہ مجھے انکار نہیں کر سکیں گی کبھی اور میں مفت کی شراب پیتا رہوں گا۔''

''واہ بڑا شیطان ہے تو اس شراب کا ذائقہ ہمیں بھی چکھا دے یار۔'' امجد نے ہوس زدہ لہجے میں کہا۔

''ابھی نہیں، ابھی تو اپنا شکار انجوائے کر۔''

''کون؟ زرقا، بڑی آفت چیز ہے قسم سے۔'' امجد نے اپنی گرل فرینڈ اور کلاس فیلو زرقا کا نام لیتے ہوئے بے ہودہ لہجے میں کہا تھا ساتھ ہی دونوں کا مکروہ قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا، سلوٰی دبے پاؤں وہاں سے واپس پلٹ آئی۔

☆☆☆

''سلوٰی کسی آئے گئے کو تو دیکھ لیا کرو، کیا ضرورت تھی تمہیں وجاہت کے سامنے چاند کا ذکر کرنے اور اس سے ملنے جانے کی؟ کیا سوچتا ہو گا وہ تمہارے بارے میں ہمارے بارے میں؟'' صائمہ بیگم نے اس کے گھر پہنچنے پر اسے ڈانٹتے ہوئے کہا، تو وہ سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

''وہ ہمارے بارے میں کچھ بھی کیوں سوچیں گے؟ اور امی آپ ناحق پریشان مت ہوا کریں ہم جس پوش علاقے میں رہتے ہیں ناں وہاں لڑکی لڑکے کی دوستی، بے تکلفی بہت عام سی بات ہے یہاں کوئی نہیں سوچتا کے لڑکی نے لڑکے کے ساتھ دوستی کر رکھی ہے یا لڑکا لڑکی کا ہاتھ تھامے فلرٹ کر رہا ہے اور رہی بات میری تو میرا چاند سے ایسا ویسا، کیسا بھی کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے بس یونیورسٹی کے کام کی وجہ سے اس سے اپنا الوسیدھا کر رہی ہوں۔''

''پھر بھی تم لڑکی ہو تمہیں احتیاط کرنی چاہیے۔''

''ساری احتیاط لڑکیوں کو ہی کیوں کرنی چاہیے، لڑکوں کو بے تھے بیل کی طرح کھلا چھوڑ رکھا ہے کہ جیسے چاہیں تباہ و برباد کرتے پھریں، اللہ کو تو حساب دینا پڑے گا نا لڑکوں کو، اللہ کے ہاں تو سب برابر ہیں وہاں سزا صرف لڑکی کو نہیں ملے گی۔'' سلوٰی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''ہاں مگر یہ دنیا ہے اور دنیا والے صرف لڑکی کو قصور وار ٹھہراتے اور سمجھتے ہیں اور سزا بھی لڑکی کو ہی دی جاتی ہے اس معاملے میں امیری غریبی نہیں دیکھی جاتی، لڑکی غریب گھر کی ہو یا دولت مند گھرانے کی ہو عزت دونوں کی ایک سی ہوتی ہے، سانجھی ہوتی ہے۔'' صائمہ بیگم نے اسے سنجیدگی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جانتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

''کسی نے چاند دیکھا ہے؟ چاند نظر آ گیا کہ نہیں؟'' سلوٰی نے مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد کمرے سے نکلتے ہوئے با آواز بلند پوچھا تھا۔

''ہمیں تو چاند نظر آ گیا ہے اللہ مبارک کرے۔'' لابی سے گزرتے ہوئے وجاہت سعید نے اس کی صورت کو دیکھتے ہوئے ذومعنی بات کہی تھی۔

''ہیں کیا واقعی چاند نظر آ گیا آپ کو؟''

''جی ہاں، آپ کو یقین نہ آئے تو آئینہ دیکھ لیں۔''

''آپ کو نہ دیکھ لوں؟'' سلویٰ بھنویں سکیڑ کر اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''زہے نصیب آپ کی قدر افزائی ہوگی۔''

''ہنہ، آپ گیسٹ روم میں کیوں نہیں ٹکتے، پورے گھر میں دندناتے پھرتے ہیں۔'' سلویٰ نے بھی بے مروتی کی حد کر دی، وہ سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔

''سلویٰ! یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا یہ مہمان ہیں ہمارے۔'' اسی وقت غنویٰ ادھر آ نکلی اور اس کی بات سن کر بولی۔

''ایک دن مہمان دوسرے دن مہمان، تیسرے دن بلائے جان، اب میں ان کی وجہ سے اپنے گھر میں بھی آزادی سے گھوم پھر نہیں سکتی کمال ہے بھئی۔'' سلویٰ نے بدلحاظ ہو کر کہا غنویٰ کی شرمندگی قابل دید تھی۔

''سلویٰ! میں امی کو بتاتی ہوں وہی تمہاری خبر لیں گی۔'' غنویٰ نے تیزی سے کہا وہ آگے بڑھ گئی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' غنویٰ نے پوچھا۔

''چھت پہ جا رہی ہوں چاند دیکھنے اب ان کا چہرہ دیکھ کر روزہ تو نہیں رکھا جا سکتا نا۔'' سلویٰ نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا اور چھت پر چلی گئی۔

''آئی ایم سوری وجاہت بھائی! سلویٰ کی بدتمیزی کی میں آپ سے معافی مانگتی ہوں وہ ایسی ہے نہیں پتا نہیں کیا ہوا ہے اسے عجیب چڑچڑی سی ہو رہی ہے آج کل؟'' غنویٰ نے وجاہت سعید کو دیکھتے ہوئے خجالت سے کہا۔

''اٹس اوکے، آئی تھینک میرا یہاں رہنا انہیں ناگوار گزر رہا ہے یقین کیجئے اگر افتخار انکل اتنی محبت سے مجھے فورس نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں نہ ٹھہرتا، بہرحال کوشش کروں گا کہ اپنے کمرے تک رہوں اور یہاں سے جانے کی بات دوبارہ کروں انکل سے میری وجہ سے آپ لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں جو مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔'' وجاہت سعید نے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں وجاہت بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کا کام جب تک مکمل نہیں ہو جاتا آپ یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔'' غنویٰ نے سنجیدگی سے بجھے لہجے میں کہا۔

''اوکے دیکھتے ہیں۔'' وجاہت سعید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے کیوں بدتمیزی کر رہی تھیں وجاہت بھائی کے ساتھ؟'' غنویٰ نے چھت پر آ کر اس کی خبر لیتے ہوئے کہا تو سلویٰ سنجیدگی سے بولی۔

''میرا دماغ تو ٹھکانے پر ہی ہے ہاں البتہ کسی اور کا دماغ ٹھکانے پر لگانا ہے لہٰذا مجھے ڈسٹرب مت کرو۔''

''ابو کو اگر تمہاری اس حرکت کا پتا چل گیا نا تو تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ انہیں کتنا دکھ ہوگا اور کتنی شرمندگی ہوگی وجاہت بھائی کے سامنے اور سعید انکل کے سامنے، آخر ہوا کیا ہے تمہیں؟'' غنویٰ نے غصے سے کہا۔

''رمضان کا چاند ہوا ہے مبارک ہو، میں کچن میں جا رہی ہوں پھینیاں بنانے سحری کے لئے۔'' سلویٰ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چاند کو دیکھ کر دعا تو مانگ لو۔''

''مانگ لی ہے دعا اب تمہاری باری ہے،

دعا مانگنے کی۔'' سلویٰ اسے جواب دے کر سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔

☆☆☆

''رمشا، افراء اور زرقا ان تینوں کو اس چاند کی بد نیتی اور ہوس سے بچانا ہوگا اور اس طرح کے چاند کو عبرت ناک سزا بھی ملے سکے۔'' سلویٰ اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

''وہ گھٹیا آدمی مجھے اپنے چنگل میں پھنسانے کی کوشش کر رہا تھا، میں تو پہلے دن سے ہی اس کی نیت بھانپ چکی تھی پر یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے رمشا اور افراء کو بلیک میل کرنے کا سامان سیو کر رکھا ہے وہ سب چاند کے قبضے سے نکلوانا ہوگا ورنہ وہ کمینہ ان لڑکیوں کی زندگی برباد کر دے گا، ان کے ماں باپ کی عزت نیلام ہو جائے گی اگر شیراز چاند کو سزا نہ دی گئی، روکا نہ گیا تو وہ مزید لڑکیوں کو بھی اپنے پیار کے جال میں پھنسا کر ان کی عزتوں سے کھیلے گا، مجھے کچھ تو کرنا ہوگا اور کسی کو ہمراز بنا کر یہ کام کرنا ہوگا۔'' سلویٰ مسلسل سوچے جا رہی تھی، کمرے میں چکر لگائے جا رہی تھی، صائمہ بیگم جو پچھلے تین چار منٹ سے دروازے کے باہر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں، اندر چلی آئیں۔

''یہ جلے پیر کی بلی کی طرح چکراتی کیوں پھر رہی ہو؟'' صائمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یونہی بس زیادہ کھا لیا تھا اس لئے واک کر رہی تھی۔'' سلویٰ نے رک کر انہیں دیکھتے ہوئے بات بنائی۔

''واک تو تم لان میں جا کر کرتی ہو ہمیشہ، آج کمرے میں کیوں کرنے لگیں؟'' صائمہ بیگم نے اسے بغور دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے امی! اتنے سوال جواب کیوں کر رہی ہیں؟ کمرے میں واک کرنا منع ہے کیا؟'' سلویٰ نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا، وہ سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''منع تو نہیں ہے مگر میں دیکھ رہی ہوں کچھ دنوں سے تمہاری حرکتیں، تمہارے تیور بدلے بدلے سے ہیں معاملہ کیا ہے؟''

''میں بتاتی ہوں امی۔'' اسی وقت غنویٰ کمرے میں آ گئی۔

''تم کیا بتاؤ گی؟'' سلویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ تم نے آج وجاہت بھائی کے ساتھ کتنی بدتمیزی کی ہے انہیں مہمان بلائے جان کہا اور گھر میں دندناتے ہوئے پھرنے کا طعنہ مارا ہے۔'' غنویٰ نے صاف صاف بھانڈا پھوڑ دیا، سلویٰ نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

''یا اللہ! سلویٰ یہ سب تم نے وجاہت سے کہا ہے۔'' صائمہ بیگم تو صدمے سے دل تھام کر ہی بیٹھ گئیں۔

''ہاں کہا ہے میں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ وہ بے نتھے بیل کی طرح پورے میں دندناتے پھرتے ہیں۔'' سلویٰ نے بھی سچ بول دیا۔

''اف میرے خدایا، یہ لڑکی تو واقعی بدل گئی ہے ضرور کسی نے جادو کرایا ہوگا یوں گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسی بدتمیزی تو تم نے کبھی بچپن میں بھی نہ کی تھی اب کیا ہو گیا؟ تمہارے ابو سنیں گے تو شرم سے مر ہی جائیں گے۔'' صائمہ بیگم تاسف زدہ اور پریشان لہجے میں بولیں۔

''میں نے بھی اس سے یہی کہا تھا۔'' غنویٰ بولی۔

''ایک بات تو آج طے ہو گئی بلکہ کنفرم ہو گئی اور وہ یہ کہ میں غنویٰ افتخار آپ پیٹ کی بہت ہلکی ہیں آپ کو راز داں بنانے کا رسک نہیں

لیا جا سکتا، آپ پر اعتبار کر کے کوئی سیکرٹ آپ سے شیئر نہیں کیا جا سکتا۔'' سلویٰ نے کرسی پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے غنویٰ کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔

''سلویٰ! چلو میرے ساتھ۔'' صائمہ بیگم ایکدم سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کہاں؟''

''وجاہت سے اپنی بدتمیزی کی معافی مانگنے۔''

''ایسے ہی خواہ مخواہ۔''

''خواہ مخواہ نہیں تم نے جو حرکت کی ہے اس کے لئے چلو اور معافی مانگو وجاہت سے۔'' صائمہ بیگم نے غصے سے اس کا ہاتھ پکڑا اور بولتی ہوئی باہر نکلیں، وجاہت کو اس کے کمرے سے باہر بلایا تو وہ حیران ہو کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے آنٹی! خیریت ہے نا؟''

''بیٹا! میں بہت شرمندہ ہوں سلویٰ نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی ہے یہ اس کی معافی مانگنے آئی ہے تم سے۔'' صائمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وجاہت نے بہت حیرت سے سلویٰ کی طرف دیکھا وہ خاصی سنجیدہ اور معصوم سی صورت بنائے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''آنٹی! آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہے انہوں نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کی پھر معافی کس بات کی؟'' وجاہت سعید نے مسکراتے ہوئے کہا اب کی بار حیران ہونے کی باری سلویٰ کی تھی، وہ اسے کیوں بچا رہا تھا معافی اور شرمندگی سے؟

''لیکن غنویٰ تو کہہ رہی تھی کہ۔''

''انہیں غلط فہمی ہوئی ہے سلویٰ تو مجھے اپنے کیمپس میں ہونے والے کسی ڈرامے کی چند لائنز سنا رہی تھیں غنویٰ سسٹر نے سمجھا شاید وہ مجھے سنا رہی ہیں یقین کیجئے ایسی کوئی بات نہیں ہے مس سلویٰ تو بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہیں۔'' وجاہت سعید نے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا تو صائمہ بیگم کی جان میں جان آئی۔

''وہی تو، میں بھی حیران رہ گئی جب غنویٰ نے بتایا کہ اس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی ہے یہ تو دوسروں کے حصے کی ڈانٹ بھی خود کھا لیتی ہے مگر بدتمیزی وہ بھی گھر آئے مہمان کے ساتھ کبھی نہیں کرتی، میں نے بھی اسے ڈانٹ دیا اور غنویٰ نے الگ دس باتیں سنا ڈالیں، وہ تو شکر ہے کے اس کے ابو کے کان میں یہ بات نہیں پڑی ورنہ بہت مایوس ہوتی انہیں اور شرمندگی الگ اٹھانا پڑتی تمہارے سامنے۔'' صائمہ بیگم بولتی چلی گئیں، وجاہت سعید مسکرائے گیا اور سلویٰ اسے حیرت سے دیکھے گئی۔

''چھوڑیں آنٹی کچھ بھی نہیں ہوا آپ سب بہت اچھے ہیں، میں یہاں بہت مزے میں ہوں کل پہلا روزہ ہے تو یقیناً آپ روزہ رکھیں گے پلیز مجھے بھی سحری کے وقت جگا دیجئے گا۔'' وجاہت سعید نے مسکراتے نرم دھیمے لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا! میں یا تمہارے انکل تمہیں سحری کے وقت جگا دیں گے تم احتیاطاً آلارم بھی لگا لینا۔'' صائمہ بیگم نے مطمئن ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر۔'' وہ مسکرا دیا۔

''میں نماز پڑھ لوں۔'' صائمہ بیگم نے کہا اور وہاں سے چلی گئیں، سلویٰ نے وجاہت سعید کو دیکھتے آنکھیں بند کر کے کھولیں گویا شکریہ ادا کیا تھا جواباً وجاہت سعید نے بھی پلکیں بند کر کے آہستہ سے کھولیں، ویلکم کہا اور مسکرا دیا، سلویٰ بھی

مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، وجاہت سعید کے اس عمل نے اس کے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا، جبکہ وجاہت سعید کو تو وہ پہلی ملاقات میں ہی دل میں اترتی محسوس ہوئی تھی، اس کے ماں باپ بہن کو اس سے کسی بدتمیزی کی توقع نہیں تھی اس کا مطلب تھا کے سلوئی ان دنوں کسی پریشانی یا الجھن میں مبتلا ہے جبھی وہ چڑچڑی اور بے مروت ہو رہی ہے یہ وجاہت سعید کا خیال تھا اور وہ سلوئی کے اس رویے کے پیچھے موجود وجہ جاننے کے لئے بے چین تھا۔

☆☆☆

''یاسر تمہیں ہر قیمت پر اپنے حلقے سے الیکشن جیتنا ہے ہمارے مخالفوں کو ایک ووٹ بھی نہیں پڑنا چاہیے۔'' انتظار حسین چوہدری نے یاسر سے کہا۔

''ابا جی! ایسا کیسے ممکن ہے؟ ہماری مخالف پارٹی کوئی تانگہ پارٹی نہیں ہے بہت بڑی پارٹی ہے اسے ایک ووٹ بھی نہ پڑے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔'' یاسر سنجیدگی سے بولا۔

''حد ہے تم سیاست کو ابھی سمجھے نہیں ہو، ہر قیمت کا مطلب ہے کہ کچھ بھی دے دلا کر، کچھ بھی کر کرا کے ووٹ اپنے حق میں ڈلوانا، پیسہ پھینک تماشا دیکھ لوگ ہزار، دو ہزار پانچ ہزار لے کر ووٹ بیچ دیتے ہیں غریب آدمی کو دو وقت کی روٹی کھلا دو اور ووٹ خرید لو، بریانی کی ایک پلیٹ کے بدلے غریب اور سفید پوش لوگ اپنا قیمتی ووٹ ہمارے ہاتھ بیچ دیتے ہیں ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اور غریب ہی کیا دولت مند کروڑ پتی سیاست دان بھی اپنی مرضی کی قیمت ملنے پر بک جاتے ہیں پارٹی تک بدل دیتے ہیں، ہر انسان کی ایک قیمت ہوتی ہے اور ہمارے سیاستدانوں کی بولی تو لگتی ہی رہتی ہے کبھی اس پارٹی کبھی اس پارٹی وہاں بھی مال نہ ملے تو آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن میں کھڑے ہو جاتے ہیں اگر جیت جائیں تو اکثریت حاصل کرنے والی جماعت انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے ہار جائیں تو الیکشن میں دھاندلی کا شور مچاتے ہیں اور ہارے ہوؤں کے ساتھ مل کر الگ سے ایک نئی جماعت بنا لیتے ہیں کچھ عرصہ بعد کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں۔'' انتظار حسین چوہدری نے یاسر کو دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے ملکی سیاست اور سیاستدانوں کا مزاج بتایا تو یاسر مسکرا کر بولا۔

''یہ تو غلط ہے نا ابا جی، ہم اس غلط نظام کو کب تک اپنے پاؤں کی زنجیر بنائے رہیں گے؟''

''بیٹا جی! یہ نظام ہم جیسوں کے پاؤں کی زنجیر نہیں ہے بلکہ پھولوں کا ہار ہے، یہ سیاست ہمارے بغیر نامکمل بلکہ بے جان ہے اور بڑی پارٹی کہہ کر تم نے خود اپنی پارٹی کو چھوٹا قرار دیا، یاد رکھو اگر تم مخالف کو بڑا اور اپنے سے طاقتور سمجھو گے مان گے تو تمہاری جیت ناممکن ہو جائے گی، لہٰذا خود کو بڑا سمجھو اور چھوٹے لوگوں کو پیسے سے اپنی مٹھی میں کرو، ہارس ٹریڈنگ کا نام تو تم نے سنا ہو گا نا؟ تو بیٹا جی، ہمارے ملک کی سیاست وہ اصطبل ہے جس میں گھوڑے گدھے سب کی خرید و فروخت جاری رہتی ہے، شیر اور چوہے بھی ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے اور پانی بھرتے دکھائی دیتے ہیں۔'' انتظار حسین چوہدری نے مسکراتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں سیاست کے عیب گنوائے تھے۔

''میں اب بھی یہی کہوں گا کہ یہ سب غلط ہے ملک و قوم کے ساتھ دھوکا ہے جو پیسہ آپ

ووٹ خریدنے پر لگائیں گے وہی پیسہ آپ گاؤں میں اسکول ہسپتال بنانے پر لگادیں، صاف پانی کا کوئی پلانٹ لگوادیں یقین کریں ابا جی آپ کو ووٹ خریدنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لوگ آپ کو خود ہی ووٹ دیں گے کیونکہ آپ کا بنایا ہوا اسکول، ہسپتال اور واٹر فلٹریشن کا پلانٹ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا انہیں فائدہ پہنچا رہا ہوگا پلیز ابا جی، پیسہ ضائع نہ کریں فائدہ پہنچائیں اپنے گاؤں کے لوگوں کو۔'' یاسر نے سنجیدگی سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

''فائدہ ہی تو پہنچائیں گے پیسہ لٹائیں گے ان پر، پیسہ ضائع تھوڑی جائے گا ہم حکومت میں آجائیں گے تو جتنا پیسہ الیکشن پر خرچ کیا ہوگا اس سے دس بیس گنا زیادہ پیسہ ہماری جیب میں ہمارے بینک اکاؤنٹ میں آجائے گا، ہماری سات نسلیں بیٹھ کر کھائیں گی۔'' انتظار حسین چوہدری مسکراتے ہوئے بولے۔

''حرام کھلانا چاہتے ہیں آپ اپنی سات نسلوں کو؟ جانتے ہیں حرام مال فتنہ پھیلاتا ہے صحت زندگی اور رشتوں سے برکت اور احساس اٹھ جاتا ہے اور جن کا حق مارا ہوتا ہے نا، ان کی بددعائیں الگ پیچھا کرتی ہیں آخرت میں جہنم کا ایندھن بنیں گے وہ علیحدہ۔'' یاسر نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''او تمہیں میں نے امریکہ لندن پڑھنے کے لئے بھیجا تھا مگر تمہاری باتیں سن کے یوں لگ رہا ہے جیسے تم کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کرتے رہے ہو بالکل اپنے چاچا کی طرح بولتے ہو، وہ ساری زندگی میں بس ایک گھر ہی بنا سکا ہے ڈھنگ کا، ابھی بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنی ہے اس نے اور تم نے غنوئی سے منگنی کر کے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ تھا تمہارے لئے، اربوں پتی سیاست دان اور بزنس فیملی کا مگر تمہاری ضد کے آگے میں نے ہار مان لی، اب اس انتخاب کے معاملے میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا میں، تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا جو میں چاہوں گا۔'' انتظار حسین نے بھڑک کر کہا۔

''چاہے اس کے بدلے میں آپ کے بیٹے کو جیل ہو جائے؟''

''جیل کیوں ہو گی تمہیں؟ کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ وہ انتظار حسین چوہدری کے بیٹے پر ہاتھ ڈال سکے۔''

''ابا جی! نیب والوں نے آپ کی کرپشن اور پراپرٹی کے سارے ریکارڈ نکالنے کا حکم جاری کر دیا ہے، آپ جواب نہ دے سکے تو سزا تو ملے گی نا۔'' یاسر نے متوقع حالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تو وہ بڑے غرور اور کروفر سے بولے۔

''کوئی مائی کا لعل پیدا نہیں ہوا ابھی جو مجھے سزا دے سکے، یہ نیب شیب بس مال بنانے کا ادارہ ہے برسوں ہو گئے کسے سزا سنائی ہے نیب کی تحقیقات اور رپورٹ پر عدالت نے جو انتظار حسین چوہدری کو سزا دیں گے یہ لوگ۔''

''ابا جی اتنے بڑے بول مت بولیں کیونکہ جو بویا ہوتا ہے نا وہی کاٹنا بھی پڑتا ہے اور غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے، رہی بات عدالت کی تو خبریں تو یہی بتا رہی ہیں کے آپ کے پارٹی لیڈر کو سزا ہو کر رہے گی پھر نہ تو وہ حکومت بنانے کے اہل رہیں گے نہ ہی پارٹی کے سربراہ کہلانے کے اہل رہیں گے تب کیا کریں گے آپ؟ پارٹی بدلیں گے یا سیاست چھوڑ دیں گے؟ احتساب تو اب ساری بڑی مچھلیوں کا ہوتا دکھائی دے رہا ہے لہٰذا مجھے آپ آزاد حیثیت سے الیکشن میں حصہ لینے دیں۔'' یاسر نے نہایت سمجھداری اور

سنجیدگی سے کہا تو ریحانہ بیگم جو بہت دیر سے شوہر اور بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں پہلی بات ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولیں۔

''یاسر کی بات میں دم ہے چوہدری صاحب، خدانخواستہ اگر آپ پر مقدمہ چلتا ہے یا سیاست کے دروازے بند ہوتے ہیں تو کم از کم آپ کا بیٹا تو سیاست میں نئی نسل کی نمائندگی کرنے کے لئے موجود ہوگا نا اور آپ کی پارٹی سے نہ ہونے کا فائدہ بھی ہوگا کے نیب والے ہمارے بیٹے پر تو ہاتھ نہیں ڈالیں گے ناں، ویسے بھی یہ بڑی انقلابی باتیں کرتا ہے اس پر تو کسی کو شک بھی نہیں ہوگا امریکہ سے پڑھ کر آنے والوں کا مزاج الگ ہوتا ہے وہ سب کچھ صاف ستھرا دیکھنا چاہتے ہیں لہٰذا لوگ یاسر کی اس سیاست میں اس کے پیچھے چل پڑیں گے، باپ نہ سہی بیٹا سہی ہمارے خاندان کی سیاسی گدی تو خالی نہیں رہے گی نا۔''

''زندگی میں پہلی بار تم نے کوئی عقل کی بات کی ہے ریحانہ بیگم! ٹھیک ہے مانی تمہاری بات دی اجازت یاسر کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑنے کے بعد میں دیکھیں گے کہ کونسی جماعت اکثریت حاصل کر کے حکومت بنانے کے قابل ٹھہرتی ہے۔'' انتظار حسین چوہدری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''شکریہ ابا جی!'' یاسر بھی قدرے مطمئن ہو کر بولا۔

''ابھی سے اپنی انتخابی مہم چلانا شروع کر دو اور اپنا شاندار سا منشور پیش کرو تا کہ لوگ مکھیوں اور مچھروں کی طرح اس پر جمع ہو جائیں اور پولنگ والے دن وہ سب تمہارے بیلٹ بکس میں اپنا ووٹ ڈالیں، بے شک میرے خلاف تقریریں بھی کر لینا کیونکہ یہ سیاست ہے اس میں باپ بیٹا اپنے جلسوں میں ایک دوسرے پر کیچڑا اچھالتے ہیں الزامات کی بارش کرتے ہیں اور گھر جا کر ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے عوام کو بے وقوف بنانے پر قہقہے لگاتے ہیں سمجھ رہے ہو نا میری بات۔'' انتظار حسین چوہدری نے شاطرانہ انداز میں یاسر کی سیاست کے گر سمجھاتے ہوئے کہا۔

''جی ابا جی!'' یاسر نے فی الوقت جان چھڑانے کے لئے کہہ دیا، ورنہ وہ ان کی سیاست اور سیاسی نقطہ نظر سے قطعاً متفق نہیں تھا۔

''شاباش۔'' انتظار حسین چوہدری نے یاسر کا کاندھا تھپتھپایا وہ انہیں دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

☆☆☆

''مزا آیا روبرو شرمندہ ہونے اور وجاہت بھائی سے معافی مانگنے کا؟'' سلویٰ کمرے میں آئی تو غنویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے خوش بھرے لہجے میں چڑانے کے لئے کہا۔

''ہاں بہت مزا آیا۔'' سلویٰ نے بیڈ پر گرتے ہوئے بہت دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ہوا تمہارے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔'' غنویٰ کو دلی مسرت ہو رہی تھی کے اسے ڈانٹ کے ساتھ ساتھ وجاہت سعید سے معافی مانگنے کا کٹھن کام بھی کرنا پڑا۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں تمہاری دلی تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی مجھے مہمان کے سامنے شرمندہ کرانے کی۔'' سلویٰ مسکراتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' غنویٰ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر مزید حیرت میں مبتلا ہو رہی تھی۔

''مطلب یہ کہ تم امی کے سامنے جھوٹی پڑ گئیں، وجاہت صاحب نے تو صاف گوئی سے کہہ دیا کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تھا کے سلویٰ مجھ سے معافی مانگیں اور یہ کہ مس غنویٰ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' سلویٰ مسکراتے اتراتے ہوئے بولی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' غنویٰ بے ہوش ہونے والی ہوگئی۔

''میں تمہاری طرح لگائی بجھائی نہیں کرتی۔''

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اچھا۔'' غنویٰ کھسیانی ہوئی۔

''رہنے دو بس تمہاری تو پوری کوشش تھی کہ مجھے امی ابو دونوں سے ڈانٹ پڑے اور مسٹر وجاہت کے سامنے شرمندگی کے احساس کے ساتھ معافی مانگنا پڑے مگر تم سے اچھے ظرف کا مظاہرہ تو مسٹر وجاہت نے کر دکھایا کے وہ اس ساری بات سے ہی مکر گئے۔'' سلویٰ اسے شرمندہ کرتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے تمہیں صاف بچا لیا، معافی مانگنے کی نوبت نہیں آنے دی ایسا صرف ایک صورت میں ہوتا ہے جب آپ کو سامنے والے کی غلطی، بدتمیزی اور بے عزتی اس کی خاص اور عیب بھی اچھے لگنے لگیں یا سرے سے دکھائی اور محسوس ہی نہ ہوں تو مطلب صاف ظاہر ہے کہ اسے آپ سے پیار ہو گیا ہے کیونکہ اتنی رعایت پیار اور پسندیدگی میں ہی دی جاتی ہے کسی کو۔'' غنویٰ نے اپنی وارڈ روب میں کپڑے ہینگ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو سلویٰ نے اس کی بات یکسر رد کر دی۔

''ضروری نہیں ہے پیار ہی سبب ہو، مروت اور تعلق کا پاس، لحاظ رکھتے ہوئے بھی وہ ایسا کر سکتے ہیں ابو امی کو شرمندگی نہ ہو ان کے سامنے اس لئے وہ اس قصے کو پی گئے۔''

''چلو جو بھی وجہ ہے تم تو بچ گئیں نا۔''

''الحمدللہ۔'' سلویٰ مسکراتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

سحری بنانے کی ذمے داری سلویٰ کی تھی جب سب بھائی بھابھیاں ساتھ ہوا کرتی تھیں تب مل کر بتایا کرتی تھیں سحری افطاری اب سحری سلویٰ بناتی تھی اور افطاری غنویٰ اور صائمہ بیگم مل کر بناتی تھیں تین چار سال سے یہی روٹین تھی، سلویٰ نے میز پر برتن لگا دیئے تھے، پھینیاں، دہی، لسی بھی رکھ دی تھیں، پہلی سحری تھی وہ بھی مہمان کی موجودگی میں لہٰذا کباب، آلو انڈے اور چکن کا سالن بھی بنایا گیا تھا، پراٹھے وہ پکا رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' وجاہت سعید نے سلویٰ کو میز پر ہاٹ پاٹ رکھتے دیکھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! پہلی سحری مبارک ہو بسم اللہ کیجئے۔'' سلویٰ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''شکریہ، میں جلدی تو نہیں جاگ گیا؟''

''شکر ہے کوئی تو جلدی جاگا ورنہ تو مجھے سب کو تین تین بار جا کر جگانا پڑتا ہے سب سحری کا ٹائم ختم ہونے سے پندرہ منٹ پہلے جاگتے ہیں سوائے ابو وہ تو تہجد کے لئے بیدار ہوتے ہیں تو نماز فجر کے بعد ہی ریسٹ کرتے ہیں۔''

''گڈ، میں انتظار کر لیتا ہوں سب کے ساتھ سحری کر لوں گا۔'' وجاہت سعید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس تکلف اور وضع داری میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو آپ سحری کیجئے ورنہ

لیٹ ہو جائیں گے میں ایک بار کہتی ہوں سب سے لیں ابو تو آ گئے۔'' سلویٰ نے تیزی سے کہا تو سامنے سے افتخار حسین چوہدری بھی آ گئے، وجاہت سعید نے انہیں سلام کیا، انہوں نے صائمہ بیگم اور غنویٰ کو بھی سحری کے لئے آواز دی، وہ بھی دو منٹ میں کھانے کی میز پر موجود تھیں، وجاہت سعید نے دیکھا سب سے آخر میں سلویٰ سحری کرنے کے لئے بیٹھی تھی اور اپنے لئے وہ ایک سادہ روٹی پکا کر لائی تھی اسی پر آلو انڈے کا سالن رکھ کر کھانے لگی تھی سحری کے بعد سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے، سلویٰ نے میز پر سے برتن سمیٹے، کچن میں لیجا کر گندے برتن دھوئے سب کچھ سمیٹ کر، صاف کرنے کے بعد وضو کیا اور ٹی وی لاؤنج میں ہی جائے نماز بچھا لی۔

☆☆☆

''کیا بات ہے غنویٰ! تم مجھے نہ فون کرتی ہو تو نہ میسج کرتی ہو میری کال کا بھی ڈھنگ سے جواب نہیں دیتیں؟'' یاسر نے غنویٰ کو کال کر کے گلہ کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے میں تو آپ کی مصروفیت کے خیال سے کال، میسج نہیں کرتی۔'' غنویٰ نے بہانہ بنایا۔

''اپنوں کے لئے وقت نکالا جاتا ہے غنویٰ چاہے کتنی ہی مصروفیت اور ڈسٹربنس کیوں نہ ہو مجھے تمہارے ٹیکسٹ اور کال کا انتظار رہتا ہے اور اچھا لگے گا مجھے اگر تم مجھے یاد کرو گی کال کرو گی، مگر ہمیشہ میں ہی کال کرتا ہوں، تمہارا کزن ہوں، منگیتر ہوں اس کے باوجود تم مجھے اگنور کرتی ہو آخر کیوں؟''

''آپ بھی تایا جان کی طرح سیاست میں پڑ گئے ہیں اور مجھے سیاست بالکل بھی پسند نہیں ہے خاص طور پر تایا جان کی پارٹی کی سیاست، خبر یہ سن رہے ہیں آج کل؟ کرپشن کے الزامات ہیں تایا جان پر اور سب کچھ ضبط کر لیا جائے گا، بدنامی ہو گی وہ علیحدہ۔'' غنویٰ نے اپنے دل کی پریشانی اور خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تم اپنے ملک کی سیاست کو نہیں سمجھیں ابھی تک سیاست میں بدنام بھی ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا، والا حال ہے، رہی بات ابا جی کی سیاست اور پارٹی کی تو وہ میں نے چھوڑ دی ہے میں الگ آزاد حیثیت میں الیکشن لڑوں گا۔'' یاسر سنجیدگی سے بولا تو وہ قدرے مطمئن ہو کر بولی۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں۔''

''مگر رہیں گے تو آپ ایک کرپٹ سیاستدانوں کے بیٹے ہی نہ، آپ کی پہچان ایک جھوٹا اور بے ایمان شخص رہے گا۔'' غنویٰ نے بے مروتی سے کہا۔

''غنویٰ بی بی! میں اپنی ولدیت تو نہیں بدل سکتا اور نہ ہی یہ نظام اکیلا بدل سکتا ہوں جو اور جتنا میرے بس میں ہے وہ میں کر رہا ہوں، اگر سیاست اور الیکشن سے آؤٹ رہنے کی بات کروں گا تو ابا جی میری تمہاری شادی بھی نہیں ہونے دیں گے، میں نے تمہاری خاطر انہیں منایا ہے تم میری پوزیشن ہی نہیں سمجھ رہیں، میرا یقین کرو مجھے بھی ان کی سیاست سے نفرت ہے میں اس بھیڑ چال کا حصہ نہیں بننا چاہتا، لیکن ایکدم سے سب کچھ ٹھیک بھی نہیں کر سکتا، سیاست میرا شوق یا پیشہ نہیں ہے نہ ہی بن سکتا ہے، مصلحتاً کچھ عرصے کے لئے مجھے اس سیاسی منظر نامے پر نظر آنا ہو گا۔'' یاسر نہایت سنجیدگی سے بولا تو غنویٰ بولی۔

''ٹھیک ہے، مگر اخبارات میں بہت عجیب

خبریں آ رہی ہیں کے آپ لوگ اپنے مخالفوں کو مروا دیتے ہیں۔''

''تو تم اخبارات پر یقین کرتی ہو مجھ پر نہیں، بڑے افسوس کی بات ہے تم اچھی طرح جانتی ہو کے میں نہ ملک میں تھا نہ ہی سیاست میں، میرا کسی کرپشن یا قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' یاسر نے چیخ کر کہا۔

''آپ کے ابا جی کا تو ہے نا؟'' غنوی نے یقین سے کہا۔

''کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟''

''ثبوت تو نیب عدالت میں پیش کرے گا نا۔''

''تو جب ثبوت پیش کرے گا نیب تب کہنا، اس سے پہلے تمہیں کسی کو قاتل یا کرپٹ کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اور جہاں تک ابا جی کے حوالے سے ایسی خبروں کا تعلق ہے تو میں اپنے باپ کے کسی قول و فعل کا ذمہ دار نہیں ہوں سمجھیں تم۔'' یاسر نے قدرے تیز اور غصیلے لہجے میں کہا اور اپنی بات ختم کر کے رابطہ منقطع کر دیا۔

''میں نے ذہنی طور پر ریلیکس ہونے کے لئے اسے فون کیا تھا مگر اس لڑکی نے تو میری پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا ہے، میری مجبوری، حالات اور سچوائیشن کو سمجھنے کی بجائے الٹا مجھ سے سوال جواب کر رہی ہے طنز و تنقید کے تیر چلا رہی ہے، ٹھیک ہی کہتے ہیں لوگ کے ضروری نہیں ہے کہ سب حسین لوگ ذہین اور سمجھدار بھی ہوں، محبت تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے، غنوی کو تو میری محبت کا بھی یقین ہے وہ مجھ سے تو کیا محبت کرے گی، وہ تو حالات کے آئینے میں میرا چہرہ اور کردار دیکھ رہی ہے، خوش نہیں ہے وہ اس منگنی سے نفع نقصان دیکھ کر، جانچ پڑتال کر کے رشتہ جوڑنا چاہتی ہے، ابا جی کی کرپشن کے سامنے اسے میری محبت بھی فضول اور بے معنی محسوس ہو رہی ہے اس کا لہجہ گواہ ہے کہ وہ مجھ پر بھروسہ ہی نہیں کرتی اور میں نے محبت کر لی اس احمق لڑکی سے اور اس پر یقین بھی کر لیا۔'' یاسر نے بے کلی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے خود کلامی کی۔

☆☆☆

''کیا بات ہے تمہارے منہ پر بارہ کیوں بج رہے؟'' سلوی نے غنوی کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یاسر کا فون آیا تھا ابھی۔''

''اچھا پھر تو تمہارے منہ پر ہزار وولٹ کا بلب روشن ہونا چاہیے تھا یہ اندھیرا کیوں چھایا ہوا ہے؟''

''میں نے ان کو ان کی سیاست اور ابا جی کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں انہیں کرپٹ اور قاتل کہہ دیا تو ظاہر ہے کہ وہ کیوں برداشت کرتے یہ سب......'' غنوی نے اسے ساری باتیں بتا دیں تو سلوی نے تاسف اور ترس کھاتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''یاسر بھائی نے اپنے ابا جی کی مخالفت کے باوجود تم سے منگنی کی ہے انہیں اس رشتے کے لئے راضی کیا ہے اس کا مطلب جانتی ہو؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور کسی کی محبت کو اس طرح مشروط کرنا، شک کرنا، بے اعتباری دکھانا دوسرے کا نہیں آپ کا اپنا مزاج اور رویہ شو کرتا ہے، خیر صحیح بات صحیح وقت اور موقع پر کرنا بھی ایک ہنر ہے، اگر یاسر بھائی کرپٹ ہوتے تو امی ابو تمہاری منگنی کبھی بھی یاسر بھائی کے ساتھ نہیں کرتے تمہارے برے بھلے کا سوچنے کے لئے ماں باپ موجود ہیں مائی ڈیئر سسٹر، تمہیں سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں تھی امی ابو کو

بھی سب خبر ہے اگر وہ تمہارے مستقبل کے حوالے سے فکر مند ہوں گے انہیں کچھ تحفظات محسوس ہوں گے تو وہ خود اپنے بھائی اور بھتیجے سے بات کرلیں گے لہٰذا تم اب کوئی احمقانہ بات مت کرنا ان سے اور اگر ہو سکے تو انہیں سوری بھی بول دو، وہ ہرٹ ہوئے ہوں گے تمہاری باتوں سے۔"

"میں کوئی سوری نہیں کروں گی ان سے۔" غنوئی اکڑ کر بولی۔

"سچ بتاؤ تمہیں یاسر بھائی سے محبت نہیں ہوئی ابھی تک میرا مطلب ہے کہ کئی ماہ ہو گئے ہیں تمہاری منگنی کو وہ تو تم سے محبت کا اظہار کرتے رہتے ہیں پھر بھی تمہارے اندر یہ احساس نہیں جاگا؟" سلوئی نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔" اس نے رخ پھیرلیا۔

"لو جی، اگر خدانخواستہ یہ منگنی ٹوٹ جاتی ہے تو سب سے زیادہ آنسو بھی تم ہی بہاؤ گی دکھی بھی تم ہی ہو گی اور کہہ رہی ہو کے پتا نہیں۔" انسان کو کم از کم اپنا تو پتا ہونا چاہیے نا۔" سلوی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں تو جیسے بہت پتا ہے اپنا، جو بھی آئی لو یو بولے گا تم اس پر اعتبار کرلو گی، جو دل میں چاہے زبان سے نہیں کہے گا تمہاری خوشی پر اپنی خوشی قربان کر دے گا اپنی خواہش کو ترجیح نہیں دے گا اس کی محبت کی تمہیں بھی کانوں کان خبر نہیں ہے نہ ہو گی پتا نہیں کون سی دنیا میں رہتی ہو جو اپنے اردگرد پھیلی دنیا سے بے خبر ہو، آئی لو یو سننے کی دھن میں، آئی لو یو۔" کہتی آنکھوں کو نہیں پڑھ پار ہیں۔" غنوئی نے بھی اسے اچھی طرح لتاڑ کے رکھ دیا۔

"تم کس کی بات کر رہی ہو؟" سلوئی کو الجھن ہونے لگی تھی اس کی باتوں سے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"رہنے دو بس، تم چاند پر کمندیں ڈالو ہمیں کے لوگوں سے تمہارا کیا واسطہ؟" غنوئی طنزیہ لہجے میں بولتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔

"جسے دیکھو مجھ پر شک کر رہا ہے۔" سلوئی نے بے کل ہو کر خود کلامی کی اور اپنی مدد اور راہنمائی کے لئے رب کے حضور دو نفل نماز حاجت کی نیت کر کے اٹھ گئی۔

☆☆☆

افراء کی کال تھی وہ رو رو کر سلوئی کو بتا دی تھی شیراز چاندا سے محبت کے جال میں پھنسا کر بلیک میل کر رہا ہے یہی حال رمشا کا بھی تھا، وہ کانفرس کال کر رہی تھیں اس وقت۔

"سلوئی! وہ کہتا ہے کہ میری پکس نیٹ پر ڈال دے گا اگر میں نے اس کی بات نہیں مانی۔" رمشا بھی رونے والی ہو رہی تھی۔

"یہ باتیں فون پر کرنے کی نہیں ہیں ہمیں ملنا ہو گا۔" سلوئی بولی۔

"ٹھیک ہے ہم کل یونیورسٹی میں ملتے ہیں۔" افراء بولی۔

"ہرگز نہیں، شیراز چاند کو بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے کہ ہم تینوں نے آپس میں بیٹھ کر بات کی ہے اسے شک ہو جائے گا یونیورسٹی میں تو وہ خود بھی موجود ہو گا۔" سلوئی نے افراء کا خیال رد کر دیا۔

"تو باہر کسی ہوٹل میں مل لیتے ہیں۔" رمشا بولی۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا چاند یا اس کے آوارہ دوستوں میں سے اگر کسی نے ہم تینوں کو ہوٹل میں اکٹھے دیکھ لیا تو بھی اسے شک ہو جائے گا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے اور میں کتنا سمجھاتی تھی تم دونوں کو کے وہ فلرٹ کر رہا ہے، محبت کے نام

پر تمہاری عزت اتار کر رکھ دے گا مگر نہیں تم دونوں نے میری نہیں سنی اور باری باری اس کے جال میں پھنس گئیں نا، تم دونوں کی تصویریں ویڈیوز چاند کی دسترس سے حاصل کرنا بہت ضروری ہیں اس کے بعد ہی چاند کو کک آؤٹ کیا جا سکتا ہے۔'' سلویٰ بولی۔

''چاند تو تمہیں بھی پھنسانے کے چکر میں پلیز تم بچ کے رہنا۔'' افراء نے مشورہ دیا۔

''بچ کے تو وہ رہے مجھ سے ایسا پھنسے گا کہ پچھتانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا اس کے پاس۔'' سلویٰ نے کہا۔

''تم کیا کرو گی؟'' رمشا نے پوچھا۔

''تم دونوں کوشش کرو کے چاند سے ملاقات نہ ہو تمہاری، بیماری کا بہانہ کر دو کچھ بھی کرو، اس کا موبائل فون اور لیپ ٹاپ حاصل کرنا ہوگا کیسے یہ میں سوچتی ہوں، او کے اور ہاں اللہ سے معافی مانگو توبہ کرو اور نماز روزے شروع کر دو اب اللہ نے معاف کر دیا تو سمجھو، یہ مشکل آسان ہو گئی۔'' سلویٰ نے سنجیدگی سے ہدایت و نصیحت کی اور کال کاٹ دی۔

☆☆☆

''سلویٰ!'' وہ یونیورسٹی سے گھر پہنچی تو صائمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی آواز دی۔

''جی امی۔'' وہ سیدھی ان کی طرف چلی آئی۔

''یہ تم کن ہواؤں میں ہو آج کل؟''

''کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔''

''سمجھ تو مجھے بھی نہیں آ رہی پہلے تو تم کبھی چاند سے ملنا تو دور بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں تھیں یہ یکایک کیا تبدیلی آ گئی ہے کہ وہ تم سے ملنے گھر آنے لگا ہے اور تم فون پر کس سے لمبی لمبی باتیں کرتی ہو؟ تمہیں تو چڑ تھی نا فون پر لمبی بات کرنے سے پھر یہ کیا قصہ ہے؟'' صائمہ بیگم نے تفتیشی انداز میں جرح کی تھی وہ مزید الجھن میں مبتلا ہوئی اور سنجیدگی سے بولی۔

''امی! جیسا آپ سوچ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے ایگزامز سر پر ہیں اسی لئے ہم نوٹس وغیرہ ڈسکس کر لیتے ہیں۔''

''روزے میں جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔'' صائمہ بیگم نے اسے تنبیہ کی۔

''روزے کے بغیر جھوٹ بول سکتی ہوں آپ سے؟''

''سلویٰ! تم مجھے شک میں مبتلا کر رہی ہو۔''

''اور شکی انسان کو سچ کی سمجھ نہیں آتی نہ ہی وہ اس پر یقین کرتا ہے لہٰذا اس قصے کو ختم کر دیں۔'' سلویٰ نے سنجیدگی سے کہا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں صرف تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ اپنے ساتھ ساتھ ہماری عزت بھی داؤ پر مت لگا دینا۔''

''واٹ؟'' سلویٰ یوں اچھل کر کھڑی ہوئی تھی جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو، وہ کیا کچھ سوچ رہی تھی اس کے بارے میں۔

''مجھے بس یہی کہنا تھا تم سے۔'' صائمہ بیگم یہ کہہ کر کچن میں چلی گئیں۔

''یہ کیا سمجھ رہی ہیں؟'' سلویٰ نے خود کلامی کی۔

''ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔'' غنویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے طنز بھرے لہجے میں کہا وہ ابھی آئی تھی ان کی آوازیں سن کر۔

''پھر سے تم نے کان بھرے ہوں گے امی کے۔''

''میں کیوں کان بھرنے لگی؟ امی کی آنکھیں ہیں وہ دیکھ سکتی ہیں کے ان کی بیٹی کیا گل

کھلاتی پھر رہی ہے۔'' غنوئی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔

''اور جو گوہر افشانی تم نے اپنے منگیتر کے ساتھ کی ہے وہ گوش گزار نہیں کی امی کے؟'' سلوئی نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو غنوئی نے شکی لہجے میں کہا۔

''میری بات اور ہے یاسر میرے منگیتر ہیں اور تم تو نجانے کس کس سے باتیں، ملاقاتیں کرتی ہو ان دنوں؟''

''کاش تم ان دنوں سے پہلے کے دنوں کو یاد رکھتیں تو اس قدر نازیبا الفاظ تمہاری زبان سے ادا نہیں ہوتے نہ ہی اتنی غلط سوچ تمہارے دل و دماغ میں آتی، تم پر صرف افسوس ہی کر سکتی ہوں میں۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے میں چلی آئی۔

''مجھے چاند کا قصہ جلد ختم کرنا ہوگا ورنہ امی اور غنوئی کے بعد ابو بھی مجھ پر شک کر سکتے ہیں جو میں افورڈ نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ، پلیز میری مدد کریں میں خود کو ہی نہیں اپنی کلاس فیلوز کو بھی شیراز چاند جیسے گھٹیا شخص سے بچانا چاہتی ہوں اور یہ چند روز میں ہی کرنا ہوگا پلیز ہیلپ می اللہ تعالیٰ۔'' سلوئی نے دل میں اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو ایوری باڈی السلام علیکم!'' یاسر اچانک ہی افتخار ولا چلا آیا، سلوئی غنوئی ٹی وی لاؤنج میں ہی موجود تھیں، اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں، یاسر بہت ڈیشنگ اسمارٹ تھا، غنوئی کے ساتھ اس کی جوڑی بھی جچ رہی تھی مگر غنوئی اس کے حوالے سے خدشوں میں گھری ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام! یاسر بھائی بڑی لمبی عمر ہے آپ کی ماشاء اللہ، اللہ نظر بد سے بچائے آپ کو بھی غنوئی آپ ہی کو یاد کر رہی تھی۔'' سلوئی نے یاسر کو دیکھتے ہی کھڑے ہو کر نان اسٹاپ بولنا شروع کر دیا۔

''ریئلی۔'' یاسر نے مسکراتے ہوئے بے یقینی سے غنوئی کو دیکھا تھا۔

''ہاں یہ آپ سے سوری بولنا چاہ رہی تھی آپ کو ہرٹ جو کیا تھا نا اس نے تب سے بہت پریشان تھی۔'' سلوئی نے بات بنائی تھی تا کہ یاسر اور غنوئی کے درمیان جو بھی خفگی ہے وہ دور ہو سکے۔

''جی نہیں میں ہرگز پریشان نہیں تھی نہ ہی آپ کو یاد کر رہی تھی سلوئی جھوٹ بول رہی ہے۔'' غنوئی نے صاف صاف کہہ دیا۔

''جانتا ہوں، میں نے تم سے محبت کی ہے تم نے تھوڑی کی ہے جو تم میرے لئے پریشان ہوگی یا مجھے یاد کرو گی مگر کبھی کبھی انسان کسی کا دل ہی رکھ لیتا ہے، سلوئی کی بات کی نفی کرنا ضروری تھا کیا؟ کتنی سمجھدار بہن ہے تمہاری، بات سنبھالنا اور رشتوں کو جوڑے رکھنے کا ہنر رکھتی ہے اس سے ہی کچھ سیکھ لو۔'' یاسر نے غنوئی کو دیکھتے ہوئے تھکے ہوئے لہجے میں کہا تو غنوئی بولی۔

''سلوئی جھوٹ بول رہی تھی میں جھوٹ بولنا سیکھوں اس سے؟''

''جو جھوٹ کسی کی تکلیف اور پریشانی کو کم کر دے اس سچ سے بہتر ہے جو کسی کو دکھ میں مبتلا کرے، کبھی کبھی یہ کرنا پڑتا ہے ورنہ معاملات مزید الجھتے اور بگڑتے چلے جاتے ہیں مس غنوئی افتخار۔'' یاسر نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ کھسیانی سی ہو کر وہاں سے جانے لگی تو سامنے صائمہ بیگم کو دیکھا تو اس کی سٹی گم ہوگئی، وہ سب سن چکی تھیں اور پریشانی میں مبتلا ہوگئیں تھیں، یاسر آج ادھر ہی رکنے والا تھا، افطار کے

بعد وجاہت سعید سے اس کی خوب گپ شپ رہی، افتخار حسین چوہدری بھی نماز کے بعد ان سے باتیں کرتے رہے، صائمہ بیگم نے غزنوی کی اس کے کمرے میں جا کر خوب خبر لی تھی اور اس کی طبیعت صاف ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''یاسر بھائی! آپ کے خیالات تو بہت اچھے ہیں مگر یہاں کی سیاست میں اچھے لوگوں اور ان کے خیالات کی نہیں بلکہ بے ایمان اور شاطر قسم کے لوگوں کی مارکیٹ چلتی ہے آپ کیوں خود کو ضائع کر رہے ہیں سیاست میں آ کر؟ دیکھئے گا کیسے کیسے واہیات اسکینڈلز بنائیں گے آپ کے مخالفین آپ کے حوالے سے اور آپ تو امریکہ سے آئے ہیں لہٰذا آپ کے کردار کو داغدار کرنا ان کے لئے بہت آسان ہوگا۔'' سلوی نے لان میں واک کرتے یاسر سے کہا خود بھی اس کے ساتھ واک کرنے لگی۔

''آئی نو دیٹ، بٹ ابا جی کو میرا صاف انکار غصہ دلا رہا تھا اس لئے مجھے ان کی بات ماننا پڑی اب اللہ کرے کہ کچھ ایسا ہو جائے کہ ابا جی مجھے خود سیاست سے دور رہنے کا حکم دے دیں۔'' یاسر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''حیرت ہے ویسے آپ امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں اور اپنے ابا جی کے اتنے فرمانبردار ہیں ورنہ باہر کی ہوا جن لوگوں کو لگ جائے وہ تو اپنے علاوہ کسی کی نہیں سنتے۔'' سلوی مسکراتے ہوئے بولی۔

''جو لوگ باہر جا کر اپنی اصل اپنی روٹس کو بھول جاتے ہیں وہ ایسا کرتے ہیں اور میں اپنی جڑوں سے جڑا رہنے میں ہی اپنی بقاء سمجھتا ہوں میری مٹی میری دھرتی سے بنی ہے، پاکستان میری پہچان ہے، دنیا میں میری شناخت کا باعث ہے میں اپنی شناخت کیسے بھول سکتا ہوں، مجھے اپنے وطن سے پیار ہے، اپنے رشتوں سے پیار ہے میں امریکہ جا کر اپنے آپ کو بھول جانے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔'' یاسر کے لہجے میں سچائی اور وطن سے محبت بول رہی تھی، سلوی کو اس کی سوچ اور خیالات پر دلی مسرت ہو رہی تھی اور اس کے دل میں یاسر کے لئے بے حد عزت اور احترام پیدا ہو گیا تھا، اسے خوشی ہو رہی تھی کہ اس کے ہونے والے بہنوئی ایک اچھے مزاج اور کردار کے مالک ہیں اور مثبت سوچ رکھتے ہیں۔

''یاسر بھائی! سچ میں مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کے خیالات سن کر اور فخر بھی ہو رہا ہے کہ آپ میرے کزن ہیں، بہنوئی بننے والے ہیں۔'' وہ اپنی دلی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی تو وہ دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''کاش اتنی خوشی تمہاری بہن کو بھی ہوتی۔''

''وہ بھی خوش ہے بس اوپر اوپر غصہ دکھاتی ہے۔''

''تم بہت اچھی بہن ہو اپنی بہن کو ڈیفنڈ کرتی ہو، بات کو بگڑنے نہیں دینا چاہتیں کاش تم میری بہن ہوتیں۔''

''میں اب بھی آپ کی بہن ہی ہوں چچا زاد بہن ہی ہوں تو بہن نا۔'' سلوی نے رک کر اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کا سر تھپکا۔

''خوش رہو۔''

''یاسر بھائی! ایک مسئلہ ہے مجھے لگتا ہے کہ میں آپ سے شیئر کر سکتی ہوں آپ میری ہیلپ کر سکتے ہیں۔'' سلوی کچھ سوچ کر بولی۔

''ہاں کہو مجھے خوشی ہوگی تمہارے کسی کام آ کر۔'' یاسر بولا۔

''پہلے وعدہ کریں کے اگر آپ میری ہیلپ

نہیں کر سکے تو اس بات کو کسی سے کہیں گے نہیں۔" سلویٰ نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"پرامس۔" یاسر نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تھینک یو۔"

"اب مسئلہ بتاؤ، بھائی سمجھ کر بات کر رہی ہو نا تو یقین رکھو کے میں پوری دیانتداری کے ساتھ تمہارا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کروں گا۔" یاسر نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"ایک لڑکا ہے چاند بہت فلرٹ اور بدنیت ہے۔" سلویٰ نے چاند کے حوالے سے ساری بات اس کے گوش گزار کر دی تھی۔

"ویری بیڈ ایسے لڑکوں کو سزا ملنی چاہیے۔" یاسر نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"جی ہاں، لیکن ایسے کے ان لڑکیوں کی عزت پر حرف نہ آئے اور نہ ہی وہ بعد میں ان لڑکیوں سے یا مجھ سے انتقام لینے کی جرأت کر سکے، آپ کے پولیس سے تعلقات تو ہوں گے ناں؟" سلویٰ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں ابا جی کے جاننے والے تو بہت ہیں پولیس میں۔"

"نہ نہ، پھر آپ رہنے دیں کیونکہ تایا جان کے جاننے والے تو بات پھیلائیں گے اور یہ معاملہ بہت نازک ہے اسے بہت سمجھداری سے ہینڈل کرنا ہوگا۔" سلویٰ نے فوراً منع کر دیا۔

"تو اگر لڑکیوں کی عزت کی بات ہے نا تو شیراز چاند کو کسی اور جرم میں سزا دلوانا ہوگی۔" یاسر بولا۔

"یاسر بھائی! آپ سمجھ نہیں رہے ہیں اگر چاند کو یہ احساس نہ دلایا گیا کے وہ کتنا غلط کام کر رہا ہے تو وہ کبھی اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آئے گا، اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ لڑکوں کو تنگ کرنا ان کی عزت سے کھیلنا ایک گھناؤنا جرم ہے، جس کی سزا بھی ملتی ہے۔" سلویٰ نے سمجھداری سے کہا۔

"ہوں تو پھر۔" یاسر نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"آپ بس دعا کیجئے گا کہ میں ہر معرکہ کامیابی سے سر کر لوں۔" سلویٰ سنجیدگی سے بولی۔

"آمین، انشاءاللہ اور میرے گارڈز تمہاری حفاظت پر مامور رہیں گے یہ تو میں کر سکتا ہوں اس کے لئے تم منع نہیں کرو گی اور جہاں بھی جاؤ گی گارڈز تمہارے ساتھ سایے کی طرح رہیں گے تا کہ شیراز چاند یا اس کے دوست تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں۔" یاسر سنجیدگی سے بولا۔

"گارڈز کی ضرورت نہیں ہے بھائی، میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔" سلویٰ سنجیدگی سے بولی۔

"جانتا ہوں میری بہن بہت بہادر ہے مگر احتیاط لازم ہے اور اس سے تم انکار نہیں کر سکتیں، بے فکر رہو گھر میں کسی کو خبر نہیں ہوگی تمہیں کسی بھی وقت میری ضرورت ہو مدد چاہیے ہو تو مجھے ایک کال یا ٹیکسٹ کر دینا، چاند کو کیسے روکنا ہے تم بھی سوچو میں بھی سوچتا ہوں۔" یاسر نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے تو سوچ بھی لیا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"رئیلی۔"

"ہوں۔" وہ مسکرائی تو وہ اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

☆☆☆

"حد ہوتی ہے بے شرمی کی بھی انسان رمضان کے مہینے کا ہی کچھ خیال کر لیتا ہے۔" غنویٰ جو کھڑکی سے سلویٰ اور یاسر کو کافی دیر سے

باتیں کرتے دیکھ رہی تھی، غصے سے بولتی ہوئی کچن میں آئی جہاں صائمہ بیگم چائے کپ میں نکال رہی تھیں۔

''یہ تم کس کی بات کر رہی ہو؟''

''آپ کی لاڈلی سلوئی کی۔'' غنوئی دانت پیستے ہوئے بولی۔

''اب کیا کر دیا اس نے؟'' صائمہ بیگم نے چولہا بند کیا۔

''گھنٹے سے لان میں یاسر سے گپیں مار رہی ہے اس کا ہاتھ پکڑ کر واک کر رہی ہے، ایک طرف چاند کو چکر دے رکھا ہے اور دوسری طرف ہونے والے بہنوئی کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے، یاسر تو امریکہ میں سالوں گزار کے آئے ہیں انہیں تو لڑکیوں کا ہاتھ تھامنے گلے ملنے میں کوئی خرابی نہیں رکھتی ہو گی دس لڑکیوں کے ساتھ افیئر ز رہے ہوں گے ان کے، لیکن سلوئی کو تو اپنے ماحول کا علم ہے نا اسے تو کچھ عقل اور شرم سے کام لینا چاہیے تھا۔'' غنوئی کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی غصے سے بولتی چلی گئی، یہ خیال کیے بغیر کے وجاہت سعید کے کانوں تک اس کی آواز جا رہی ہے۔

''غنوئی! تمہاری آواز باہر تک جا رہی ہے۔'' سلوئی اندر آئی تو سیدھی کچن کی طرف آتے ہوئے بولی۔

''اور تم جو کچھ باہر کر کے آ رہی ہو نا وہ میں اندر کھڑی ہو کر بھی دیکھ رہی تھی۔'' غنوئی سلگتے لہجے میں بولی۔

''کیا کر کے آ رہی ہوں میں؟''

''زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میں نے میرے منگیتر کا ہاتھ تھامے خوش گپیوں میں مگن تھیں، ڈورے ڈال رہی تھیں نا یاسر پر۔'' غنوئی نے زہریلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ انسان ہیں رضاعی نہیں ہیں کے میں ڈورے ڈالوں گی اور اپنی اس تنگ نظری اور شکی ذہنیت سے چھٹکارا پا لو سمجھیں، ہونہہ، منگیتر بہت جلدی احساس ہو گیا کے یاسر حسین تمہارے منگیتر ہیں، جلن محسوس ہو رہی تھی نا مجھے اور ان کو باتیں کرتے دیکھ کر؟ وہی منگیتر ہیں یہ جن پر تم بھروسہ نہیں کرتیں، جن کی ہر بات کو غلط کہی ہو جن کو تم کرپٹ اور قاتل سمجھتی ہو، پھر اب کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟ کس لئے غصہ آ رہا ہے تمہیں اگر وہ مجھ سے بات کر رہے تھے؟'' سلوئی نے بھی اسے کھری کھری سنا دیں۔

''تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے گھر میں مہمان موجود ہیں اور تم دونوں انتہائی فضول باتیں کیے جا رہی ہو۔'' صائمہ بیگم غصے سے بولیں تو سلوئی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''امی! آپ غنوئی کو سمجھائیں ایسا نہ ہو کے اپنی اس شکی ذہنیت کی وجہ سے یاسر بھائی جیسے محبت کرنے والے نفیس انسان کو گنوا دے، اگر انہوں نے اس کی یہ خرافات سن لیں ناں تو سمجھیں یہ منگنی تو گئی ٹوٹ یوں بھی یہ محترمہ اس منگنی سے خوش نہیں ہیں شکوک وشبہات میں پڑی ہیں۔''

''اور ابھی جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ سب کیا تھا؟''

''آنکھوں دیکھا جھوٹ تھا۔'' سلوئی یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

''ہائے سلوئی!'' وہ یونیورسٹی کی لائبریری میں بیٹھی تھی کے چاند چلا آیا۔

''ہیلو، اچھا کیا تم آ گئے مجھے تم سے کام تھا۔'' سلوئی بولی۔

''زہے نصیب، بولو کیا کام ہے؟'' وہ خوش ہو کر اپنا لیپ ٹاپ میز پر رکھتے ہوئے اس کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میرا لیپ ٹاپ خراب ہو گیا ہے ایک ضروری ای میل کرنا تھی، تم اپنا لیپ ٹاپ دے سکتے ہو دس منٹ کے لئے میں ای میل کر کے واپس دیدوں گی ابھی۔'' سلویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے پریشان سی صورت بنا کر کہا۔

''بس اتنا چھوٹا سا کام، تم بھی کمال کرتی ہو ذرا ذرا سی بات پر اتنا پریشان ہو جاتی ہو لو میرا لیپ ٹاپ بھی تمہارا ہی ہے دس منٹ کیا، دس گھنٹے کے لئے استعمال کر سکتی ہو۔'' شیراز چاند نے اپنا لیپ ٹاپ سیاہ رنگ کے بیگ میں سے نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سو مچ۔'' سلویٰ نے لیپ ٹاپ اوپن کرتے ہوئے کہا، لیپ ٹاپ جس کمپنی کا تھا اور جس سال کا ماڈل تھا، یہ دو چیزیں ہی سلویٰ نے معلوم کرنا تھیں تو وہ ایک منٹ میں معلوم ہو گئیں تھیں۔

''سلویٰ! تمہیں میم رضوانہ بلا رہی ہیں فوراً آؤ۔'' اس کی دوست اور کلاس فیلو ارم نے اسی وقت آ کر اطلاع دی۔

''مجھے کیوں بلا رہی ہیں؟'' سلویٰ نے فکر مندی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''معلوم نہیں جلدی آؤ وہ خاصی غصے میں ہیں۔''

''آ رہی ہوں۔'' وہ لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

''تم نے ای میل کرنا تھی۔'' چاند فوراً بولا۔

''اب تو کل ہی کر سکوں گی میم رضوانہ دو گھنٹے سے پہلے کہاں جان چھوڑتی ہیں تم پلیز لیپ ٹاپ لے آنا کل۔''

''گھر آ جاؤں کیا؟'' چاند نے پوچھا۔

''گھر...... نہیں...... اچھا میں تمہیں ٹیکسٹ کر کے بتاؤں گی، او کے بائے۔'' وہ تیزی سے بولتی اپنی کتابیں سمیٹ کر ارم کے ساتھ لائبریری سے باہر نکل گئی، چاند بڑے فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا۔

☆☆☆

رمضان کا مہینہ تھا اور گھر میں عبادات کے ساتھ ساتھ گھر کے مکینوں کے ذہنوں میں شک کی مکڑی نے جالے بن دیئے تھے، غنویٰ کو اس کے شک نے سلویٰ سے بدظن کر دیا تھا، یاسر جیسا خوبرو شخص اسے چاہتا تھا یہ بات اسے خوشی بھی رہتی تھی مگر وہ اپنے خدشات اور سنی سنائی باتوں کی وجہ سے اس پر اعتبار بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

سحری کے وقت غنویٰ اور صائمہ بیگم اپنی اپنی پلیٹ میں سالن اور پراٹھا رکھ کر چائے کا کپ لسی کا گلاس ٹرے میں رکھ کر اپنے اپنے کمرے میں چلی گئیں، افتخار حسین چوہدری کو بھی وہ خود ہی ٹرے میں سحری کے لوازمات سجا کر دے آئی تھی، اسے امی اور غنویٰ کے رویے پر دکھ ہو رہا تھا۔

''آج کوئی روزہ نہیں رکھے گا کیا؟'' وجاہت سعید سحری کے لئے آیا تو میز ویران دیکھ کر سلویٰ سے پوچھا۔

''سب رکھیں گے۔'' سلویٰ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''بنا سحری کے؟'' وہ کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

''سحری کر رہے ہیں سب اپنے اپنے کمرے میں۔'' سلویٰ نے مسکراتے ہوئے گرم پراٹھا اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے بتایا۔

''اچھا تو پھر مجھے اپنے کمرے میں جا کر سحری کرنا چاہیے یوں مناسب نہیں لگتا کے میں

اور آپ اکیلے بیٹھ کر کھائیں۔'' وجاہت سعید نے سنجیدگی سے کہا، وہ مسکرا کر بولی۔

''ایک اور ایک اکیلے کیسے ہو گئے؟ گیارہ ہوتے ہیں۔''

''اکیلے ہوں تو گیارہ، گناہ گار ٹھہرانے والے ہو جاتے ہیں آپ تو پہلے ہی اپنی امی اور بہن کے شک کی زد میں ہیں میری وجہ سے آپ کو کوئی بات سننا پڑے یہ میں ہرگز نہیں چاہوں گا، آپ انہیں اصل بات بتا کیوں نہیں دیتیں؟'' وجاہت سعید سنجیدگی سے بولا۔

''بتانے سے پہلے ہی بے اعتبار کر دیا جائے تو کیا بتائے کوئی؟ خیر آپ سحری کیجئے میں کچن میں بیٹھ کر کھا لوں گی آپ کو کچھ چاہیے ہو تو بتا دیجئے گا۔'' وہ یہ کہہ کر کچن میں آ گئی، وجاہت سعید خاموشی سے سحری کرنے لگا۔

''میں نے وجاہت سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ امی اور غنویٰ مجھ سے ناراض ہیں۔'' سلویٰ نے دل میں سوچا۔

''ظاہر ہے وہ بھی اس گھر میں رہتے ہیں بدلے ہوئے رویوں اور لہجوں کو محسوس کر سکتے ہیں مگر، اصل بات۔'' بتانے کا کیوں کہا انہوں نے؟

''اس کا مطلب ہے کہ وجاہت کو اصل بات معلوم ہے یا وہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ کوئی نہ کوئی بات ہے جو میرے کردار کو امی اور غنویٰ کی نظروں میں مشکوک بنا رہی ہو۔'' سلویٰ سحری کرتے ہوئے سوچوں کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی، اذان کی پکار نے اسے سوچوں سے باہر نکالا تھا۔

☆☆☆

''ابو! مجھے آپ کی گاڑی مل سکتی ہے اور کچھ رقم بھی؟'' صبح جب افتخار حسین چوہدری یونیورسٹی کے لئے جا رہے تھے تو سلویٰ نے ان سے بات کی۔

''خیریت؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا، صائمہ بیگم جو انہیں ان کا موبائل فون دینے آئی تھیں اس کی فرمائش سن کر رک گئیں۔

''جی ابو! مجھے مارکیٹ جانا ہے کچھ ضروری شاپنگ کرنا ہے۔'' سلویٰ نے جواب دیا۔

''عید کی شاپنگ تو میں نے کر لی تھی تمہارے لئے پھر اب کون سی ضروری شاپنگ کرنا باقی ہے؟'' صائمہ بیگم فوراً انکوائری کرنے لگیں۔

''ہے نا امی! ابو پلیز دے دیں ناں۔''

''بیٹا! گاڑی تو آج نہیں مل سکتی مجھے بہت ضروری کام سے جانا ہے یونیورسٹی کے بعد البتہ پیسے میں دے دیتا ہوں تمہیں کتنے چاہئیں؟'' افتخار حسین چوہدری نے نرمی سے کہا۔

''کم از کم دس بارہ ہزار۔''

''بینک کھول رکھا ہے کیا تمہارے ابو نے جو کھڑے کھڑے دس بارہ ہزار روپے کی فرمائش کر رہی ہو؟'' صائمہ بیگم نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''صائمہ بیگم! بچی کو ضرورت ہو گی ورنہ آج سے پہلے تو سلویٰ نے کبھی سو روپے کی فرمائش بھی نہیں کی۔'' افتخار حسین چوہدری بولے تو صائمہ بیگم نے تیزی سے کہا۔

''وہی تو آج کل اس تیور بدلے بدلے سے ہیں اور آپ بنا چھان بین کیے اسے اتنی بڑی رقم تھما دیں گے میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی، آپ سلویٰ کو ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے۔''

''ٹھیک ہے مت دیں پیسے اللہ مالک ہے۔'' سلویٰ نے نارمل لہجے میں کہا اور دونوں کو حیران چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی، الماری کھولی اپنے پرس اور گلک کو خالی کیا، مطلوبہ روپے

نکل آئے تھے وہ خوش ہوگئی، رقم اپنے پرس میں رکھی چادر اوڑھی اور الماری لاک کرکے باہر آگئی، وجاہت سعید آفس جانے کے لئے گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، وہ دوڑ کر اس کی گاڑی کے پاس آئی۔

''ایکسکیوزمی۔'' سلویٰ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی مس سلویٰ!'' وجاہت سعید نے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ مجھے مارکیٹ تک چھوڑ سکتے ہیں۔''

''مارکیٹ کیا میں آپ کو کہیں بھی نہیں چھوڑ سکتا۔'' وجاہت سعید کا جملہ حسب سابق ذومعنی تھا۔

''اف! اوکے آپ جائیں۔'' وہ مایوس ہو کر پیچھے ہٹی۔

''آپ آئیں۔'' وجاہت سعید نے کہا۔

''آپ کی زحمت ہوگی رہنے دیجئے میں مینج کرلوں گی۔'' سلویٰ نے سنجیدگی سے کہا مگر اس نے گاڑی سے اتر کر دوسری جانب کا دروازہ کھول دیا۔

''بیٹھیے مجھے زحمت نہیں ہوگی مسرت ہوگی۔''

''تھینکس۔'' وہ بے دھڑک گاڑی میں بیٹھ گئی اور افتخار حسین کو میسج کر دیا کے وہ وجاہت سعید سے لفٹ لے کر مارکیٹ جارہی ہے، ان کو اعتراض تو نہیں ہے؟ ان کا جواب آیا۔

''نہیں بیٹا! وجاہت پر بھروسہ ہے مجھے چلی جاؤ اس کے ساتھ۔''

''شکر ہے۔'' سلویٰ نے ان کا جواب پڑھ کر زیر لب کہا۔

''کون سی مارکیٹ جانا ہے آپ کو؟'' وجاہت سعید نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جہاں لیپ ٹاپ خریدے اور بیچے جاتے ہیں اور موبائل فون بھی۔'' سلویٰ نے بتایا۔

''آں ہاں، آپ نے خریدنا ہے یا بیچنا ہے؟''

''خریدنا ہے موبائل فون بھی اور لیپ ٹاپ بھی۔'' سلویٰ نے جواب دیا۔

''اپنے لئے؟''

''نہیں کسی کے لئے۔''

''چاند کے لئے؟''

''جی ہاں۔'' سلویٰ نے اس کے درست اندازے پر تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ ایک مل اونر کا بیٹا ہے نا؟ اس کے پاس تو بہت اعلیٰ قسم کا لیپ ٹاپ اور موبائل ہوگا نا۔''

''جی!''

''تو آپ کیوں خرید رہی ہیں اس کے لئے؟''

''میں آپ کو کیوں بتاؤں؟''

''میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کے گھر میں آنٹی اور غنویٰ بہن آپ سے ناراض ہیں بلکہ بدگمان ہیں آئی تو آپ کچھ غلط نہیں کریں گی مگر اپنوں کو اعتماد میں لینا ضروری ہوتا ہے اور بہتر بھی ہے۔'' وجاہت سعید نے سنجیدگی سے کہا۔

''بجا فرمایا آپ نے، لیکن اگر شک اور بے یقینی کے سایے منڈلا رہے ہوں ناں تو اپنوں کیا پرائیوں سے بھی کوئی راز، کوئی اہم بات شیئر نہیں کرنی چاہیے جب آپ کو پہلے ہی بے اعتبار کردیا جائے تو ان سے اعتبار اور ساتھ کی توقع کرنا حماقت ہے۔'' سلویٰ گاڑی سے باہر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی اس کے لہجے کا دکھ وجاہت سعید کو اپنے دل پر محسوس ہورہا تھا۔

''چاند آپ کو چاہتا ہے، شاید آپ سے شادی کرنا چاہتا ہے آپ بھی اسے پسند کرتی ہیں،

آپ دونوں فیملیز ایک دوسرے کو جانتی ہیں تو کسی کو اس رشتے پر اعتراض نہیں ہو گا میرے خیال سے پھر آپ گا یوں چاند کے لئے گفٹ خریدنا اس کے لئے اتنا کیئرنگ ایٹی ٹیوڈ دکھانا میری سمجھ سے باہر ہے یہ سب آپ کو اپنے گھر والوں کی نظروں میں برا بنا رہا ہے۔'' وجاہت سعید نے سنجیدگی سے کہا وہ اس کے مشاہدے اور تجزیے پر حیران رہ گئی۔

''برا یہ ہے کہ وہ برا سمجھ رہے ہیں ورنہ چاند پہلے بھی ہمارے گھر آجایا کرتا تھا بلکہ پہلے تو زیادہ آنا جانا تھا اس کا ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے میں اس کے بھی کبھار ملا کرتی تھی ایک دو ماہ سے ملنے لگی ہوں بات کرنے لگی ہوں تو اس میں کون سا طوفان آ گیا ہے؟ اور گفٹ تو کبھی بھی نہیں دیا میں نے اسے اور نہ ہی اب دینے والی ہوں میں تو اسے سزا دلوانا چاہتی ہوں۔''

''کیسی سزا؟''

''رہنے دیں شک تو آپ کو بھی ہے مجھ پر۔''

''ہرگز نہیں مجھے شک نہیں ہے آپ پر، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کچھ اچھا کرنے کی کوشش میں بری بن رہی ہیں، مس سلویٰ آپ مجھ پر اعتبار کر سکتی ہیں بتا سکتی ہیں کے اصل معاملہ کیا ہے؟'' وجاہت سعید بولے۔

''یاسر بھائی نے بھی یہی کہا تھا میں نے انہیں سب بتا دیا مگر وہ جس طرح سے ہیلپ کرنا چاہ رہے تھے وہ مناسب نہیں تھا پھر بھی انہوں نے میری سیکورٹی کے لئے اپنے گارڈز لگا دیے ہیں ان کا یہ احساس اور خیال ہی میرے لئے بہت ہے۔'' سلویٰ نے مسکرا کر کہا۔

''مائی گاڈ! ایسا کیا ہونے والا ہے کہ آپ کو گارڈز کی ضرورت پیش آ گئی؟'' وجاہت سعید نے جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہونے والا یاسر بھائی مجھے اپنی سگی بہن کی طرح سمجھتے ہیں انہیں میری پروا ہے اس لئے گارڈز رکھوا دیئے ہیں پلیز یہ بات اپنے تک ہی رکھیئے گا اور میں چاند کے چکر میں نہیں ہوں نہ ہی اس گھٹیا شخص کو پسند کرتی ہوں شادی تو بہت دور کی بات ہے۔'' سلویٰ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو جیسے اس کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی تھی۔

''پھر کیا معاملہ ہے؟'' وجاہت سعید اس کے چادر کے ہالے میں دمکتے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''بتانے کا فائدہ؟''

''ممکن ہے کہ میں آپ کی مدد کر سکوں کوئی بہتر حل بتا سکوں۔''

''ہوں، آپ میرا ساتھ دیں گے؟''

''میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گا آپ بتائیں تو سہی مسئلہ کیا ہے؟'' وجاہت سعید نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تو سلویٰ نے اسے سارا قصہ سنا دیا۔

''بہت خطرناک کھیل ہے یہ تو آپ کو اس میں نہیں پڑنا چاہیے وہ شخص آپ کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔'' وجاہت سعید نے اس کی زبانی ساری کہانی سن کر کہا۔

''ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ ہر حال میں میرا ساتھ دیں گے اور اب میرا حوصلہ بھی پست کر رہے ہیں کمال ہے بھئی۔'' سلویٰ نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کمال ہے بھئی'' شاید اس کا تکیہ کلام تھا وہ اکثر یہ جملہ استعمال کرتی تھی وجاہت سعید نے نوٹ کیا تھا۔

''میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں حال

میں، مستقبل میں آپ کا ساتھ دوں گا میرا وعدہ ہے آپ سے۔'' وجاہت سعید نے اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو سلوٰی کے دل کی دھڑکنیں خوشی سے بے خودی سے رقص کرنے لگیں، چہرے پر حیا کی لالی پھیل گئی۔

''بدل تو نہیں جائیں گے یا بد دل تو نہیں ہو جائیں گے مجھ سے؟''

''ہرگز نہیں۔'' وجاہت سعید مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوکے چلیں موبائل اور لیپ ٹاپ خریدیں یہ نام اور ماڈل لکھا ہے چٹ پر۔'' سلوٰی نے اپنے پرس میں سفید پرچی نکال کر اس کو دیتے ہوئے کہا۔

''ہوں، ٹھیک ہے۔'' وجاہت سعید نے چٹ پڑھنے کے بعد کہا۔

''اور یہ رقم ہے صرف سولہ ہزار ہیں باقی آپ دے دیجیے گا میں آپ کو ایک ہفتے میں لوٹا دوں گی۔'' سلوٰی نے رقم نکال کر اس کی طرف بڑھا کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''یہ آپ اپنے پاس رکھیے آپ کی جمع شدہ پاکٹ منی ہے مجھے معلوم ہے۔''

''ایک تو آپ کو سب کچھ پہلے سے ہی معلوم ہوتا ہے جاسوس ہیں یا آپ کو الہام ہو جاتا ہے؟'' سلوٰی نے چڑ کر کہا۔

''محبت کسی الہام سے کم تھوڑی ہوتی ہے جس سے ہو جائے اس کی خبر رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''یہ محبت کہاں سے آ گئی، ہم رقم کی بات کر رہے تھے نا؟'' سلوٰی نے جان بوجھ کر اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں رقم ہے میرے پاس اس کار خیر میں مجھے بھی اپنا حصہ ڈالنے دیجیے میں موبائل اور لیپ ٹاپ ابھی خرید دیتا ہوں آپ کو مگر آپ یہ ایکسچینج کیسے کریں گی چاند کے لیپ ٹاپ اور موبائل فون کیسے؟''

''کرلوں گی انشاءاللہ! خاصا رسکی ہے پر ہو جائے گا کرنا پڑے گا اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔'' سلوٰی سنجیدگی سے بولی۔

''اوکے، بیسٹ آف لک اینڈ تھینکس آلاٹ مجھ پر ٹرسٹ کرنے کے لئے۔'' وجاہت سعید نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

وہ موبائل اور لیپ ٹاپ خرید کر گھر آ گئی، پے منٹ وجاہت سعید نے کی تھی، اس کے سولہ ہزار خرچ ہونے سے بچ گئے تھے۔

☆☆☆

نیب نے انتظار حسین چوہدری کے خلاف عدالت میں ثبوت پیش کر دیئے تھے کرپشن کے الزامات مخالف جماعتوں کی طرف سے بھی عائد کیے گئے تھے، چھان بین اور تفتیش کے بعد عدالت نے انہیں نوٹس جاری کر دیا تھا، عدالت میں طلبی اور اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کی جواب دہی کے لئے انتظار حسین چوہدری کو عدالت جانا پڑا۔

ہر طرف سیاسی مخالفین کے بیانات جاری ہو رہے تھے، سب کے سب انہیں کرپٹ اور بے ایمان قرار دے رہے تھے، ان کے اثاثوں کی تفصیلات اور کل جائیداد کی وجہ اور ذرائع خرید و فروخت سب کچھ عدالت میں پیش کرنے کا حکم نامہ آ گیا تھا، انتظار حسین چوہدری نے بڑا مہنگا اور معروف وکیل ہائر کیا تھا اپنے مقدمے کی پیروی کرنے کے لئے۔

''ہمارے باپ دادا کی زمین جائیداد ہے یہ سب اور یہ لوگ اب ہم سے ہمارے پرکھوں کی

جائیداد کا حساب مانگیں گے۔'' انتظار حسین چوہدری غصے سے آگ بگولہ ہو رہے تھے، دونوں بیٹے اور بیوی بھی پریشان سے ان کے پاس موجود تھے۔

''ابا جی! وہ صرف کرپشن کے پیسے سے بنائی جانے والی جائیداد کا حساب مانگ رہے ہیں بہتر ہے کہ یہ حساب آپ دنیا کی عدالت میں بھی کلیئر کر لیں ورنہ اللہ کی عدالت میں اس کا حساب دینا پڑے گا اور وہ تو ایک ایک پائی کا حساب مانگے گا، وہ تو دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال تک جان لیتا ہے، اس لئے ایمانداری سے یہ مقدمہ لڑ لیں، کیونکہ اللہ کے ہاں مقدمہ لڑنے کی مہلت نہیں ملے گی وہاں صرف فیصلہ سنایا جائے گا اور سزا پر عمل کرایا جائے گا۔'' یاسر نے انہیں دیکھتے ہوئے مخلصانہ مشورہ دیا۔

''ابا جی! یاسر ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ناصر نے یاسر کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو ڈر ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ کہیں نیب والے ہمارے بیٹوں کو بھی گرفتار کر کے نہ لے جائیں۔'' ریحانہ بیگم نے متفکر لہجے میں کہا تو وہ بولے۔

''انہوں نے کیا کیا ہے جو وہ لوگ انہیں گرفتار کریں گے؟''

''جرم ایک کرتا ہے اور سزا پورا خاندان بھگتتا ہے، یہ اس ملک اور معاشرے کا المیہ ہے۔'' ریحانہ بیگم نے کہا۔

''گویا تم نے مجھے مجرم تسلیم کر لیا ہے واہ بیگم واہ، جب میری بیوی نے ہی مجھے مجرم کہہ دیا باہر میں کس کس کو اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں گا، کہاں سے ثبوت پیش کروں گا؟'' انتظار حسین چوہدری نے طنزیہ لہجے میں کہا وہ خجل ہو گئیں۔

''جرم کر کے صاف بچ بھی جائیں گے تو آخرت میں پکڑے جائیں گے وہاں کی پکڑ سے بچنا ہے تو بہتر ہے کہ ہم یہاں اپنا دامن صاف کر لیں، جرم کیا ہے تو اعتراف کرلیں سزا جھیل لیں، ضمیر پر بوجھ نے رکھیں۔'' یاسر سنجیدگی سے بولا۔

''ابا جی! ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے جو مال پیسہ سیاست سے بنایا ہے وہ لوٹا دیں یا اپنے حلقے کے لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیں، ملک وقوم کی خدمت تو سیاست میں آئے بغیر بھی کی جا سکتی ہے، ہاں اگر مقصد اپنا بینک بیلنس بڑھانا جائیداد بنانا ہو تو پھر سیاست سے اچھا اور منافع بخش کاروبار کوئی نہیں ہے اس ملک میں۔'' ناصر نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم دونوں اپنی جائیداد کے کاغذات سنبھال کے رکھوان کا نفع نقصان سب لکھو دیکھو باپ دادا کی جائیداد پر کسی نیب کا حق نہیں ہے۔'' انتظار حسین چوہدری نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''جی بہتر۔'' ناصر بولا۔

اور پھر عدالت میں پیشی لگی، انتظار حسین چوہدری اپنی صفائی میں کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے، چوتھی پیشی پر انتظار حسین چوہدری کو سیاست سے نااہل قرار دے دیا گیا، جرمانہ عائد کیا گیا اور کافی جائیداد یاسر اور ناصر کے سمجھانے پر وہ فلاحی ادارے کو دے چکے تھے اس لئے بھی جیل سے بچت ہوگئی اب سیاسی مخالفین اور ان کی جماعت کے لیڈران انتظار حسین چوہدری کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے تقریریں کرنے اور بیانات جاری کرنے میں جت گئے تھے، ناصر اور یاسر کو بھی پارٹی ٹکٹ کی آفرز ہو رہی تھیں، مگر ان دونوں نے ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ سیاست سے دور رہنے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

''ملک اور عوام کی خدمت کرنے کے لئے سیاست میں آنا ضروری نہیں ہوتا ہم اپنے طور پر اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی اپنے لوگوں کی خدمت کر سکتے ہیں بات احساس اور نیک نیتی کی ہے۔'' یاسر نے صحافیوں کو جواب دیئے ہوئے کہا۔

''آپ اپنے والد کی کرپشن کے بارے میں کیا کہیں گے؟'' ایک صحافی نے سوال کیا۔

''دیکھئے مقدمہ عدالت میں ہے والد صاحب کو نااہل قرار دے دیا گیا ہے اگر کرپشن کے تمام الزامات درست ثابت ہو جاتے ہیں تو پھر عدالت ہی کہے گی جو بھی کہے گی اور اگر ہماری اپیل خارج ہو جاتی ہے تو بھی ہم عدالت کے فیصلے کا احترام کریں گے، قانون کا احترام ہم سب پر لازم ہے اور انتظار حسین چوہدری صاحب کو عدالت نے نااہل قرار دے کر ایک طرح سے سزا ہی سنائی ہے۔'' ناصر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''گویا آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ انتظار حسین صاحب کو نااہل قرار دینا ان کی کرپشن کی سزا ہے؟'' دوسرے صحافی نے کہا۔

''نو کمنٹس۔'' ناصر یہ کہہ کر یاسر کا ہاتھ پکڑ کر صحافیوں کے ہجوم سے نکلتا چلا گیا، ٹی وی چینلز کے کیمرے ان کی گاڑی کے تعاقب میں تھے۔

(باقی اگلے ماہ)

☆☆☆

زیست کے رنگ

اسماء بدر



امی جان کو شام کی چائے دینے کے بعد گھر کے چھوٹے چھوٹے کام نبٹا کر سویرا آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی، بلکہ خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھ کر خود کلام ہوئی۔

''کتنے دنوں سے پارلر جانے کا سوچ رہی ہوں پر روز کسی نہ کسی کام کی وجہ سے ٹال ہو جاتی ہے، کل تو لازمی پارلر جا کر فیشل کرواؤنگی۔'' سویرا نے پختہ لہجے میں کہا۔

وہ کل کے لئے مزید کچھ پلاننگ کرتی کہ قریب رکھے فون نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا، سویرا نے سیل فون اٹھا کر اسکرین پر نظر آنے والے نمبر کو دیکھا، جسے دیکھتے ہی ایک دلفریب مسکان خود بخود اس کے چہرے پر پھیل گئی، اس کے گال بلش ہونے لگے، دل کی دھڑکنیں اچھل پھل ہونے لگی۔

محبت کی گلابی تتلیاں اس کے چہرے اور چار سو پھیل گئی اس نے کال ریسیو کی اور اپنے بیڈ پر سکون سے بیٹھ گئی، دوسری طرف خوشی سے چہکنے والا، اس سے پیار کے دعویٰ وعدے کرنے والا اس کا منگیتر ثاقب تھا، ثاقب سے وہ گھنٹوں، گھنٹوں فون پر باتیں کرتی وقت کا پتا ہی نہیں چلتا تھا، وہ بہت خوش تھی اس رشتے پر۔

☆☆☆

سویرا کا تعلق ایک سفید پوش خوشحال فیملی سے تھا، شکل صورت ایسی تھی، کہ جو دیکھتا وہ یہی کہتا کہ ''اللہ نے بہت فرصت میں بنایا ہے۔'' فیملی کچھ بڑی نہ تھی، پڑھی لکھی سلجھی ہوئی تھی، اس کے والد کا ذاتی کپڑے کا روبار نہ تھا، گو کے پیسے کی ریل پیل نہ تھی، مگر ایسی تنگی بھی نہ تھی، دو بڑی بہنیں شادی شدہ تھی اور اپنی اپنی زندگی میں بہت خوش تھیں، جب کہ سویرا نے حال ہی میں بی کام کے پیپرز دیئے تھے، جب وہ میٹرک میں تھی، تو ماموں کے بیٹے عامر سے اس کا رشتہ طے ہو گیا، جب کہ عامر کسی اور کو پسند کرتا تھا، سویرا کی خوبصورتی بھی اس کو مائل نہ کر سکی اس رشتے پر، سو لاکھ ماں باپ کے سمجھانے کے باوجود چار سال بعد اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، سویرا کو وقتی دکھ تو ہوا مگر اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، جب اس نے اللہ پر بھروسہ کیا تو اللہ نے اسے اس کا صبر کا پھل بہت جلد ثاقب کی صورت میں دیا، گھر میں سویرا کی ایک بھابھی تھی ایمن، جو پڑھی لکھی اچھی لڑکی تھی اس کی کزن بھی تھی، اسے زیادہ بولنے کی عادت نہ تھی، وہ اپنے سسرال کے ساتھ مخلص تھی اس کے دو بچے تھے زید، زوہان، سویرا کے دو بھائی تھے، معیز والد کے ساتھ کاروبار میں تھا، جبکہ معاذ ڈاکٹر بن رہا تھا، اس کا آخری سال چل رہا تھا، گھر جنت سے کم نہ تھا۔

☆☆☆

ثاقب روز صبح اٹھتے ہی گڈ مارننگ کا میسج کرتا تھا، اس سے ہی سویرا کی آنکھ کھلتی تھی، وہ ثاقب کی محبت پر نہال ہو جاتی تھی، اسے اپنے گرد محبت کی میٹھی خوشبو محسوس ہو رہی تھی، حسین مسکراہٹ اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئی تھی، وہ محبت میں ڈوبی حسین دلفریب صبح کا پن لئے خوشی سے بیدار ہوئی تھی، وہ ہمیشہ کی طرح اپنے روز مرہ کے کاموں میں مگن تھی، دل خوشی سے سرشار، خوشگوار موڈ تھا، اسے اپنے چار سو بہار محسوس ہو رہی تھی، اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب سے اس کی بہترین دوست ارم کچن کے دروازے پر کھڑی اسے مسکراتا دیکھ کر خود بھی مسکرا رہی ہے، اچانک سویرا کی نظر ارم پر پڑی تو وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی۔

''تم...... کب آئی؟''

''شکر ہے آپ کی نظر تو پڑی مجھ پر، جب

دل ودماغ پر کوئی اور چھایا ہوتو بھلا...... میں کہاں نظر آتی تمہیں۔''

''تو تمہیں آج ملنے کی توفیق ہوگئی۔'' سویرا نے اس کا جواب دینے کی بجائے خود شکوہ کیا۔

''چلو...... جی...... الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔''

''وہ مثال تیرے لئے ہی بنی ہے۔'' وہ دھپ سے شیلف کے اوپر چڑھ بیٹھی۔

''چلو کمرے میں چل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ ارم کو زبردستی کچن سے نکال لائی، ارم کے پاس باتوں کا وہ خزانہ ہوتا ہے، جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

''قسم سے ارم، کتنے دنوں سے تجھ سے ملنے کا سوچ رہی تھی، بس آ نہیں سکی۔'' سویرا نے معافی طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہوں، بس رہنے دو، تمہیں ثاقب سے فرصت ملے تو ناں۔'' ارم کی بات مکمل ہونے سے پہلے فون نے اپنی طرف متوجہ کیا۔

دوریاں ہی سہی ایک بات تو بتاؤ
مصروف ہو یا بھلانا چاہتے ہو

''کس کا میسج ہے؟'' ارم نے سویرا کے چہرے کے خوشنما رنگ دیکھ کر کہا۔

''ثاقب کا، اصل میں آج تھوڑا بزی تھی، تو اس لئے بات نہیں ہو پائی۔''

''ایک بات کہوں؟'' ارم نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا، سویرا نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ثاقب سے یوں فون پر بات کرنا تمہیں لگتا ہے کہ تم ٹھیک کررہی ہو۔''

''ارم، مجھے لگتا ہے، کہ جو کچھ کررہی ہوں، وہ مجھے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔'' سویرا نے لمبی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''اور...... شاید یہ سب میں نے بہت پہلے کر لیا ہوتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنے پڑتے، امی جان یوں دکھی نہ ہوتی عامر کسی اور میں انٹرسٹیڈ نہ ہوتا۔'' سویرا نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے افسوس ہو رہا ہے سویرا تمہاری سوچ پر، تم کس طرح ایسا سوچ سکتی ہو؟ تم ایسی تو نہ تھی، ارے پگلی عامر تمہارے نصیب میں نہیں تھا، اس لئے وہ تمہیں نہیں ملا، اس کی وجہ فون پر بات نہ کرنا نہیں تھی اور اگر ثاقب تمہارا نصیب ہے تو بھی وجہ فون پر بات کرنا نہیں ہے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ فون پر باتیں کرنے کے باوجود ثاقب تمہیں نہ ملے۔''

''پلیز ایسا مت کہو۔'' سویرا کانپ گئی تھی۔

''سویرا میری جان، تمہاری سوچ غلط ہے، تمہارا یوں ثاقب سے فون پر بات کرنا تمہیں اس کی نظروں میں گرا رہا ہے اگر کل کو آگے چل کر ثاقب نے تم پر شک کیا کہ، تم مجھ سے پہلے عامر سے بھی یوں ہی فون پر باتیں کرتی تھی، تو اس پل کیا کرو گی؟ کیسے اپنی بے گناہی ثابت کرو گی؟''

ایک لمحے کو سویرا بت بن گئی، کیوں کہ ارم کی بات میں وزن تھا۔

''نہیں ارم، وہ مجھ پر شک نہیں کر سکتے۔'' پتا نہیں سویرا نے یہ تسلی ارم کو دی تھی یا خود کو۔

''مرد کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا ہے، کیا پتا کس پل بدل جائے۔''

''دیکھو سویرا، اپنے رب پر یقین رکھو، اپنی عقل اور فون پر نہیں، وہ رب جو ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے، بھلا وہ تمہارا برا کیسے سوچ سکتا ہے، رب کے بجائے عقل پر یقین رکھنے والے مارے جاتے ہیں یاد رکھنا۔''

''چھوڑو، کوئی اور بات کرتے ہیں۔'' وہ خود بھی الجھ سی گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے روز سویرا معمول کے مطابق گھر کے کاموں میں بزی تھی، پر ذہن ارم کی باتوں میں الجھا تھا، ارم کی باتیں اس نے کسی سے شیئر نہیں کی، پر وہ خود کافی اپ سیٹ تھی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ارم اس کا کبھی برا نہیں چاہ سکتی، وہ کچن کے کاموں میں مصروف تھی، جب اسے بھابھی نے اس کے سسرال والوں کے آنے کی خبر دی، اور ساتھ ہی بتایا کہ وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں، یہ خبر سن کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، حیا کے رنگ اس کے چہرے پر چھانے لگے، وہ آگے کی زندگی کے حسین خواب بننے لگی، سویرا چائے اور دیگر لوازمات لے کر اندر داخل ہوئی تو یہ باتیں چل رہی تھیں۔

''آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کر رہی ہیں۔'' سویرا کی امی گویا ہوئی۔

''بس ہمیں ہماری سویرا چاہیے اور کچھ بھی نہیں چاہیے ہمیں اور ویسے بھی اللہ کا دیا سب کچھ ہے، میرے پاس مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، تو آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟'' سویرا کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''میری تو دعا ہے کہ ہر بیٹی کو اللہ آپ لوگوں جیسا سسرال دے۔''

''بہت جلد میں آپ لوگوں کے گھر سے آپ کی بیٹی کو اپنی بیٹی بنا کر گھر لے کر جاؤں گی۔'' ثاقب کی ماں نے صاف دلی سے کہا۔

''اگر سب کی سوچ آپ جیسی ہو تو کوئی بیٹی سسرال میں دکھی نہ ہو۔'' ثاقب کی ماں کا ہاتھ تھام کر کہا اور آنکھیں پانی سے بھر آئیں۔

☆☆☆

سویرا اپنے کمرے میں اطمینان سے لیٹی آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی، شرم و حیا کے رنگ چہرے سے عیاں تھے، حسین مسکان چہرے پر کھیل رہی تھی، بھابھی نے سارے گھر کا کام کاج سنبھال لیا تھا اور سویرا کو کہا کہ ''تم بس آرام کرو خود پر توجہ دو خوش رہو۔''

راجہ کی آئے گی بارات
رنگیلی ہو گی رات
مگن میں ناچوں گی
مگن میں ناچوں گی

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، گھر میں گہما گہمی بڑھتی جا رہی تھی، دونوں بہنیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر گھر آ گئی تھیں، گھر میں شور و غل بڑھ گیا تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، گھر میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، ہنسی مذاق، شور شرابا رقص کرتی خوشیاں چار سو تھیں، رات گئے تک محفلیں سجتی تھیں، ارم نے بھی دوست ہونے کا حق خوب ادا کیا اور شادی کے ہر کام میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سویرا کی تمام فیملی کو وہ سمجھدار سلجھی ہوئی خوش مزاج سی ارم، معاذ کے لئے پسند آ گئی۔

☆☆☆

سویرا دل میں ہزاروں ارمان، پیار، محبت لے کر ثاقب کی زندگی اور گھر کی رونق بن گئی، یہاں اسے اتنا پیار ملا کہ گھر سے دوری کا احساس ہی نہیں ہوا، ثاقب کی ماں نے اسے بالکل ماں جیسا پیار دیا، یہاں کا اپنا پن، یہاں کا ماحول اسے بالکل اپنے گھر جیسا لگا۔

''ہر لڑکی کو سسرال میں گھر جیسا ماحول، گھر جیسا پیار و چاہت ملے تو کوئی لڑکی سسرال کے بارے میں بری سوچ نہ رکھے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے گھر سے گھر تک کا سفر طے کیا ہے۔'' سویرا نے تشکر آمیز نظروں سے نیلے آسمان کی طرف دیکھ کر سوچا۔

شام کی چائے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں کپڑوں کو ترتیب سے رکھ رہی تھی، کہ کسی نے چپکے چپکے دبے پاؤں آ کر اسے پیچھے سے بانہوں کے حصار میں لے لیا، ان بانہوں کی گرفت سے سویرا نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی، اس کے گال بلش ہونے لگے، چہرے پر خوبصورت مسکراہٹ تھی، اس کی حالت دیکھ کر ثاقب نے دھیرے سے اس کی گردن پر پیار کیا، سویرا نے مسکراتے ہوئے شرما کر خود کو چھڑا لیا۔

''دیکھو میں تمہارے لئے کیا لایا ہوں؟''

ثاقب نے ٹیبل پر سے خوشبو پھیلائے گجرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں پسند ہیں ناں، اس لئے میں لے آیا۔'' کوئی جواب نہ پا کر ثاقب نے خود ہی اس کے ہاتھوں میں پہناتے ہوئے کہا، سویرا خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی، ثاقب کی محبت کی شدت اسے اور ثاقب کے قریب کر رہی تھی وہ خوش تھی بے پناہ۔

شادی کے تین ماہ بعد سویرا امید سے ہو گئی یہ خبر سن کر تو ثاقب خوشی سے پاگل ہو گیا سویرا کی ساس تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ سب کی دیرینہ خواہش پوری ہونے جا رہی ہے اور سویرا تو خود ان سب سے یوں نظریں چرا رہی تھی جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو سب لوگ پہلے سے بھی زیادہ اس کا خیال رکھنے لگے ثاقب کی چاہت دیکھ کر تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتی، سویرا کی خوشحال زندگی سے اس کے گھر والے مطمئن تھے، سویرا کی ماں تو ہر وقت خدا کا شکر بجا لاتی تھی کہ۔

''سویرا اپنے گھر میں خوش بلکہ بہت خوش ہے، اللہ اسے سدا خوش رکھے اور جس ماں کی بیٹیاں اپنے سسرال میں خوش ہوں سکھی ہوں اس ماں کی تو پوری زندگی سکھی ہے۔''

☆☆☆

کچھ دنوں سے ثاقب کا رویہ کچھ بدلا بدلا سا تھا، یہ بات سویرا نے نوٹ کی اور کتنی بار پوچھا پر ثاقب ہر بار ٹال گیا، اسے خود بھی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، سویرا نے بہت سوچا اسے سمجھ نہ آئی، کوئی وجہ نہ ملی، رات کو جب ثاقب کمرے میں آیا تو سویرا سے رہا نہ گیا اور فوراً بغیر تمہید باندھے یوں بدلنے کی وجہ پوچھی، پر دوسری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

دیکھی ہے اس کی آنکھ میں پہلی دفعہ نمی
یوں لگ رہا ہے جیسے سمندر اداس ہو

''کوئی اتنا پیار دے کر بدلے تو دکھ بھی زیادہ ہوتا ہے۔'' ثاقب سے رہا نہ گیا اور جھٹ اس کے آنسو پونچھے۔

''نہیں مجھے پہلے وجہ بتائیں؟ میں نے بہت سوچا پر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' سویرا نے ثاقب کے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو چھوڑو ناں بس تم ہنس کر دکھاؤ۔'' ثاقب نے اس کا ہاتھ تھام کر ٹالنے والے انداز میں کہا۔

''نہیں آپ مجھے پہلے وجہ بتائیں۔'' سویرا بضد تھیں۔

''یار کچھ نہیں، بس یونہیں میں تھوڑا بہک گیا تھا دل تھوڑا سا بدگمان سا ہو گیا تھا، پلیز کہا ناں چھوڑو، سوری جان۔'' ثاقب نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے صاف گوئی سے غلطی کا اعتراف کیا۔

''نہیں مجھے بتائیں، کیسی غلط فہمی، کس بات کو لے کر آپ بدگمان تھے۔'' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''یار تم بھی ناں، میں...... وہ...... میں۔''

ثاقب نے الجھ کر بے ربط سا جواب دیا اور سویرا کو سوالیہ نظروں سے خود کر طرف دیکھتا پا کر خود ہی اپنے دل کی بات سامنے رکھ دی۔

''مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا تھا، میں نے تم پر شک کیا، وہ بھی فون کو لے کر، کہ کہیں تم مجھ سے پہلے یوں ہی عامر سے بھی بات کرتی ہو گی، اس کے ساتھ بھی تو تمہارا رشتہ جڑا تھا، لیکن مجھے پتا ہے کہ تم...... ایسی نہیں ہو، مجھے تم پر یوں شک نہیں کرنا چاہیے تھا، سویرا میری جان، میں جانتا ہوں کہ تم ایسی نہیں ہو، میں خود اپنی اس حرکت پر اس سوچ پر بہت شرمندہ ہوں، سوری جان، رئیلی سوری، پلیز تم دل صاف کر لو، مجھے پتا ہے کہ تم ایسی بالکل نہیں ہو، میں غلط تھا، پلیز تم دل صاف کر لو۔'' ثاقب مسلسل اپنی صفائی دے رہا تھا، سویرا بت بنی سن رہی تھی، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں ہو رہا تھا، اس کی نظریں ثاقب پر جمی تھیں اور ارم کے کہے ہوئے جملے اس کے کانوں میں گردش کر رہے تھے۔

''اگر کل کو آگے چل کر ثاقب نے تم پر شک کر لیا تو بتاؤ اس پل کیا کرو گی، کیسے اپنی بے گناہی ثابت کرو گی؟ عقل پر بھروسہ کرنے والے ہمیشہ مارے جاتے ہیں، اپنے رب پر یقین رکھو، عقل اور فون پر نہیں۔''

''نہیں ارم، وہ مجھ پر شک نہیں کر سکتے۔''

''مرد کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، کہ وہ کس پل بدل جائے۔''

سویرا اس وقت ثاقب کی بانہوں کے حصار میں تھی مگر دل و دماغ کہیں اور تھا، رات کا وہ جانے کون سا پہر تھا، نیند سویرا کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، ثاقب جانے کب نیند کی وادی میں جا پہنچا، سویرا اپنے بیتے کل کی کم عقلی اور بیوقوفی پر ماتم کر رہی تھی اور خود سے ہم کلام ہوئی۔

''واقعی مجھے شادی سے پہلے فون پر یوں باتیں نہیں کرنی چاہیے تھی اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو آج میرا سر فخر سے بلند ہوتا، عامر تو میرا نصیب تھا ہی نہیں، میرا نصیب تو ثاقب تھے میں نے اپنی عقل پر بھروسہ کیا اور نقصان اٹھایا مگر اب پچھتانے کا کیا فائدہ اور اگر آج میرا رب میرا ساتھ نہ دیتا اور ثاقب کو میری پرکھ نہ ہوتی اور وہ شک میں ہی رہتے تو، میری زندگی تو تباہ ہو جاتی۔'' وہ سوچ کر ہی کانپ گئی، وہ جھٹ اپنے بستر سے اٹھ کر اپنے رب کا شکر بجا لانے لگی کہ جس نے اس کی زندگی تباہ ہونے سے بچا لی، اس کا گھر ٹوٹنے سے بچا لیا۔

☆☆☆

رحمتِ الٰہی

سویرا فلک



''ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتا کہ شریف صاحب کو اتنی مدتوں بعد یوں سلامی پیش کرنے کی کیا سوجی۔'' ندرت بیگم نے پان کی گلوری چباتے ہوئے کہا، ان کے تنکتے لہجے پر فرید صاحب خود بھی تنک اٹھے۔

''عجیب خاتون ہیں آپ، وہ ہمارے رشتے دار ہیں اور یاد نہیں کہ جب ہم لاہور گئے تھے تو کیسی آؤ بھگت کی تھی ہماری اب ان پر ہم کراچی والوں کی مہمان نوازی ثابت کرنے کا موقع ملا ہے تو کیا ہم منہ موڑ لیں۔''

''لو میں نے یہ کب کہا آپ تو بس تیار بیٹھے ہوتے ہیں لڑنے مرنے کو، ارے میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ خیر سے رمضان شریف میں آمد ہے شریف صاحب کی، اب گھر کا معاملہ ہو تو آدمی گنے چنے لوازمات سے سحر و افطار نمٹا لیتا ہے مگر اب جو مہمان روزے دار ہوگا تو دستر خوان بھی اس لحاظ سے چنا جائے گا اور آپ جو خرچ دے رہے ہیں اس میں تو بس وہی روٹین کا راشن آتا ہے۔'' میاں کا مزاج گرم ہوتے دیکھ کر ندرت بیگم نے گو کہ اپنے تئیں تو پینترا ہی بدلنا چاہا مگر حسب معمول بات وہی چھیڑی جس سے میاں کے مزاج کو گویا پتنگے ہی لگ جائیں۔

''آپ سے تو بحث کرنا ہی فضول ہے آپ تو گھوم پھر کر خرچے پر ہی آ جائیں وہی مرغے کی ایک ٹانگ، میں اس بار خرچہ اماں کو دوں گا کیونکہ نہ میرے پاس فالتو رقم ہے اور نہ میں سکی مول لے سکتا ہوں۔'' اب فرید صاحب نے اپنا رخ اماں بی کی طرف موڑ لیا جو وہیں سامنے تخت پر براجمان کسی پرانے کپڑے کی پیوندکاری میں مصروف تھیں۔

''لو بھئی میں نے ایسا کیا غلط کہہ دیا، کیوں اماں آپ ہی کہیں؟'' ندرت بیگم کی توپوں کا رخ

اب ساس کی طرف تھا مگر کیونکہ میاں صاحب سامنے تو ہاتھ ہولا رکھا تھا یعنی لہجے میں بگاڑ نہ تھا جو عموماً ساس سے بات کرتے ہوئے ہو جاتا تھا، مگر جواباً اماں بی کے لہجے میں وہی حلاوت اور چاشنی تھی جو تنہائی اور محفل کی حدود قیود سے آزاد تھی۔

''ہاں بیٹی! مہنگائی تو واقعی آسمان سے باتیں کر رہی ہے مگر مہمان اللہ کی رحمت خاص ہوتے ہیں اور آنے والا تو ہمیشہ اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے اور دیکھا جاتے تو ہم خوش نصیب ہیں کہ ہم روزانہ ایک روزہ دار کی سحری و افطاری کا اہتمام کریں گے، اللہ رب العزت نے اس امر میں بڑا اجر رکھا ہے۔'' اماں بی نے ہمیشہ کی طرح بڑے سجاؤ سے اپنی رائے پیش کر دی جو ہمیشہ کی طرح اس قدر مدلل تھی کہ چاہے طوعاً و کرہاً سہی ندرت بیگم کو ماننے ہی بنی اور فرید صاحب ہمیشہ کی طرح ماں کی وسیع النظری و وسیع القلبی پر فریفتہ ہو کر ان کے قدموں میں جا بیٹھے اور اماں جی نے محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں، ماں بیٹے کی محبت کا یہ لائیو شو ندرت بیگم کے لئے دشوار ترین ہونے لگا تو انہوں نے کچن کی یاد ستانے لگی۔

''میں ذرا ہانڈی دیکھ لوں۔'' کچن ان کی پناہ گاہ تھا، جہاں وہ برتنوں کی بے جا اٹھا پٹخ کرکے اپنی صحیح غلط بات نہ مانے جانے کا رونا رو رہی تھیں۔

☆☆☆

ادھر شریف صاحب کی آمد میں پندرہ دن رہ گئے تھے تو ادھر رمضان کریم بھی محض پندرہ دن بعد اپنی بہاریں بکھیرنے کو تھا، ایسے میں ندرت بیگم کے ہاتھ پاؤں کو ساکت اور زبان کو مسلسل حرکت میں دیکھ کر فرید صاحب کا بی پی ہائی ہونے لگا تھا۔

''آپ تو یوں بیٹھی ہیں گویا نہ کوئی مہمان آ رہا ہے نہ رمضان۔''

''ارے تو میں کیا کروں کونسا میرے ہاتھ میں خرچہ رکھا ہے آپ نے جو دونوں کے استقبال کی تیاریاں کروں۔'' ندرت بیگم آنکھیں ماتھے پر رکھ ڈالیں۔

''اف تو یہ خرچہ خرچہ، آپ کو تو اس کے سوا کوئی بات کرنی نہیں آتی آپ کو کیا عید یا شادی کی تیاری کرنی ہے جو بازاروں کی خاک چھانیں گے میں بھی کہاں بھینس کے آگے بین جانے بیٹھ گیا، بچیاں کہاں ہیں بلائیں ان کو میں خود بات کرتا ہوں، بلکہ میں اماں بی کے کمرے میں جا رہا ہوں، وہ نماز عشاء سے فارغ ہو چکی ہونگی آپ بچیوں کو وہیں بھجوا دیں بلکہ عاکف اور عامر کو بھی ساتھ لے آئیں۔'' فرید صاحب حکم دے کر کمرے سے نکل گئے اور ندرت بیگم میاں کے آڈر پر بھنا اٹھیں۔

''ہونہہ، اماں بی کے کمرے میں آ جاؤ، کوئی بورڈ ڈائریکٹر کی میٹنگ ہے جیسے۔'' پھر میاں کے غصے کے سوا سیر ہونے کے ڈر سے کھی کھی کرتی ثمرہ اور فائزہ کے کمرے میں جا کر باپ کا مدعا سنایا اور پھر صحن میں کھڑے ہو کر چھت پر ٹنگے دونوں سپوتوں کو گلا پھاڑ کر باپ کا فرمان شاہی سنایا، اولادیں بھی ماں کی طرح باپ کے غصے سے خوب واقف تھیں، سو فوراً سے پیشتر ساری وقت گزاری کی سرگرمیاں ترک کیں اور ندرت بیگم کی معیت میں اماں بی کے کمرے میں حاضر ہو گئے اور پہلے باپ کے اشارے پر قدم بوسی کی اور پھر دادی کے اشارے پر فرشی نشست سنبھال لی، گو کہ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ بات کی نوعیت

ضرور اہم ترین تھی جب ہی یوں انہیں وفد کی شکل میں بلایا گیا ہے تاہم بات کی تہہ تک پہنچنے کی بے چینی ان کی آنکھوں سے عیاں تھی جسے اماں بھی با آسانی دیکھ سکتی تھیں سو وہ بلا تامل بولیں۔

''میرے بچو! میں نے تم لوگوں کو اس لئے بلوایا ہے کہ مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔''

''ہماری مدد؟'' چاروں کی آنکھیں باہر آ گئیں۔

''ہاں تم لوگوں کی مدد، بیٹا دراصل تمہارے ابو کے مہمان شریف صاحب جو تمہارے دور کے چچا بھی لگتے ہیں رمضان کریم میں ہمارے گھر رہنے آ رہے ہیں اب بچوں اتنا تو تمہیں معلوم ہو گا کہ مہمان کی آمد پر کچھ خاص تیاری کی جاتی ہے جیسے گھر کی سجاوٹ اور اس کی خاطر مدارت کے لئے مخصوص طعام کے اہتمام کی تیاری۔''

''ہاں مگر دادی جان ہمارے گھر کا تو سب ہی سامان از حد پرانا ہو چکا ہے، البتہ افطاری کا کوئی مسئلہ نہیں، کونے والی گلی میں نئی دکان کھلی ہے، ہر آئٹم رکھا ہے انہوں نے، کل ہی عاکف بھائی بریڈ رول اور دہی بھلے لائے تھے۔'' چھوٹی فائزہ کی سوچ بالکل اپنی ماں پر گئی تھی۔

''بیٹا سجاوٹ کے لئے نیا سامان خریدا جائے یہ ہرگز ضروری نہیں اور رہی افطار کے دستر خوان کی بات تو بیٹا جس گھر میں جوان بچیاں ہوں وہاں ہر روز باہر کی افطار مہمان کے آگے رکھنا تو نہایت شرمساری کی بات ہے، مگر دادی جان روزانہ اتنی چیزیں کیسے بنے گیں اور گھر کی حالت تو آپ دیکھ رہی ہیں۔'' بڑی بیٹی ثمرہ دادی جان جیسی سمجھ دار نہیں تھی مگر باتوں کو سمجھنے کی کوشش ضرور کرتی تھی اس لئے دادی جان کو اپنی یہ پوتی اور زیادہ عزیز تھی۔

''میں تم لوگوں کو اس بارے میں کل بتاؤں گی، رات ہو چلی ہے، دیر سے سوؤں گی تو فجر قضا ہونے کا خدشہ ہو گا۔'' دادی جان نے نشست برخاست کر دی اور سب الجھے ذہنوں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

دوسری صبح اتوار تھا، فرید صاحب نے ماں کے حکم پر سب کو جلدی اٹھا دیا تھا وگرنہ عمومی طور پر اتوار کو صبح کے ناشتے کی جگہ، ڈائریکٹ دوپہر کا کھانا ہی کھایا جاتا تھا، ناشتے کے فوراً بعد ایک بار سب اماں بی کے حضور حاضر ہو گئے تو انہوں نے گتھیاں سلجھانا شروع کیں۔

''دیکھو بچو انسان کو چاہیے کہ اپنے فیصلے کرتے وقت اور اپنے لائحہ عمل کو ترتیب دیتے وقت اپنے حالات کو پیش نظر رکھے تاکہ اسے کم سے کم مسائل کا سامنا کرنا پڑے، اس لئے پہلی بات تو یہ کہ فی الحال ہم کسی قسم کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے دوسرا یہ کہ ہمارے پاس وسائل کی کمی کے ساتھ وقت کی بھی کمی ہے تو اب بس انہی چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چلنا ہے، میں نے یہ سوچا کہ کیوں کہ گرمی اور حبس ہے اور بجلی کی آنکھ مچولی کا مسئلہ بھی رہتا ہے تو شریف صاحب کو اوپر چھت والا کمرہ بطور مہمان خانہ دیا جائے۔''

''مگر دادی جان اس میں تو سب کباڑ بھرا ہوا ہے۔'' چھوٹا والا عامر گھبرا اٹھا۔

''تو بیٹا کباڑ ہم کباڑیئے کو دیئے دیتے ہیں کچھ پیسے ہاتھ آئیں گے تو ایک رنگ کا ڈبہ لے آنا اور تم دونوں بھائی مل کر کمرے کو رنگ و روغن کر دینا، کیونکہ ہم فی الحال پورے گھر کا رنگ و روغن تو کرا نہیں سکتے، اوپر ایک پلنگ تو صحیح حالت میں ہے، فرید اس پر وارنش پھیر دے گا اور

چارپائی کے بان کسوا لیتے ہیں، فرید یا کوئی لڑکا رات میں ان کے پاس سو جایا کرے گا، ان کی اوپر رہائش سے دو مسئلے خود بخود حل ہو جائیں گے کہ ایک تو پورا گھر اور اس کی حالت زیادہ اس کی نظر میں نہیں آئیں دوسرا ماشاء اللہ لڑکیوں والا گھر ہے تو حجاب و پردے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، باقی واش روم تو یہیں صحن میں اضافی موجود ہی ہے۔"

"واہ اماں بی ورنہ میں تو یہی سوچ رہا تھا کہ ہمارا گھر کہاں اس قابل ہے، کہ یہاں کسی مہمان کو بلایا جائے اسی لئے تو میں کسی کو لاتا نہیں۔" عاکف ایک این جی او میں جز وقتی ملازم تھا اس کے سوشل ریلیشنز بہت زیادہ تھے۔

"لو تو اب کیا اگر وہ گھر کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کریں گے تو انہیں یہ کہیں گے کہ جی آپ اپنے قدم اور نگاہیں صرف چھت تک محدود رکھیئے باقی گھر کے در و دیوار اس قابل نہیں۔" بیٹے کے منہ سے دادی کے لئے تعریفی کلمات سن کر ندرت بیگم جز بز ہو گئیں۔

"ہرگز نہیں بہو، فائزہ بیٹا تم بہن کے ساتھ مل کر گھر کے پردے اور کشن اتارو میں کھانا پکا دیتی ہوں، جالے جھاڑ کر مشین لگا لو، ندرت میں نے لسٹ بنا لی ہے تم فرید کے ساتھ جا کر راشن لے آؤ، آج صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر کل ہم سوکھے مصالحے بنا لیں گے جیسے چاٹ مصالحہ اور گرم مصالحہ اور پھر ہفتے بھر پہلے چٹنی، سموسے اور رول بنا لیں گے اور شامی کباب بھی بنا کر فریز کر لیں، میں قیمہ اور چکن میں مصالحہ لگا دوں گی تم لوگ اس کے بھی پیکٹ بنا کر فریز کر دینا، پھر سحری میں صرف بھوننے کا کام رہ جائے گا، چاہیں تو وہ رات بھی کر سکتے ہیں افطار میں پھلوں کی چاٹ کے ساتھ شربت اور چنے اور پھر بھی دہی بھلے تو کبھی سموسے رول، اس طرح جیب پر بھی بوجھ نہیں پڑے گا اور تھکن بھی نہیں ہو گی۔"

"تو کیا مہمان کے سامنے بس دو تین آئٹم رکھے جائیں گے۔" ندرت بیگم پھر پھڑ کیں کیوں کہ ساس کی ہر بات پر تیزی سے اثبات میں ہلتے سر دیکھ کر ان کا حلق خشک ہونے لگا تھا۔

"تو کیا ہوا اول تو ایک بندہ ہے، پھر کیا ضروری ہے کہ ہر شے میں دکھاوا کیا جائے آخر طرح داری بھی کوئی شے ہے کہ نہیں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے دستر خوان کو ضرورت سے زیادہ بھرا دیکھ کر اسے ہماری خاطر داری کے بجائے ہماری فضول خرچی گردانیں۔" فرید صاحب نے کہا تو اماں بی نے بیٹے کی تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں بیٹا، روزانہ لوازمات کا ڈھیر لگا کر دکھاوا کرنے کے بجائے ہفتے میں ایک دفعہ دستر خوان یوں سجا لو کہ گھر والے بھی لطف اندوز ہوں اور پڑوس کے کچھ گھر بھی نمٹا لئے جائیں اور مسجد کا حصہ تو الحمدللہ روز کا روز کا جاتا ہی ہے۔"

"واؤ دادی اماں زبردست، تو پھر کیا ہم لوگ شروعات کریں، عامر ہمیشہ ہر معاملے میں پر جوش ہوتا تھا، وہ لگے بندھے روٹین سے اپ سیٹ ہونے لگتا تھا اور ندرت بیگم کے گھر کی تو ویسے ہی کوئی روٹین نہیں تھی۔"

فرید صاحب بیگم کی روش سے خائف رہتے تھے مگر پھر بھی اماں بی کی نصیحت کو سامنے رکھتے ہوئے سختی سے کام نہ لیتے تھے، کہ بیگم تو سدھریں گی نہیں کیونکہ وہ اپنی فطرت کے باعث مجبور تھیں مگر گھر کا ماحول جھگڑوں اور چپقلش کی نذر ہو جائے گا مگر اس بار وہ بیگم کو قطعاً کوئی رعایت دینے کو درکار نہ تھے کیونکہ اب معاملہ خاندان بھر

میں ان کی عزت کا تھا وگرنہ اس شہر میں ان کا کوئی عزیز نہ بستا تھا کہ ان کے یہاں آنا جانا لگا رہتا اور اسی لئے انہوں نے کمانڈ بھی ماں کے ہاتھوں میں تھمائی تھی اور ندرت بیگم اس لئے خاموش تماشائی بننے پر مجبور تھیں کہ وہ جانتی تھیں کہ جب ان کے صاحب ضد پر آ جائیں ان سے ٹکرانا دیوار پر ٹکر مارنے کے مترادف ہے اور جان بوجھ کر اپنا سر پھوڑانے کا انہیں قطعاً شوق نہ تھا، بچے سدھرے ہوئے نہ تھے تو کچھ ایسے بگڑے ہوئے بھی نہ تھے بس چل سو چل کا منظر تھا، اب یوں پہلی بار کچھ ہلچل مچی تو ان کے جوان جسموں میں موجود لہو بھی گرم ہو چلا تھا، فرید صاحب اور اماں بی یہ سب دیکھ کر مطمئن تھے کہ چلو عزم تو باقی ہے، وگرنہ منزل کا پتہ ہو مگر راستے کی دشواریاں سہنے کا حوصلہ نہ ہو تو کارواں رک جاتا ہے۔

☆☆☆

رمضان المبارک سے محض دو دن قبل ہی شریف صاحب بھی آ ہی گئے، ملنسار، محبت کرنے والے اور اپنے نام کی طرح شریف النفس، شریف صاحب کے رکھ رکھاؤ اور مہذب انداز سے سب ہی بہت متاثر ہوئے، سب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا، اماں بی کو ہدایت کے مطابق پہلے دن پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا، ثمرہ اور فائزہ نے اماں بی کی نگرانی میں چکن پلاؤ، کوفتوں کا سالن، بگھارے بینگن اور میٹھے میں کھیر بنالی۔

کھانے کے بعد شریف صاحب نے سب کے ساتھ کچھ وقت گزارا اور پھر فرید صاحب کے ساتھ سونے چلے گئے، دوسرے دن انہیں کچھ بازار کے کام نمٹانے تھے، تو وہ سارا دن کے بعد عصر کے قریب گھر پہنچے، نہا دھو کر متوقع تراویح کے لئے تیاری کی، پھر وہ سب کے ساتھ آ کر بیٹھ گئے، مغرب تک سب نے ہلکے پھلکے ماحول میں باتیں کیں شریف صاحب نے بتایا کہ ان کے گھر میں انہیں ملا کر کل پانچ نفوس ہیں، وہ ان کی بیگم عفت دو بیٹے حاشر اور عظیم اور ایک بیٹی راحمہ، گھر والوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے ان کے لہجے میں حلاوت تھی جس سے لگ رہا تھا کہ وہ آسودہ حال زندگی گزار رہے ہیں جانے کیوں فرید صاحب کا دل عجیب ہونے لگا قریب تھا کہ وہ اٹھ کر چلے جاتے کہ مغرب کی اذان ہو گئی پھر سب ہی مرد نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد روانہ ہو گئے اور عورتوں نے گھروں میں جائے نمازیں بچھالیں، روح پرور لمحوں کا استقبال ہو رہا تھا۔

☆☆☆

آج پہلی رمضان تھی، خلاف معمول سحری میں خوب رونق تھی، شریف صاحب اور دادی اماں تو تہجد کے عادی تھے مگر آج بستروں پر ناشتہ اور سحری کھانے والے لڑکے اور ندرت بیگم بھی دستر خوان پر موجود تھیں، لڑکیاں البتہ ہمیشہ کی طرح کچن میں سحری کی تیاری کر رہی تھیں، البتہ آج ان کے کام میں افراتفری نہیں تھی کیونکہ اس بار سحری کی آدھی تیاری دادی جان پیچھے پڑ کر رات میں ہی کروا چکی تھیں، آٹا گوندھ کر رکھا گیا تھا، قیمہ بھی رات میں تیار کر لیا تھا، دودھ ابال کر رکھا گیا تھا تہجد میں دادی جان نے پھینیاں بھگو دی تھیں اور سحری کے برتن تک ٹرے میں رکھ کر کپڑا ڈال کر رکھ دیئے تھے، لڑکیوں نے سحری تیار کی اور لڑکوں نے سامان دستر خوان پر پہنچایا کیونکہ دادی جان کی ہدایات تھیں کہ رمضان میں سب لازمی مل جل کر کام کریں، بہنوں کا ہاتھ بٹانے سے بھائیوں کی شان گھٹتی نہیں بلکہ بہنوں کے دل میں ان کی عظمت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ لڑکیاں بھی تو روزے سے ہوتی ہیں، چولھے کے آگے کھڑے ہو کر پکوانوں کی تیاری میں ویسے

ہی وہ ہلکان ہو جاتی ہیں ایسے میں لڑکے بھی ان کا ہاتھ بٹائیں، نماز فجر کے بعد سب نے سپارہ پڑھا اور پھر بجائے سونے کے لڑکیوں نے صفائی کی، لڑکوں نے کپڑے وغیرہ استری کرنے کے کام نمٹائے اور سبزی وغیرہ لا کر دی، پھر ندرت بیگم نے لڑکیوں کے ساتھ افطار کی کچھ تیاری کی، بیسن گھول کر رکھا، بڑے تیار کر لئے اور سحر کا آٹا گوندھ لیا۔

آج پہلی افطاری تو اہتمام تھا تو سب نے ہی کھانے سے انکار کر دیا، ظہر کی نماز کی بعد سب نے قیلولہ کیا اور پھر عصر تک عبادت کی اور پھر افطار کی تیاری شروع کر دی، مردوں نے لاؤنج میں بیٹھک جمائی جہاں فرید اور شریف نے مل کر فروٹ چاٹ بنائی، دادی اماں نے لڑکوں کو ٹرے لگا کر دی جو انہوں نے محلے میں بانٹی اور پھر سب افطار کے دستر خوان پر جمع ہوئے ٹی وی بند کر دیا گیا اور خود شریف صاحب نے دعائیں پڑھیں اور پھر اذان پر روزہ افطار کیا گیا، بعد مغرب لڑکیوں نے چائے تیار کی اور کچن سمیٹا اور پھر مرد تراویح پڑھنے چلے گئے اور عورتوں نے دادی جان کے ساتھ گھر میں اہتمام کیا، اب تو روز ہی روٹین تھا صرف افطار ہی روزانہ کے بجائے ہفتہ وار اہتمام ہوتا اور ہلکا پھلکا کھانا تراویح سے قبل کھا لیا جاتا، پندرہ دن گزر گئے، پندرہویں روزے پر شریف صاحب نے اپنی واپسی کا اعلان کیا تو سب حیران پریشان ہو گئے۔

''کیوں شریف تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے یا ہماری طرف سے کوئی کمی رہ گئی۔'' فرید نے افطار کرتے کرتے ہاتھ روک لیا تو شریف صاحب مسکرا اٹھے۔

''ارے کیوں شرمندہ کر رہے ہو یار، میں نے بالکل گھر جیسی راحت پائی یہاں، اصل میں میرا بیٹا حاشر اس سال اعتکاف میں بیٹھ رہا ہے پہلے اس کا ارادہ کچھ پکا نہ تھا، مگر کل اس کا فون آیا تھا تو وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی خواہش ہے میں وہاں موجود رہوں۔''

''اچھا ماشاء اللہ، بہت نیک بچہ ہے ورنہ آج کل کے نوجوان تو رمضان کو محض بوجھ سمجھ کر گزارتے ہیں اور سارا دھیان افطار کے چٹخاروں اور عید کی رنگینوں تک رہ جاتا ہے۔''

دادی جان نے تو فقط بات برائے بات کی مگر ندرت بیگم جانے کیوں پہلو بدل کر رہ گئیں اور بچے بھی بغلیں جھانکنے لگے اور بیگم اور بچوں کی کھسیانی بلی کھمبا نوچنے والی کیفیت فرید صاحب سے چھپی نہ رہ سکی۔

ہاں شریف، نیک اور سعادتمند اولاد یقیناً تحفہ خداوندی ہے، کچھ گھر کے ماحول اور تربیت کا بھی اثر ہوتا ہے اور کچھ انہیں سجھ بوجھ ہوتی ہے کہ انسان اپنے بھلے برے کی تمیز کرے ورنہ محض ڈگریوں کے نام پر تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ بھلا؟ فرید صاحب نے مخاطب تو شریف صاحب کو کیا تھے مگر ان کی نظریں بیگم اور بچوں کے چہروں پر گڑی ہوئی تھیں جن کے چہروں پر شرمندگی کے رنگ اتر رہے تھے اور پھر اس سے پہلے کہ شریف صاحب کچھ نوٹ کرتے دادی جان نے معاملہ فہمی دکھائی اور گھر کی عزت پر پردہ رکھنے کی غرض سے موضوع ہی تبدیل کر دیا اور شریف صاحب سے عید کی تیاریوں کے بارے میں پوچھنے لگیں تو سب ہی کی توجہ شریف صاحب کی طرف ہو گئی، ان کا انداز گفتگو بہت دلچسپ تھا۔

☆☆☆

شریف صاحب تو چلے گئے مگر ان کے جانے کے بعد بھی فرید صاحب کی تاکید اور دادی

جان کی اس نصیحت کے باعث کہ نیک اعمال اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ہونا چاہیے نہ کہ دنیا دکھاوے کے لئے، پہلی بار ندرت بیگم اوران کے بچوں نے رمضان کی اصل روح کو سمجھا اور روزوں کو بوجھ سمجھ کر گزارنے کے بجائے فرض عبادت سمجھ کر پورے خشوع وخضوع کے ساتھ گزارا اور شاید یہی وجہ تھی کہ عید کے چاند کا اعلان ہونے کے باوجود آج ندرت بیگم مصلے پر بیٹھی اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کر رہی تھیں، لڑکیاں عید کے لوازمات کچن میں تیار کر رہی تھیں، دادی جان میوہ کتر رہی تھیں اور لڑکے عید کی نماز کی تیاریاں کر رہے تھے، ورنہ ہمیشہ عید کی صبح بھی افراتفری مچی ہوتی تھی اور پھر عید کی صبح نماز سے آ کر فرید صاحب اور دادی جان نے بچوں کے بعد ندرت بیگم کو عیدی دی تو انہوں نے نم آنکھوں سے عیدی لینے سے منع کر دیا اور پھر گلو گیر لہجے میں بولیں۔

''اس بار تو آپ نے اور اماں نے مجھے ایسی عیدی دی ہے کہ اب اس کے سامنے ہر شے بے معنی ہے، اماں آپ نے پہلے کیوں یہ سب نہ کیا؟ بس بیٹا میں نہیں چاہتی تھی کہ تم مجھے ساس سمجھ سو درشتی سے کام نہیں لیا بخدا اس بار مجھے مجھ سے فرید نے وعدہ لے لیا تھا تو مجھے بیٹے کی بات ماننا پڑی اور شاید وقت اب آیا تھا۔'' دادی جان نے ندرت کو گلے لگا لیا آخر وہ اکلوتی بہو تھیں۔

''دادی جان شریف انکل ہمارے لئے بہت مبارک ثابت ہوئے۔''

''ہاں بیٹا، اس لئے تو کہتے ہیں کہ مہمان رحمت ہوتے ہیں۔'' دادی جان مسکرائیں۔

''دادی جان رمضان المبارک بھی تو مہمان ہوتے ہیں ہے نا۔'' عامر بھی بہت خوش تھا، اچھی چیزیں سب ہی کو بھاتی ہیں کون ہے جو صفائی ستھرائی سے چڑ جائے۔

''ہاں اور مہمان کی عزت اور آؤ بھگت مہربان پر فرض ہوتی ہے کیونکہ مہمان اپنے ساتھ اللہ کی رحمت اور برکت لے کر آتے ہیں۔'' دادی جان عامر کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

''آپ نے صحیح کہا اماں، اب دیکھیں نا، شریف صاحب ہمارے لئے کسی برکتیں لائے، ایک طرف تو ہمارے گھر کا نقشہ بدل گیا اور دوسری طرف ان کی جانب سے ایک بڑی خوشخبری ہے آپ سب کے لئے۔''

''وہ کیا؟'' سب ہی چونک گئے۔

''وہ اپنے بیٹے حاشر کا رشتہ ہمارے بیٹی ثمرہ کے لئے لا رہے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے رہن سہن سے بہت متاثر ہوئے ہیں، ان کا خیال ہے کہ گھر بسانے کے لئے ایک لڑکی میں جو سگھڑاپا، سلیقہ، کفایت شعاری اور متانت وقناعت ہونی چاہیے وہ انہیں ہمارے گھر کی عورتوں میں نظر آئی کیونکہ ان کا ایمان ہے گھر عورت سے بنتا ہے۔'' انہوں نے ثمرہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ شرما کر سر جھکا گئی۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' ندرت بیگم کی آنکھوں سے شکرانے کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ساس کے گلے لگ گئیں۔

سچ ہے عید روز داروں کے لئے انعام ہے۔

☆☆☆

حسن خیال

تحریم محمود

پروردگار

عربی کیا ایک حکایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین گئے تو انہیں بخار نے آ لیا اور اس کے بعد بھوک ستانے لگی، حضرت موسیٰ نے دعا کی۔

''اے میرے رب! میں مسافر ہوں، مریض بھی ہوں اور میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

''اے موسیٰ! کیا تو جانتا ہے کہ غریب کون ہوتا ہے؟ مریض کون ہوتا ہے اور بغیر مال والا کون ہوتا ہے؟'' حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

''اے رب! مجھے اس کا علم نہیں۔'' اللہ نے فرمایا۔

''غریب وہ ہے جس کا میری طرح کا حبیب نہ ہو اور مریض وہ ہے جس کا میری طرح کا طبیب نہ ہو اور بغیر مال والا وہ ہے جس کا میری طرح کا کارساز نہ ہو۔''

رابعہ علی، فیصل آباد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھانا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ (شمائل ترمذی)

(یعنی کھجوروں سے اگرچہ اس کی نوبت آ گئی ہو لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی کہ مسلسل دو دن ملی ہو)

- کبھی کبھی گیہوں کی روٹی بھی تناول فرمائی ہے۔ (خصائل نبویؐ)
- سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے۔'' انہوں نے جواب دیا کہ ''آپ کے سامنے آخر عمر تک میدہ آیا بھی نہ ہو گا۔'' (بخاری شمائل ترمذی)
- حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ ''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتریوں میں کھایا نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی، آپ کھانا چمڑے کے دستر خوان پر تناول فرماتے تھے۔'' (شمائل ترمذی)

شازیہ رفیق، اسلام پورہ لاہور

ماں کا مقام

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ جلیل القدر پیغمبر تھے جن کو خدائے بزرگ و برتر نے پیغمبری اور کلام کے لئے منتخب فرمایا اور معجزات عطا کیے۔ جب آپ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے کلام کے لئے جاتے تو ان کی سلامتی کی دعا ان کی ماں کے مقدس لبوں پر ہوتی، والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد جب آپ ایک مرتبہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے جا رہے تھے تو غیب سے آواز آئی۔

"اے موسیٰ! سنبھل کے اب تمہارے لئے
دعا کرنے والے لب خاموش ہیں۔"

طاہرہ آصف، ساہیوال

باتوں سے خوشبو آئے

- O اپنا ادب کروانے کے لئے دوسروں کا ادب کرو تمہارا احترام خود بخود کیا جائے گا۔
- O کسی کا راز تلاش نہ کرو اگر معلوم ہو جائے، تو فاش نہ کرو۔
- O دین پر عمل بھی ہو سکتا ہے جب دل میں سلف صالحین کی محبت اور عظمت ہو۔
- O معاف کرنا سب سے زیادہ اسے زیب دیتا ہے، جو سزا دینے پر قادر ہو۔
- O تھوڑا دینے پر مت شرماؤ کیونکہ خالی ہاتھ لوٹانا اس سے بھی گری ہوئی بات ہے۔
- O جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔

عافیہ رحیم، سکھر

کرنیں

☆ دنیا کوئی ایسی بری جگہ بھی نہیں، ابھی پھول کھلنے بند نہیں ہوئے، صبح پورے دل سے ہوتی ہے اور روز سورج پورے یقین سے طلوع ہوتا ہے، خزاں آتی ہے اور رکے بنا چلی جاتی ہے کہ بہار نے آنا اور ٹھہرنا ہوتا ہے۔

☆ بنانے والے نے لوگوں کو ستار کے تاروں جیسا بنایا ہے، بس آپ کو اتنا پتا ہونا چاہیے کہ کون سی تار کو چھیڑنا ہے پھر وہی آواز نکلے گی اور وہی دھن بجے گی جو آپ بجانا چاہیں گے۔

☆ مستنصر حسین تارڑ کہتے ہیں۔
ایک فائل دل کی بھی ہوتی ہے جس میں ایک ہی نام ہوتا ہے، اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ فائل، کتاب نہیں رہتی بلکہ انسائیکلو پیڈیا بن جاتی ہے۔
ایک فائل خطوط، کارڈز، فون نمبرز کی بھی ہوتی ہے اسے بھی کبھی کبھار دیکھنا چاہیے، جو بھول گئے ہوں، انہیں یاد کر لینا چاہیے۔

واجدہ امیر، حیدر آباد

سلطنت کی قیمت

ایک مرتبہ ہارون الرشید عباسی نے پینے کے لئے پانی مانگا، مجلس میں اس وقت مشہور عالم، زاہد ابن سماک بھی موجود تھے، پانی آ گیا اور ہارون الرشید پینے ہی کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔
"ذرا ٹھہر جایئے اگر آپ سے یہ پانی روک لیا جائے تو اسے حاصل کرنے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے۔" ہارون نے جواب دیا۔

"پیاس کو بجھانے کے لئے اگر ایک پیالہ نصف سلطنت کے عوض بھی ملے تو میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔" پھر جب ہارون نے پانی پی لیا تو ابن سماک بولے۔
"امیر المومنین! اگر یہ پانی جو آپ نے پیا ہے جسم کے اندر رک جائے اور باہر خارج نہ ہو سکے تو اسے نکلوانے کے لئے آپ کیا خرچ کر سکیں گے؟" ہارون نے کہا کہ "ایسی صورت میں ساری سلطنت دے ڈالوں گا۔"
ابن سماک نے فرمایا۔
"یہ ساری سلطنت جو ایک چلو بھر پانی کے عوض دی جا سکتی ہے، اس پر اتنا اترانا اور غرور و تکبر میں انجام کو بھول جانا کہاں کی عقلمندی ہے، خدا کا خوف کیجئے اور اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کو ہرگز فراموش نہ کیجئے۔" ہارون الرشید پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور وہ دیر تک گردن جھکائے روتے رہے۔

سعدیہ سرور، ملتان

بہترین جواب

شیطان نے ایک بار فرعون کے دروازے پر دستک دی فرعون نے پوچھا۔
"کون؟"
شیطان نے کہا۔
"لعنت ہو تجھ پر، دعوا خدائی کا کرتے ہو اور معلوم نہیں دروازے پر کون ہے۔"

فاطمہ محمود، لیہ

نحوائے کلام

☆ احترام اگر بے لوث کیا جائے تو زیادہ خوب صورت ہوتا ہے۔
☆ تغیر اس کائنات کا بنیادی اصول ہے۔
☆ شرافت سے جھکا ہوا سر ندامت سے جھکے ہوئے سر سے بہتر ہے۔
☆ اگر تم کسی کا بھلا کر رہے ہو تو یقین کرو کہ تم اپنا بھلا کر رہے ہو۔
☆ باتیں گھڑنے کے فن کو ادب کہتے ہیں۔
☆ باتونی شخص کم گو شخص کی نسبت جلدی مصائب کا شکار ہوتا ہے۔
☆ ارتکاز کے حصول کا بہترین طریقہ عبادت ہے۔
☆ الفاظ اظہار کا سب سے سستا ذریعہ ہیں۔
☆ بات اپنے اثر کے اعتبار سے چھوٹی یا بڑی ہوتی ہے۔
☆ شریکے کے خطاب سے پکارے جانے والے شخص کی ہر بات ہشت پہلو ہوتی ہے۔
☆ ذہانت، معاملہ فہمی کا دوسرا نام ہے۔
☆ ساتھ دینا بھی اپنائیت کا اظہار ہے۔
☆ تکرار گفتگو کے حسن کو گہنا دیتی ہے۔
☆ کسی چیز پہ ڈالی گئی ایک نگاہ آپ کی مجموعی سوچ پر اثر انداز ہوتی ہے۔
☆ نگاہ کا زاویہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔
☆ عقلمندوں کے لئے دنیا نہایت وسیع جبکہ بے وقوفوں کے لئے دنیا نہایت مختصر ہوتی ہے۔
☆ انسان کو لفظ نہیں رویے مارتے ہیں۔
☆ تھکن کا احساس منزل پر پہنچ کر ہی پوری طرح جاگتا ہے۔
☆ کسی کو بے وقوف بنانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی تعریف کردی جائے۔
☆ کسی کام کو نامکمل چھوڑنا انسانی فطرت نہیں حتیٰ کہ وہ اپنی حسرتوں کو اپنی اولاد کے راستے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

عابدہ خان، راولپنڈی

مصرع مکمل کرنا

ایک زمین دار جو شاعر بھی تھا، اپنے مزارع کے ساتھ کھیتوں میں جا رہا تھا، وہ مزارع سے پوچھنے لگا۔
"کیا تمہیں شاعری سے رغبت ہے؟"
مزارع نے کہا۔
"ہاں جناب!"
اس پر زمین دار نے کہا۔
"ایک مصرع میرے ذہن میں ہے لیکن جب تک دوسرا مصرع ذہن میں نہیں آتا سناؤں نہیں۔"
مزارع بولا۔
"جناب! آپ پہلا مصرع سنا دیں، ہوسکتا ہے کہ میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔" زمین دار نے کہا۔
"میں دل بیچتا ہوں، میں جاں بیچتا ہوں
میں سارا جہاں بیچتا ہوں۔" مزارع نے اسی وقت مصرع مکمل کردیا۔
"میں منج بیچتا ہوں، میں گاں بیچتا ہوں
میں ویڑے کی ساری تھاں بیچتا ہوں۔"

زینب شیخ، کراچی

☆☆

حنا کی محفل

عین غین

رابعہ علی ---- فیصل آباد

س: عین غین بھائی کیا آپ نے چھٹیوں کا کام مکمل کر لیا ہے؟ اگر نہیں تو فیصل آباد آ جائیں میں آپ کی مدد کر دوں گی؟

ج: اپنا کام تو دوسروں سے کرواتی ہو اور میری مدد کرنا چاہتی ہو حیرت ہے۔

س: عین غین بھائی ایمانداری سے بتایئے دن میں کتنی نمازیں باجماعت پڑھتے ہیں؟

ج: تم نے کیا صلوۃ کمیٹی جوائن کر لی ہے۔

س: عین غین بھائی سنا ہے کہ آپ کی منگیتر نے آپ کی تصویر دیکھ کر منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی ہے؟

ج: انگوٹھی دیکھ کر واپس کی تھی ٹھیک کروانے کے لئے اور وہ انگوٹھی ٹھیک کروانے کے لئے ایسے غائب ہوئے کہ جیسے تمہارے سر سے سینگ۔

س: کریم لگانے کے ساتھ ساتھ گرلز کالج کے سامنے دھوپ میں کھڑے ہونے سے گریز کریں کیونکہ دوائی کے ساتھ پرہیز ضروری ہے ورنہ......؟

ج: لگتا ہے کہ تجربہ بول رہا ہے۔

شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

س: حال کیسا ہے جناب کا؟

ج: کیا خیال ہے آپ کا۔

س: آخر بھینس کے آگے ہی بین کیوں بجائی جاتی ہے آپ کے آگے کیوں نہیں؟

ج: اس لئے کہ میں آپ جیسا رسپانس نہیں دے سکتا۔

س: اول فول کب بکا جاتا ہے؟

ج: جب انسان اپنے آپ سے باہر ہو۔

س: گھگھی کیوں بندھ گئی؟

ج: تمہیں دیکھ کر۔

س: کوئی اچھی سی دعا؟

ج: خوش رہو۔

طاہرہ آصف ---- ساہیوال

س: وہ چپکے سے پیچھے کھڑی ہو کر میری آنکھوں پر نرمی سے بڑے پیار سے ہاتھ رکھ کر بولی؟

ج: اٹھو جا کر برتن دھوؤ۔

س: ذرا جلدی سے یہ بتائیں کہ زندگی کا سب سے حسین سانحہ کیا ہے؟

ج: محبت۔

س: ہمیں دیکھتے ہی ان کا رنگ زردے کی طرح پیلا کیوں ہو جاتا ہے؟

ج: سمجھ جاتے ہیں کہ اب دو تین گھنٹے آپ کی سننی پڑے گی۔

س: ان سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے ہیں بھلا کن سے؟

ج: جو آپ سے برتن دھلواتے ہیں۔

س: درد میٹھا ہو تو رک رک کے کسک ہوتی ہے؟

ج: مٹھاس زیادہ ہو جاتی ہے نا اس لئے۔

عافیہ رحیم ---- سکھر

س: وہ کہتے ہیں، ''موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو'' آخر وہ محل کہاں ہے جہاں موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے؟

ج: ان سے کہو نا کہ تمہیں ایک بار دکھلائیں، میرے ساتھ جاؤ گی تو ناراض ہو جائیں گے۔
س: کل لوگ تمہارے سامنے لال رنگ کا رومال کیوں لہرا رہے تھے؟
ج: تمہیں جو گزارنا تھا اس لئے سڑک پہ ٹریفک روک رہے تھے۔
س: مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری سدا خوش رہوں یہ دعا ہے ہماری؟
ج: کون سی شادی۔

واجدہ امیر ---- حیدر آباد

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟
ج: کون کہتا ہے نہیں ہے۔
س: کچھ تو سوچو؟
ج: سوچ ہی تو رہا ہے۔
س: اپنی ہی کیوں ہانکتے ہو؟
ج: اور کیا نہیں ہانکوں۔
س: لوگوں نے محبت کے نام کو بدنام کیوں کر رکھا ہے؟
ج: لوگوں نے محبت کے نام کو نہیں محبت کو بدنام کر رکھا ہے۔
س: آج کل لوگوں کی مسکراہٹ میں بھی طنز ہوتا ہے؟
ج: اسی کو طنزیہ مسکراہٹ کہتے ہیں۔
س: اس مطلب کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں؟
ج: مطلب کی دنیا سے باہر بھی جھانک کر دیکھو۔

سعدیہ سرور ---- ملتان

س: بوجھو تو میں کون ہوں؟
ج: نام سے صاف ظاہر ہے۔
س: دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہے؟
ج: لیکن آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں۔
س: بتاؤ تو وہ کون ہے؟
ج: کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔
س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے؟
ج: کوئی سگریٹ سے دل بہلا رہا ہوگا۔
س: چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے؟
ج: کون سے گلشن میں آؤں۔
س: آخری بار دیکھ لو مجھ کو؟
ج: ارادے نیک معلوم نہیں ہوتے۔

فاطمہ محمود ---- لیہ

س: تمہیں میری حالت کی خبر نہیں کیا؟
ج: میں ڈاکٹر تو ہوں نہیں۔
س: یہ دامن چھڑا کر جانا تھا تو؟
ج: تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔
س: یہ محبت کا دستور نہیں ہے؟
ج: میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتی ہو۔
س: یہ برسات کا موسم یہ رم جھم کا سماں یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا؟
ج: یہ برسات کا موسم یہ چبھتی ہوئی دھوپ اور بند ہوا۔
س: یہ دل بہتا ہی نہیں کسی پل؟
ج: ایسے گندے موسم میں دل کیا بہلے گا۔
س: میں نے اسے پانے سے پہلے ہی کھو دیا؟
ج: اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

☆☆☆



ام خدیجہ ---- پشاور

مجھے چھوڑ دے مرے حال پر تیرا کیا بھروسا اے چارہ گر
یہ تیری نوازشیں مختصر میرا درد اور بڑھا نہ دیں

....

میرے موسم گزر گئے اور یار اب آئے
دکھوں نے چاٹ لیا ہمیں اور غم گسار اب آئے
یہ وقت تو اسے رونے کا نہیں ہے لیکن
میں کیا کروں میرے سوگوار اب آئے

....

آسیب زدہ گھر کا میں وہ در ہوں محسن
دیمک کی طرح کھا گئی جسے دستک کی تمنا
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں یہ عجیب عیب چھپا ہے
میں جس شخص کو چھو لوں وہ مرا نہیں رہتا

صنم حمید ---- لاہور

نہیں ہم کو شکایت اب کسی سے
بس اپنے آپ سے روٹھے ہوئے ہیں
بظاہر خوش ہیں لیکن سچ بتائیں
ہم اندر سے بہت ٹوٹے ہوئے ہیں

....

جاگتے رہنے سے بھی کبھی رکتے ہیں بہتے آنسو
عمر بھر ہو گی یہ برسات چلو سو جائیں

....

دل میں تھی ویرانی ہم بھی تھے خاموش بہت
تم آئے تو جان گئے ہم موسم کتنا پیارا ہے
باتوں باتوں میں آؤ اس شخص کی بات کریں
جس کی خاطر دنیا کا ہر دکھ ہمیں گوارا ہے

زویا ظفر ---- سکھر سندھ

کئی زمانے میں اپنی کڑی شکست کے بعد
خود اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں میں قید رہا
وہ ایک چہرہ جو آنکھوں میں آ بسا تھا کبھی
تمام عمر مرے آنسوؤں میں قید رہا

....

ہمارا کیا ہے ہم تو چراغ شب کی طرح
اگر جلے بھی تو بس اتنی روشنی ہو گی
کہ جیسے تند اندھیروں کی راہ میں جگنو
ذرا سی دیر کو چمکے چمک کے کھو جائے

....

آج کی صبح مہ و سال کے آئینے میں
پھر ترے خون کی پوشاک پہن کر آئی
پھر دل و جاں میں ترے قرب کا موسم اترا
پھر ترے درد کی سوغات میسر آئی

سونیا ربانی ---- جام پور

محسن جب بھی چوٹ نئی کھا لیتا ہوں
دل کو یاد آتے ہیں یار پرانے کیوں

....

جو ہو سکے تو گریباں کے چاک سی لینا
وگرنہ تم بھی ہماری طرح سے جی لینا

....

اس کی نفرت بھی محبت ہو گی
میرے بارے میں وہ سوچے تو سہی
اس کے قدموں میں بچھا دوں آنکھیں
میری بستی سے وہ گزرے تو سہی

ناظمہ احمد ---- کوئٹہ کینٹ

وہ جنگل کے پھولوں پہ کیوں مرتا ہے

اس کو اچھے لگتے ہیں ویرانے کیوں

....

ہمارے گھر پہ گرتی بجلیوں کی کیا خبر محسن
کہ اس ملبے پہ اک تازہ نگر تعمیر ہونا ہے

....

غموں سے یاری تھی ہمت بحال رکھتے تھے
ذرا ذرا سی کسک دل میں سنبھال رکھتے تھے
عجیب طرز کے شدت پسند تھے ہم بھی
خوشی خوشی میں کئی غم بھی پال رکھتے تھے
شازیہ علی ---- جہلم
جس کے لئے توڑ دیں ساری حدیں
آج اسی نے کہا اپنی حد میں رہو

....

بارش کی طلب ہے تو سمندر کی طرف جا
یہ ابر تو صحراؤں میں برسا نہیں کرتے
پچھتاوے سے بڑھ کر کوئی آزاد نہیں ہے
جب دل لگاتے ہیں تو رویا نہیں کرتے

....

اک ہجر تھا جس میں بتا دی تمام عمر
اک پل تھا ہم نے جس کو زمانہ بنا دیا
اس درجہ صبر پر تو اسے بھی یقین نہ تھا
اس نے ریاضتوں کو بھی طعنہ بنا دیا
مدیحہ کرن ---- منڈی بہاؤالدین
کچھ غلط بھی تو نہیں تھا مرا تنہا ہونا
آتش و آب کا ممکن نہیں یکجا ہونا
جو برائی تھی مرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا برا تھا مرا اچھا ہونا

....

رنج کتنا بھی کریں ان کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
کتنی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کتنے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

....

پھر سے ٹوٹے ہوئے پتوں کا سہارا لے کر
وحشت دل کسی جگنو سے ادھار لے کر
دشت دنیا میں امیدوں کا کنارہ لے کر
میں تمہیں یاد کروں اک عمر دوبارہ لے کر
نمرہ فاطمہ ---- میانوالی
آگہی نہ تھی کبھی میرے لفظوں میں روشنی
اور مجھ سے یہ کمال تجھے دیکھ کر ہوا
پھر آ گئے میرا ماضی کریدنے
پھر مجھ سے اک سوال تجھے دیکھ کر ہوا

....

جن کو پینے کا سلیقہ ہے وہ پیاسے ہیں قتیل
جتنے کم ظرف تھے اس دور میں مے خوار ہوئے

....

میں اپنی زندگی کی آخری سیڑھی پہ بیٹھا ہوں
مجھے مہلت ذرا سی ہے کبھی ملنے چلے آؤ
رابعہ علی ---- فیصل آباد
خوبصورت ہیں آنکھیں تیری
رات کو جاگنا چھوڑ دے
خود بخود نیند آ جائے گی
تو مجھے سوچنا چھوڑ دے

....

کچھ روز سے زنداں نظر آتی ہے یہ دنیا
اب کچھ تو یہاں اہل نظر ہو کے رہے گا
انسان سمٹتا ہی چلا جائے کہاں تک
لگتا ہے کہ دیوار میں در ہو کے رہے گا

....

الزام کچھ تو گردش ایام کو بھی دے
اپنے ہر ایک غم کو غم یار مت بنا
ہر ایک کے لئے نہ کھلا رکھ اسے قتیل
یہ دل ہے ایک گھر اسے بازار مت بنا
شازیہ رفیق ---- اسلام پورہ لاہور

تھی ایسی بے خودی کہ جب آیا وہ سامنے
مفہوم گر گیا مرے دستِ سوال سے

....

ایسا نہیں کہ غم نے بڑھا لی ہوا اپنی عمر
موسم خوشی کا وقت سے پہلے گزر گیا
لکھنا مرے مزار کے کتبے پہ یہ حروف
مرحوم زندگی کی حراست میں مر گیا

....

شاید میں کچھ اور بھی تیرا ساتھ دے سکوں
اے زندگی کبھی تو پلٹ کر مجھے پکار
طاہرہ آصف ---- ساہیوال

آج بھی دیکھ لیا اس نے کہ میں زندہ ہوں
چھوڑ آیا ہوں اسے آج بھی حیرانی میں

....

اسے کہو کہ ہوں حاضر مزید دکھ دے لے
بہت سکون ملا ہے اگر ستا کے مجھے

....

خزاں کی رت رہے جنم دن ہے دھواں اور پھول
ہوا بکھیر گئی موم بتیاں اور پھول
وہ لوگ آج خود اک داستاں کا حصہ ہیں
جنہیں عزیز تھے قصے کہانیاں اور پھول
عافیہ رحیم ---- سکھر

اب اس کی یاد سے اس کا بدن تراشتے ہیں
وہ خواب ہی تو نہیں تھا کہ ہم بھلا دیتے
اس کے واسطے محسن کہی ہے تازہ غزل
اب اس کی سالگرہ پر ہم اور کیا دیتے

....

خوشی کے گیت سناؤ بہار آئی ہے
ہنسی لبوں پہ سجاؤ بہار آئی ہے
کھلے ہیں پھول چمن میں مہک رہی ہے فضا
دلوں کے رنج مٹاؤ بہار آئی ہے

....

موسم گل سے دوستی نہ کرو
خود ہی مشکل یہ زندگی نہ کرو
جو بھی سچ ہے وہ شعر میں ڈھالو
اپنے ماحول کی نفی نہ کرو
واجدہ امیر ---- حیدرآباد

کہا اس نے مناسب ہے محبت کا سفر کر لو
کہا میں نے تمہیں چاہا مری چاہت امر کر لو
کہا اس نے محبت کا سفر کرنا ضروری ہے
کہا میں نے ضروری ہے ذرا سی اک نظر کر لو

....

دل میں احساس تھا کسی کے لئے
بات یہ کل کی ہے جو آج کہاں
اپنی ہی روشنی میں چلتے رہو
وقت کے ہاتھ میں چراغ کہاں

....

چھپایا تھا جس نے سرخ گلابوں کا اشتہار
کاغذ کے پھول بھی نہ ملے اس کا دکان پر
سعدیہ سرور ---- ملتان

شاخیں ہوں ثمر بار تو آ جاتے ہیں پھل پھول
سوکھا ہوا گر پیڑ تو پتھر نہیں آتے

....

بستی کے سارے لوگ ہی آتش پرست تھے
گھر جل رہا تھا اور سمندر قریب تھا

....

اک کرب سا ہے روح کے اندر بسا ہوا
آنکھوں میں جل رہے ہیں میرے خواب کیا لکھوں
فاطمہ محمود ---- لیہ

یہ جو عشق تھا یہ جو پیار تھا میرا خواب تھا
کسی اور دنیا کا مرحلہ تہہ آب تھا
تیرے پیار میں میری چاہتوں کی تھی بے بسی
مجھے کیا خبر یہ گناہ تھا کہ ثواب تھا

☆☆☆



علاج

میاں نفیس احمد ایک ماہر نفسیات کے پاس پہنچے اور بولے۔
''میں نے اپنے بزنس پارٹنر کو دھوکا دیا ہے جس کی وجہ سے میرا ضمیر مجھے مسلسل ملامت کر رہا ہے۔''
''اچھا اچھا۔'' ماہر نفسیات نے کہا۔
''تو آپ کی قوت ارادی کو مضبوط کر دوں تا کہ آپ اپنے بزنس پارٹنر سے معذرت کر سکیں اور غلطی کی تلافی۔''
''نہیں نہیں۔'' میاں نفیس جلدی سے بولے۔
''میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ضمیر کو کمزور کر دیں۔''

عالیہ وقاص، بہاولنگر

مطلب

شوہر مطالعے میں مصروف تھا، بیوی آتے ہی کہنے لگی۔
''غضب خدا کا ایک شخص نے میری کار کو ٹکر ماردی اور کار کا کچومر نکال کر رکھ دیا۔''
''لیکن ایسا شدید حادثہ کیسے ہوا؟ کیا دونوں کاریں بہت تیز تھیں؟''
''میری کار تو اس وقت ساٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پر تھی۔''
''پھر دوسری کار بہت تیز رفتاری سے آرہی ہوگی؟''
''اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔'' بیوی نے سوچتے ہوئے کہا۔
''کیونکہ جب ٹکر ہوئی تو اس میں کوئی نہ تھا اس کا مطلب یہی ہے کہ کار کھڑی تھی۔''

رابعہ سعید، لاہور

پہچان

''لیکن بیگم صاحبہ! جس کار نے ٹر مار کر آپ کو نیچے گرایا تھا اس کا نمبر تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا۔'' بیگم صاحبہ سے سپاہی نے پوچھا۔
''نہیں، میں نے نمبر نہیں دیکھا۔'' بیگم صاحبہ نے سوچ کر جواب دیا۔
''ہاں البتہ اس کار میں ایک اسمارٹ سی عورت بیٹھی تھی، جو گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھی اور کپڑا ساٹھ روپے میٹر والا تھا، اس کے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، جس میں نقلی ہیرا تھا، بالوں میں سونے کا کلپ تھا، جبکہ وہ مصنوعی پوستین کا کوٹ بھی پہنے ہوئے تھی۔''

عاصمہ رضوان، خانیوال

علاج

ایک صاحب کی بھینس بہت بیمار ہوگئی، انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے دوست سے کیا دوست نے بھینس کے مرض کے بارے میں استفسار کیا اور کہا۔
''تم نے اسے دوائیں تو دی ہوں گی۔'' انہوں نے کہا۔
''ہاں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔'' دوست نے کہا۔
''میرے پاس بھی ایک بھینس تھی اور اسے بھی تقریباً یہی مرض لاحق ہوا تھا، جو تمہاری بھینس

کو ہے۔''
''اچھا پھر تم نے کیا کیا تھا۔''
''میں نے اسے کڑوا تیل پلایا تھا۔''
بھینس والے صاحب اپنے گھر آئے اور انہوں نے بھینس کو کڑوا تیل پلایا تھا۔
''مگر وہ تو تیل پیتے ہی مرگئی۔'' جواب میں ان کے دوست نے کہا۔
''میری بھینس بھی مرگئی تھی۔''

حنا خان، شجاع آباد

مزا

ایک روز صبح کے وقت کسی نے فائر ہاؤس کا دروازہ دھڑ دھڑایا اور زور زور سے چلایا۔
''آگ، آگ۔'' فائر بریگیڈ کے ارکان باہر دوڑے اور دیکھا کہ ٹرک میں لدی ہوئی کار سے شعلے نکل رہے ہیں، جب آگ بجھا دی گئی تو عملے کے ایک رکن نے دوسرے سے کہا۔
''اب اس نوکری پر مزا آئے گا، لوگ آگ لگی چیزوں کو یہاں لانے لگے ہیں۔''

اُم خدیجہ، پشاور

ہے کون

خاتون نے فیصلہ کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کو خلوت کے بارے میں آگاہ کیا جائے، اس روز جب وہ غسل خانے میں گئیں تو دروازے کو اندر سے بند کر لیا، جلدی یہ بچہ ماں کو آوازیں دیتا ہوا اندر آ گیا اور غسل خانے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگا، ماں نے غسل خانے کے اندر سے چیخ کر کہا۔
''منے تم اندر نہیں آ سکتے، کیونکہ یہاں پر عورت ہے۔'' منے نے پیر پٹختے ہوئے پوچھا۔
''یہ عورت کون ہے؟''

صنم حمید، لاہور

بری عادت

''لیکن ڈارلنگ!'' شوہر نے بے بسی سے کہا۔
''اگر ہم نے نئی کار خرید لی تو اس کی قیمت کہاں سے ادا کریں گے؟''
''بس تم میں یہ بہت بری عادت ہے۔'' بیوی تنگ کر بولی۔
''تم ایک وقت میں بہت سارے مسائل جمع کر لیتے ہو۔''

زویا ظفر، سکھر سندھ

لاعلمی

ایک دوا فروش کہہ رہا تھا۔
''میری دوا کھانے سے عمر کافی بڑھ جائے گی، میری طرف دیکھیے میری عمر پانچ سو سال ہے، میں کتنا طاقتور اور صحت مند دکھائی دے رہا ہوں۔''
یہ سن کر لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے دوا فروش کے چیلے کو بلا کر پوچھا۔
''کیا ان کی عمر پانچ سو سال کی ہے؟'' یہ سن کر چیلے نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔
''مجھے معلوم نہیں کیونکہ میں ان کے ساتھ صرف دو سو سال سے ہوں۔''

سونیا ربانی، جام پور

اعلا نسل

ایک عورت کتا خریدنے گئی، فارم کا منیجر ایک کتا دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔
''اس نسل کا بس ایک کتا رہ گیا ہے اس لئے سستا مل جائے گا۔'' عورت نے کہا۔
''اس نسل کا کتا میرے شوہر کو پسند نہیں آئے گا۔'' منیجر نے کہا۔
''آپ خاوند کی پسند کی پروا نہ کریں، آپ کو اس نسل کے خاوند تو کئی مل جائیں گے، لیکن اس نسل کا کتا نہیں ملے گا۔''

ناظمہ احمد، کوئٹہ کینٹ

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

طاہرہ آصف: کی ڈائری سے ایک غزل
غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا
تمام رات قیامت کا انتظار کیا
ہنسا ہنسا کے شب وصل اشک بار کیا
تسلیاں مجھے دے دے کے بے قرار کیا
تڑپ پھر اے دل ناداں کہ غیر کہتے ہیں
اخیر کچھ نہ بنی، صبر اختیار کیا
بنے گا مہر قیامت ایک خال سیاہ
جو چہرہ داغ سیہ رونے آشکار کیا

عافیہ رحیم: کی ڈائری سے ایک نظم
کھیل دھوپ چھاؤں کا
صحن صبح نو میں ہے
وہ قدیم راستے
شہر وہ خیال کے
حسن جن کا دور ہے
تھا سفر میں پارسا
ان کی ایک جھلک بھی ہے
سامنے کی دید میں
آج کے اقرار میں
آنے والے دور کے
خوش نما غبار ہیں
ان کی اک مہک بھی ہے
چاہتوں کے سال میں
حجلہ وصال سی
آج کی بہار میں

واجدہ امیر: کی ڈائری سے
کہنے کو میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں
امجد مگر وہ شخص مجھے بھولتا نہیں
ڈرتا ہوں آنکھ کھولوں تو منظر بدل نہ جائے
میں جاگ تو رہا ہوں مگر جاگتا نہیں
آشفتگی سے اس کی اسے بے وفا نہ جان
عادت کی بات اور ہے، دل کا برا نہیں
تنہا اداس چاند کو سمجھو نہ بے خبر
ہر بات سن رہا ہے مگر بولتا نہیں
خاموش رت جگوں کا دھواں تھا چہار سو
نکلا کب آفتاب، مجھے تو پتا نہیں
امجد وہ آنکھیں جھیل سی گہری تو ہیں مگر
ان میں کوئی بھی عکس میرے نام کا نہیں

فاطمہ محمود: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
چلو اس خواب کو ہم ترک کر دیں
اور آنکھوں کو یہ سمجھا دیں
کہ ہر تصویر میں ہلکا گلابی رنگ چاہنے سے نہیں آتا
بہت سے نقش نقاش ازل ایسے بناتا ہے
کہ جن کا حاشیہ گہرا سیہ
اور نقش ہلکا سرمئی رہتا ہے
اور جن پر کسی بھی زاویے سے چاند اترے
یہ کبھی روشن نہیں ہوتے
خدا کچھ کام آدھی رات کو کرتا ہے
جب اس کے پیالے میں
سیاہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا
یہ خاکہ بھی
کسی ایسی ہی ساعت میں بنا ہوگا
ہماری آنکھ میں جو خواب اترا تھا

بہت خوش رنگ لگتا تھا
مگر اس کے دمکنے میں
کئی آنکھیں لہو ہوتیں
کتابوں اور پھولوں سے سجے جس گھر کے آنگن
میں
ہم اپنے آپ کو کھلتے ہوئے محسوس کرتے ہیں
وہاں اک اور گھر بنیاد سے یوں سر اٹھاتا ہے
کہ ہم اندر سے ہل جاتے
مگر چپ چاپ رہتے تھے
یہ چپ دیمک کی صورت ہم کو اک دن چاٹ
جاتی
تمہارے دکھ سے میں واقف ہوں
اور اپنے مقدر کی لکیروں کی بھی محروم ہوں
ہمارے بس میں رنگوں کو چناؤ ہے
نہ خط کا
سو اس تصویر کو تحلیل کر دیں
ہم اپنا کینوس تبدیل کر دیں

عابدہ خان: کی ڈائری سے ایک غزل

دشت ہجراں میں سایہ نہ صدا تیرے بعد
کتنے تنہا ہیں ترے آبلہ پا ترے بعد
لب پہ اک حرف طلب نہ تھا نہ رہا تیرے بعد
دل میں تاثیر کی خواہش نہ دعا تیرے بعد
درد سینے میں ہوا نوحہ میرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد
تجھ سے بچھڑا ہوں تو مرجھا کے ہوا برد ہوا
کون دیتا ہے مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد
ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے
کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد
جان محسن مرا حاصل یہی مبہم سطریں
شعر کہنے کا ہنر بھول گیا تیرے بعد

زینب شیخ: کی ڈائری سے ایک نظم

"چلو یوں ہی سہی"

چلو یوں ہی سہی
ترک تعلق کر لیا تم نے
وگرنہ میں تمہارے ساتھ
کتنی دور تک چلتا
تم اک موج صبا رفتار
میں اک آبلہ پا تھا
کتنے بادل تمہارے ساتھ تھے
اور تشنگی میرا مقدر تھی
تمہیں اب اس سے کیا
میں دشت جاں میں
وحشتوں کے درمیاں
پھر کتنا تنہا ہوں
تم اپنے حلقہ احباب میں خوش ہو
سو خوش رہنا
مگر میں ڈرتا رہتا ہوں
کہ زخم شناسائی کی کسک
تم تک نہ جا پہنچے

عالیہ وقاص: کی ڈائری سے ایک غزل

ہر سمت لطافت ہی لطافت سی لگے ہے
تو ہے تو یہ دنیا مجھے جنت سی لگے ہے
کیا تجھ کو ضرورت کسی انداز و ادا کی
تو یوں ہی مجھے ایک قیامت سی لگے ہے
آنکھیں جو اٹھائے تو محبت کا گماں ہو
نظروں کو جھکائے تو شرارت سی لگے ہے
یہ تیرے خدوخال میں مریم کا تقدس
آنکھوں کو جھکاؤں تو عبادت سی لگے ہے

رابعہ سعید: کی ڈائری سے ایک نظم

ان کالی صدیوں کے سر جب رات کا آنچل ڈھلکے گا
اور دکھ کے بادل پگھلیں گے جب سکھ کا ساگر
چھلکے گا
جب امبر جھوم کے ناچے گا جب دھرتی نغمے گائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

جس صبح کی خاطر جگ جگ سے ہم مر مر کے جیتے
ہیں
جس صبح کے امرت کی دھن میں ہم زہر کے
پیالے پیتے ہیں
ان بھوکی پیاسی روحوں پر اک دن تو کرم فرمائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
مانا کہ ابھی تیرے میرے ارمانوں کی قیمت کچھ
بھی نہیں
مٹی کا ہے کچھ مول مگر انسانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
انسانوں کی عزت جب جھوٹے سکوں میں نہ تولی
جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
دولت کے لئے جب عورت کی عصمت کو نہ بیچا
جائے گا
چاہت کو نہ کچلا جائے گا، غیرت کو نہ بیچا جائے گا
اپنے کالے کرتوتوں پر جب یہ دنیا شرمائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
بیتیں گے کبھی تو دن آخر یہ بھوک کے اور بے
کاری کے
ٹوٹیں گے کبھی تو بت آخر، دولت کی جارہ داری
ہے
جب ایک انوکھی دنیا کی بنیاد اٹھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
مجبور بڑھاپا جب سونی راہوں کی دھول نہ پھانکے
گا
معصوم لڑکپن جب گندی گلیوں میں بھیک نہ
مانگے گا
حق مانگنے والوں کو جس دن سولی نہ دکھائی جائے
گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
فاقوں کے چتاؤں پر جس دن انسان نہ جلائے
جائیں گے
سینے کے دہکتے دوزخ میں ارمان نہ جلائے جائیں
گے
یہ نرگ سے بھی گندی دنیا، جب سورگ بنائی
جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

عاصمہ رضوان: کی ڈائری سے ایک نظم

ہم نے بھلا کس سے کہا
ہم نے بھلا کس سے کہا
کرتے رہے عمر عمر
کس راہگزر کی جستجو
آنکھوں سے کیوں اوجھل ہوا
منسوب جس کے نام تھی
ہر روشنی، ہر آرزو
سفاک تھی موج بلا
مرگ تمنا عام تھی
چپ چاپ ہم کس کے لئے
تھامے رہے، جلتے رہے
دیکھو کہ پھر مینل ہوئے
شہر وفا کے آئینے
آئی رتوں کی آہٹیں
بیتے دنوں کے نقش پا
دیکھو کہ وہ آرام جاں
ہم پہ ہوا پھر مہرباں
ہم نے بھلا کس سے کہا

حنا خان: کی ڈائری سے ایک غزل

حساب ترک تعلق تمام میں نے کیا
شروع اس نے کیا اختتام میں نے کیا
مجھے بھی ترک محبت پہ حسرتیں ہی رہیں
جو کام میرا نہیں تھا وہ کام میں نے کیا
وہ چاہتا تھا کہ ویسے مجھے بکھرتے ہوئے
سو اس کا جشن بصد اہتمام میں نے کیا

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

امرود کا شربت

اشیاء

پکے امرود نرم	ایک کلو
پانی	ڈیڑھ کلو
چینی	ایک کلو
سٹیرک اسیڈ	چھ چھوٹے چمچے
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	آدھا چھوٹا چمچہ
کھانے والا زرد رنگ	دو بوند

ترکیب

امردوں کو دھو کر باریک کاٹ لیں، پریشر ککر میں امردوں کے کچے ٹکڑوں کو پانی میں اتنا پکائیں کہ ان کی خوشبو اور ذائقہ پانی میں اتر آئے، چھلنی کو ایک برتن پر رکھ کر رس کو چھان لیں، امردوں کو دبائیں یا نچوڑیں نہیں۔

رس میں چینی کو حل ہونے تک پکائیں پر ٹھنڈا کریں، چینی کی میل نکالنے کے لئے چینی والے رس کو چھانیں۔

سٹیرک ایسڈ، پانی میں گھلا پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ اور کھانے والا زرد رنگ ملائیں، اب اسے ڈھکن والی بوتلوں میں بھر کر صاف اور خشک جگہ پر رکھیں اور امرود کے شربت کا مزا لیں۔

پپیتے کا شربت

اشیاء

پپیتے کا گودا	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
پانی	ایک لیٹر
زرد رنگ	چٹکی بھر
سٹیرک ایسڈ	ایک گرام

ترکیب

پپیتے کا چھلکا اتاریں، اندر کے بیج اور ریشے نکال دیں، اسے ٹکڑوں میں کاٹیں اور مکسر میں ڈال کر باریک پتلا گودا نکالیں۔

تھوڑا سا پانی ملا کر پتلا کریں اور باقی پانی ملا کر اچھی طرح ایک جان کر کے پکائیں، جب رس والا پانی آدھا رہ جائے تب چینی ڈالیں۔

چینی کے ساتھ دوبارہ اچھی طرح سے پکائیں، سٹیرک ایسڈ ڈالیں اور ملائیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد زرد رنگ ملائیں۔

اس تیار شربت کو صاف اور خشک بوتلوں میں بھریں۔

کچے آم کا شربت

اشیاء

ابلے کچے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چھوٹا چمچہ
بھنا پسا زیرہ	ایک چھوٹا چمچہ
پسا پودینہ	ایک چھوٹا چمچہ
پانی	دو کپ

ترکیب

پانی اور چینی ملا کر چاشنی بنا لیں، چاشنی کو ٹھنڈا کر کے چھان لیں، آم کا گودا مکسر میں ڈالیں، نمک اور پودینہ ڈالیں اور مکسر چلا کر باریک پیس لیں، تیار چاشنی میں پسے ہوئے کچے آم کا مرکب ملائیں، صاف اور خشک بوتلوں میں

بھر کر رکھیں۔

پینے یا پلانے کے وقت ایک حصہ رس یا شربت میں تین حصے پانی اور چورا برف ملائیں۔

سردائی شربت

اشیاء

بادام کی گری	ایک سو پچاس گرام
خشخاش	ایک سو پچاس گرام
سیاہ مرچ	پچیس گرام
چاروں مغز	ایک سو پچیس گرام
سبز الائچی	پانچ گرام
سونف	ایک چھوٹا چمچہ
گلاب ایسنس	دو چھوٹے چمچے
روح کیوڑہ	ایک چھوٹا چمچہ
سٹیرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ
چینی	دو کلو
پانی	ایک لیٹر

ترکیب

بادام بھگو کر چھلکے اتار لیں، خشخاش کو بھی صاف کر کے بھگو دیں، خشخاش، چاروں مغز بغیر چھلکے بادام، سیاہ مرچ، سبز الائچی، اور سونف ڈال کر باریک پیس لیں، تھوڑے پانی میں گھول کر صاف کپڑے سے اسے بار بار چھانیں۔

چینی میں پانی ملا کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، ٹھنڈی چاشنی کو چھان کر اس مرکب میں ملائیں، گلاب کا ایسنس اور روح کیوڑہ ملائیں، سٹیرک ایسڈ ملائیں اور پورے شربت کو اچھی طرح سے ملا کر صاف بوتلوں میں بھریں۔

سیاہ انگور کا شربت

اشیاء

انگور سیاہ	چھ کپ
پانی	چھ کپ
چینی	نو کپ
نمک	ایک چھوٹا چمچہ
سٹیرک ایسڈ	ایک چھوٹا چمچہ
پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ	چٹکی بھر

ترکیب

دھلے سیاہ انگوروں کو جوسر یا مکسر میں ڈال کر رس نکال لیں۔

پانی میں چینی حل کریں، باریک کپڑے میں چینی ملا کر پانی چھانیں اور ابال لیں۔

ایک تار کی چاشنی بنائیں اور رس کو ٹھنڈا کریں، ٹھنڈی چاشنی میں رس اور سٹیرک ایسڈ ملائیں، اچھی طرح یک جان مرکب بنائیں، نمک کو ایک چوتھائی کپ پانی میں حل کر کے پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ ملائیں اور مرکب میں ملا لیں۔

بوتلوں میں بھر کر سیل بند کر لیں، پیش کرتے وقت ٹھنڈا پانی اور برف ملائیں۔

چیری کا شربت

اشیاء

چیری کا رس	ایک کلو
پانی	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
سٹیرک ایسڈ	تین گرام
پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ	تین گرام
چیری ایسنس	دو ملی گرام
شربت کا سرخ رنگ	تین گرام

ترکیب

اچھی پکی ہوئی چیری خرید کر انہیں پانی سے دھو کر صاف کر لیں، پھر انہیں ہاتھوں سے مسل کر یا مکسر سے چل کر صاف اور باریک کپڑے سے چھان کر ان کا رس نکال لیں، اسے تول کر ایک کلو رس ناپ لیں، اب اس رس میں چینی، پانی اور سٹیرک ایسڈ بھی ملا دیں، دھیمی آنچ پر رکھ کر

پکائیں۔

جب شربت پک جائے تو نیچے اتار لیں اور ٹھنڈا کر لیں، اب پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ کو تھوڑے سے پانی میں گھول لیں اور اسی طرح رنگ کو بھی گھول لیں اور چھان لیں۔

اب ان کو سارے شربت میں اچھی طرح ملا دیں، آخر میں چیری ایسنس ملانے سے خوشبو اور ذائقے میں اضافہ ہو جائے گا، چیری کا شربت تیار ہے۔

جو اور لیموں کا شربت

اشیاء

جو کا آٹا	دو سو پچاس گرام
چینی	ڈیڑھ کلو
لیموں کا رس	سات سو پچاس گرام
زرد رنگ	ایک گرام

ترکیب

جو کے آٹے میں تھوڑا پانی ملا کر لسی کی طرح بنا لیں۔

اب اس میں ایک کلو پانی ملا کر دس منٹ تک پکائیں، اس کو بالکل ہلکی آنچ پر پکائیں اور چمچہ ساتھ ساتھ چلائیں، اب اس کو اتار کر ٹھنڈا کر کے چھان لیں، پہلے موٹے کپڑے سے چھانیں پھر باریک کپڑے سے چھان لیں۔

اب لیموں کا رس نکالیں، اس کو بھی باریک کپڑے سے اچھی طرح چھان لیں، اس کے بعد ... کا پانی، لیموں کا رس اور چینی ملا کر خوب مکس کریں۔

اب اس کو آگ پر چڑھا دیں اور پکنے دیں ... شربت ایک تار کا ہو جائے تو رنگ پانی ... گھول کر اس میں ڈال دیں، ایک دو جوش ...نے کے بعد اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے صاف ... بوتلوں میں بھر لیں۔

آلو بخارے کا شربت

اشیاء

آلو بخارے	پانچ سو گرام
چینی	ایک کلوگرام
کھانے کا زرد رنگ	ڈیڑھ گرام
ایسنس	چند قطرے

ترکیب

آلو بخارے اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں، آدھا لیٹر پانی میں آلو بخارے ڈال کر رات بھر کے لئے چھوڑ دیں، صبح کو اسی پانی میں آلو بخاروں کو ابال لیں، دو چار جوش آنے کے بعد چولہے سے اتار لیں، چھلکے اور گٹھلی نکال کر پھینک دیں۔

اب اس رس میں چینی ملا کر پکائیں، ایک تار کی چاشنی تیار ہو جائے تو ایسنس اور زرد رنگ بھی ملا دیں اور چمچہ چلا کر سب کچھ اچھی طرح ملا لیں، پھر اتار کر ٹھنڈا کر لیں اور صاف بوتل میں بھر لیں۔

بادام کا شربت

اشیاء

مغز بادام	ایک سو پچیس گرام
چار مغز	ایک سو پچیس گرام
روح کیوڑہ	ایک چھوٹی شیشی
چینی	ڈیڑھ کلوگرام
پانی	ڈیڑھ لیٹر

ترکیب

بادام کی گریاں اور چاروں مغز الگ الگ برتنوں میں رات ہی کو بھگو دیں، صبح بادام کی گریاں چھیل لیں، اب چاروں مغز اور بادام باریک پیس لیں، ڈیڑھ لیٹر پانی میں چینی ملا کر چولہے پر چڑھا دیں، اس میں پسا ہوا بادام اور چاروں مغز بھی ملا دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں،

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!
آپ کے خطوط کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔
ایک نیا سورج طلوع ہونے کی نوید ہے، ایک نئی سحر کے آثار نمودار ہو رہے ہیں، یہ سراب ہے یا حقیقت، جو دعوے اور وعدے کیے جا رہے ہیں وہ پورے بھی ہوں گے یا پہلے کی طرح خوشنما خواب ہی ثابت ہوں گے یہ سچائی تو وقت ہی ثابت کرے گا کہ عمل ہی سب سے بڑی کسوٹی ہے، انسان کے عمل سے پیشتر اس کی ذات کی صداقت کی عکاسی اور کوئی چیز نہیں کر سکتی۔
زندگی ایک سفر مسلسل اور ہر قدم اگلے قدم کی بنیاد، کل جو کچھ تھا اس کی تعبیر ہم آج کی شکل میں دیکھ رہے ہیں اور یہ، یہ آج ہے جو آنے والے زمانوں کی بنیاد ہوگا۔
ہمیں یہ آج کا لمحہ تھام لینا ہے، کہ ہمیں آگے بڑھنا ہے یہ لمحہ اپنے دامن میں لامحدود امکانات سمیٹے ہوئے ہے، بات صرف ترجیحات اور سوچ کی ہے، آنے والوں زمانوں کی بہتری کے لئے آج کچھ کڑوے گھونٹ بھی پینے ہوں گے، ایک نسل قربانی دیتی ہے تو اگلی کئی نسلوں کے مقدر سنور جاتے ہیں۔
توانائی کے بحران سے ابھی ہم نمٹ نہیں پائے کے پانی کی کمی کا بحران تیزی سے ہمیں نگلنے کو بڑھ رہا ہے، پانی کا بحران بہت بڑا مسئلہ ہے اس سے ہمیں ترجیحی بنیادوں پر نمٹنا ہوگا، تب ہی ہم آگے بڑھ سکیں گے۔
اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں آیئے خطوط کی محفل میں چلنے سے پہلے درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہمارے تمام صغیر اور کبیرہ گناہ معاف فرمائے آمین یارب العالمین۔
یہ پہلا خط حیدرآباد روہڑی سے چندا سحر کا موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔
رمضان کے دوسرے عشرے میں "عید نمبر" نے سرپرائز دیا، ٹائٹل عید کی مناسبت سے بے حد پسند آیا، سردار طاہر صاحب کی باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتوں سے دل و روح کو منور کیا انشاء کی محفل میں پہنچے اور شاعری سے لطف اندوز ہوئے، آگے بڑھے تو فوزیہ آپی "مہکتا ہوا آنگن" لئے منتظر نظر آئیں واہ آپی ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی آپ مصنفین کو ایک جگہ اکٹھا کرنے میں کامیاب رہیں، جہاں سباس گل نے اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں جواب دیے جو بے حد پسند آئے، جبکہ حنا بشریٰ، بشریٰ سیال، صدف آصف، فوزیہ سرور، تحسین اختر، حیاء بخاری صبا جاوید کے جوابات بھی دلچسپی سے بھرپور ہاں قرۃ العین رائے، نایاب جیلانی اور ام مریم کی کمی شدت سے محسوس ہوئی، قرۃ العین آپ کو بیٹے کی بہت بہت مبارک ہو۔

اس کے بعد اپنے پسندیدہ سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی طرف بڑھے واہ بہت خوب ام مریم اس ماہ کی قسط بے حد شاندار رہی، یارمن کا حق وصول کرنے کا انداز بے حد پسند آیا خدا کے لئے یہ غانیہ اور حجاب کو بھی خوشیاں دان کر دیجئے، مریم جی ان کی ماں کی قسمت میں تو محبت کی نارسائی تھی تو کیا ضروری تھا کہ بیٹی بھی خالی ہاتھ رہتی اور یہ شانزے کو کیوں اتنا شتر بے مہار چھوڑا ہوا ہے، پلیز کچھ اس کا علاج کیجئے، نزہت جبیں کا مکمل ناول ''چھزی تیرے نام کی'' پسند آیا ہلکے پھلکے موضوع پر لکھی گئی تحریر پڑھنے میں مزہ دے گئی، ''می رقصم'' بشریٰ سیال کے ناولٹ کی قسط بھی شاندار رہی جبکہ تحسین اختر نے بھی اپنے ناولٹ ''شہر دل کا دروازہ'' کا تسلسل برقرار رکھا بلاشبہ تحسین اختر کی ناولٹ پر گرفت مضبوط ہے، حنا بشریٰ کا ناول ''آئے ہو تم بہار بن کے'' کے ٹائٹل نے جتنا متاثر کیا، کہانی اس کا عشر عشیر بھی نہ تھی، انتہائی بور تحریر تھی حنا بشریٰ کی، جبکہ ندا علی کا مکمل ناول ''تو کون پیا'' بے حد بے حد پسند آیا، ماشاء اللہ ندا علی نے حنا قارئین میں بڑی جلدی جگہ بنائی ہے، ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی ان کی تحریر شاندار رہی، افسانوں میں رمشا احمد، عائشہ الم اور ریحانہ آفتاب کے افسانے بے حد پسند ئے جبکہ شمسہ سرور اور تمثیلہ زاہد نے بھی اچھی وشش کی مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ اور اض ٹاپ پر رہے عید کے حوالے سے، دستر ان بھی بے حد پسند آیا، کس قیامت کے یہ ے ہمیشہ کی طرح بہترین رہے۔

چندا سحر خوش آمدید بڑے عرصے بعد ریف لائیں ہیں آپ؟ نہیں ہم آپ کو بھولے ں، جون کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ل آپ کے ذوق پر پورا اترا جان کر خوشی ہوئی

آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

رابعہ انجم: چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔

عید کا شمارہ عید سے پہلے بطور عیدی کے طور پر ملا، سرورق بے حد پیارا تھا، ماڈل کے زیورات نے خصوصاً اپنی طرف متوجہ کیا، اس ماہ میری اس محفل میں شرکت کرنے کی خصوصی وجہ ''عید سروے'' نے اپنے ٹائٹل ''مہکتا رہے آنگن'' سے لے کر مصنفین کے جوابات تک بے حد دلچسپ سلسلہ تھا، فوزیہ آپی اس مرتبہ سوال کچھ روٹین سے ہٹ کر تھے اور مصنفین کے جواب بھی مزے کے، بہت شکریہ، آپ ہر عید پر اتنی خوبصورت محفل سجاتی ہیں، یہاں یہ میں آپ سے ایک فرمائش کروں گی کہ پلیز ایک نظر کرم قارئین پر بھی ہو جائے اور عید الضحیٰ کا سروے قارئین کے نام کر دیں پلیز آپی۔

اب بات کریں بقیہ تحریروں کی، بشریٰ سیال کا ناولٹ اور تحسین اختر کا ناولٹ کی اقساط اس مرتبہ بھی دلچسپی سے بھرپور تھیں، بشریٰ آپ کے ناولٹ کا ہیرو فارقلیط کہاں سے ملے گا پلیز ضرور بتایئے گا ''شہر دل کے راستے'' میں تحسین اختر نے بڑی خوبصورتی سے کہانی کو آگے بڑھایا ہے ہر کردار اپنی جگہ بہترین ہے، حنا بشریٰ کا ناولٹ ''آئے ہو تم بہار بن کے'' کچھ خاص تاثر نہ چھوڑ سکا، بہت سی جگہ پر مصنفہ کی تحریر پر گرفت کمزور تھی مکمل ناول دونوں ہی بہترین تھے ''چھزی ترے نام کی'' نزہت جبین نے بھی اچھی کوشش کی تھی لیکن آپی میں یہاں ایک بات ضرور کہوں گی کہ پلیز مصنفین ناموں کا استعمال سوچ سمجھ کر کیا کریں، اب نزہت جبیں کی تحریر میں نام ''زافر'' کیا ہوا، ندا علی کا ناول ''تو کون پیا'' بے

حد پسند آیا، نداعلی آپ کی تحریر میں ایک محسوس کی جانے والی چاشنی ہے، افسانوں میں ''میرے آنگن میں اترا چاند'' عائشہ عالم اور رمشا احمد کا ''کنگناتی عید'' بے حد پسند آیا، ریحانہ آفتاب کی تحریر ''ویڈنگ انیورسری'' نے سوچ کے نئے در کھول دیئے سچ ہے کہ یہ عورت ہی ہوتی ہے جو مرد سے اپنی بے جا فرمائشیں کر کے اس کو غلط راستے پر چلنے پر مجبور کرتی ہے، شمسہ سرور اور تمثیلہ زاہد کی تحریر بس عام سی لگیں، مستقل سلسلوں میں میری ڈائری سے اور حنا کا دستر خوان بے حد مزے کے تھے، جبکہ کس قیامت کے یہ نامے میں آپ کی محبتوں کی پھوار میں سب کو بھیگتے پا کر دلی خوشی ہوئی۔

رابعہ انجم خوش آمدید ہمیں بے حد خوشی ہوئی کہ یہ جان کر عید سروے نے آپ کو ہماری اس محفل میں آنے پر مجبور کیا، عید نمبر کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو پہنچائی جارہی ہیں عید الضحیٰ کے حوالے سے آپ کی فرمائش قابل غور ہے انشاء اللہ ضرور پوری کرنے کی کوشش کریں گے، اپنا خیال رکھیئے گا اور اپنی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

ریحانہ یاسمین اور ایمن شاہین: بہاروالی سے لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی آپ کو میری طرف سے ڈھیروں عید کی خوشیاں مبارک، آپی میں نے بہت سی مصروفیات میں سے وقت نکال کر آپ کو خط لکھا، کیونکہ میری امی بیمار ہیں اور سب کام مجھے کرنے پڑتے ہیں، اس ماہ حنا بارہ تاریخ کو بمشکل ملا سرورق پر ماڈل کے میک اپ اور جیولری کو دیکھ کر میری آنکھیں دنگ رہ گئیں کہ اس سے اور زیادہ خوبصورت میک اپ اور جیولری ہو سکتی ہے کیا؟ پھر جلدی سے ''کس قیامت کے یہ نامے'' میں گزشتہ ماہ بھجوایا جانے والا اپنا خط دیکھا تو خوشی سے باغ باغ ہو گئی، میں آپ کی بہت مشکور ہوں کہ آپ نے میرا خط جون کے شمارہ میں شائع کیا، آپی میں نے آپ کے آفس کے نمبر پر کال کی تھی لیکن ریسیو ہی نہیں ہوئی، آپی پلیز میری کال اٹینڈ کریں یا پھر مجھے کسی طرح بتاؤ کہ میں 2017ء کے رہ جانے والے شمارے لے سکوں، سب سے پہلے میں نے ''می رقصم'' جو کہ بشریٰ سیال کا ناولٹ ہے، وہ پڑھا، مجھے وہ ناولٹ بہت ہی پسند ہے اور میں اسے پڑھنے کی منتظر رہتی ہوں، اس ناولٹ میں مجھے سب سے اچھا فارقلیط حسن اور عروبہ کا کردار لگتا ہے، پھر میں نے نایاب جیلانی کے سلسلہ وار ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' پڑھا، میں ماہنامہ حنا اسی سلسلے وار ناول کو پڑھنے کے لئے لیتی ہوں، اس ناول کا اختتام جلدی مت کرنا۔

ریحانہ یاسمین اور ایمن شاہین، عید نمبر کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کا منی آرڈر ہمیں مل جائے گا تو آپ کو حنا جاری کر دیا جائے گا، آپ کی امی کے لئے دعا گو ہیں، کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت و تندرستی عطا کرے، اس محفل میں جو بھی آتا ہے ہماری سب سے ہی دوستی ہے، ایمن شاہین کی پسندیدگی بشریٰ سیال تک پہنچائی جارہی ہے بشریٰ نوٹ کر لیجئے، ایمن کو آپ کا ناولٹ ''می رقصم'' بے حد پسند ہے، ریحانہ اور ایمن آپ کی رائے کے ہم ہمیشہ منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆